سبیل اللہ کے درجے کو نہ پہنچ سکتا' تو یہ بھی جانتا ہے کہ مجاہد کے گھوڑے کی رسی دراز ہو جائے اور وہ ادھر ادھر چر جائے تو اس پر بھی مجاہد کو نیکیاں ملتی ہیں۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر حال میں ہر وقت ہر معاملہ میں اللہ کا خوف کیا کرو۔ جناب رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا' اے معاذ جہاں بھی ہو' اللہ کا خوف دل میں رکھ اور اگر تجھ سے کوئی برائی ہو جائے تو فوراً کوئی نیکی بھی کر لے تا کہ وہ برائی مٹ جائے اور لوگوں سے خلق و مروت کے ساتھ پیش آیا کر۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ چاروں کام کر لینے سے تم اپنے مقصد میں کامیاب اور بامراد ہو جاؤ گے۔ دنیا اور آخرت میں فلاح و نجات پالو گے۔ حضرت محمد بن کعب قرظی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے' تم میرا لحاظ رکھو' میرے خوف سے کانپتے رہو' میرے اور اپنے معاملہ میں متقی رہو تو کل جبکہ تم مجھ سے ملو گے' نجات یافتہ اور بامراد ہو جاؤ گے۔ انتہی

تفسیر سورة النساء

(تفسیر سورۂ نساء) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورت مدینہ شریف میں اتری ہے' حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں' حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب یہ سورت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اب روک رکھنا نہیں' مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ نساء میں پانچ آیتیں ایسی ہیں کہ اگر ساری دنیا بھی مجھے مل جائے جب بھی مجھے اس قدر خوشی نہ ہو جتنی ان آیتوں سے ہے یعنی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ الخ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور جس کسی کی جو نیکی ہوتی ہے' اس کا ثواب بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے جو بطور انعام اجر عظیم دے' وہ جداگانہ ہے اور آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ الخ' اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچ جاؤ تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ خود ہی معاف فرما دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ جنت میں لے جائیں گے اور آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کرنے والے کو تو نہیں بخشتا باقی جس گنہگار کو چاہے بخش دے اور آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الخ' یعنی یہ لوگ گناہ سرزد ہو چکنے کے بعد تیرے پاس آ جاتے اور خود بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار طلب کرتا تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو معافی اور مہربانی کرنے والا پاتے۔

امام حاکمؒ فرماتے ہیں' یوں تو اس کی اسناد صحیح ہے لیکن اس کے ایک راوی عبدالرحمان کے اپنے باپ سے سننے میں اختلاف ہے' عبدالرزاق کی اس روایت میں آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ الخ' کے بدلے وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ہے یعنی جس شخص سے کوئی برا کام ہو جائے یا اپنے نفس پر ظلم کر گزرے' پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ دونوں احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ ایک آیت کا بیان کرنا پہلی حدیث میں یا تو رہ گیا ہے اور اس کا بیان دوسری حدیث میں ہے تو چار آیتیں پہلی حدیث اور پانچویں آیت اس حدیث و من یعمل الخ' کی مل کر پانچ ہو گئیں یا یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ والی آیت پوری ہے اور وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً کو الگ آیت شمار کیا ہے تو دونوں احادیث میں پانچ پانچ آیتیں ہو گئیں (واللہ اعلم۔ مترجم)۔

ابن جریرؒ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سورت میں آٹھ آیتیں ہیں جو اس امت کے لئے ہر اس چیز سے بہتر ہیں جن پر سورج نکلتا اور غروب ہوتا ہے۔ پہلی آیت یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ الخ' اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تم پر صاف صاف بیان

کردے اور تمہیں ان اچھے لوگوں کی راہ راست دکھادے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تم پر مہربانی کرے۔ اللہ تعالیٰ دانا اور حکمت والا ہے' دوسری آیت وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے لوگوں کی چاہت ہے کہ تم راہ حق سے بہت دور ہٹ جاؤ۔

تیسری آیت يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا یعنی انسان چونکہ ضعیف پیدا کیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر تخفیف کرنا چاہتا ہے' باقی آیتیں وہی جو اوپر گزریں۔ ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سورۂ نساء کی بابت سنا۔ پس میں نے قرآن پڑھا اور میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا (حاکم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝۱

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ لوگو اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں' اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو' بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے ○

محبت ومودت کا آفاقی اصول: ☆☆ (آیت:۱) اللہ تعالیٰ اپنے تقوے کا حکم دیتا ہے کہ جسم سے اسی ایک ہی کی عبادتیں کی جائیں اور دل میں صرف اسی کا خوف رکھا جائے۔ پھر اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ اس نے تم سب کو ایک ہی شخص یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا ہے' ان کی بیوی یعنی حضرت حوا علیہا السلام کو بھی انہی سے پیدا کیا' آپ سوئے ہوئے تھے کہ بائیں طرف کی پسلی کی پچھلی طرف سے حضرت حوا کو پیدا کیا' آپ نے بیدار ہو کر انہیں دیکھا اور اپنی طبیعت کو ان کی طرف راغب پایا اور انہیں بھی ان سے انس پیدا ہوا' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' عورت مرد سے پیدا کی گئی ہے' اس لئے اس کی حاجت وشہوت مرد میں رکھی گئی ہے اور مرد زمین سے پیدا کئے گئے ہیں اس لئے ان کی حاجت زمین میں رکھی گئی ہے پس تم اپنی عورتوں کو روکے رکھو' صحیح حدیث میں ہے عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور سب سے بلند پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہے۔ پس اگر تو اسے بالکل سیدھی کرنے کو جائے گا تو توڑ دے گا اور اگر اس میں کچھ کجی باقی چھوڑتے ہوئے فائدہ اٹھانا چاہے گا تو بے شک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

پھر فرمایا ان دونوں سے یعنی آدم وحوا سے بہت سے انسان مرد وعورت چاروں طرف دنیا میں پھیلا دیئے جن کی قسمیں' صفتیں' رنگ وروپ' بول چال میں بہت کچھ اختلاف ہے' جس طرح یہ سب پہلے اللہ تعالیٰ کے قبضے میں تھے اور پھر انہیں اس نے ادھر ادھر پھیلا دیا' ایک وقت ان سب کو سمیٹ کر پھر اپنے قبضے میں کر کے ایک میدان میں جمع کرے گا۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس کی اطاعت عبادت بجالاتے

رہو اسی اللہ کے واسطے سے اور اسی کے پاک نام پر تم آپس میں ایک دوسرے سے مانگتے ہو مثلاً یہ کہنا کہ میں تجھے اللہ کو یاد دلا کر اور رشتے کو یاد دلا کر یوں کہتا ہوں' اسی کے نام کی قسمیں کھاتے ہو اور عہد و پیمان مضبوط کرتے ہو اللہ جل شانہ سے ڈر کر رشتوں ناتوں کی حفاظت کرو۔ انہیں توڑو نہیں بلکہ جوڑو' صلہ رحمی' نیکی اور سلوک آپس میں کرتے رہو۔

ارحام بھی ایک قرات میں ہے یعنی اللہ کے نام پر اور رشتے کے واسطے سے اللہ تعالیٰ تمہارے تمام احوال اور اعمال سے واقف ہے۔ خوب دیکھ بھال رہا ہے' جیسے اور جگہ ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ اللہ ہر چیز پر گواہ اور حاضر ہے' صحیح حدیث میں ہے اللہ عزوجل کی ایسی عبادت کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے' مطلب یہ ہے کہ اس کا لحاظ رکھو جو تمہارے ہر اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے پر نگراں ہے' یہاں فرمایا گیا کہ لوگو تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ ایک دوسرے پر شفقت کیا کرو' کمزور اور ناتواں کا ساتھ دو اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو' صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب قبیلہ مضر کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس چادریں لپیٹے ہوئے آئے کیونکہ ان کے جسم پر کپڑا تک نہ تھا تو حضور نے کھڑے ہو کر نماز ظہر کے بعد وعظ بیان فرمایا جس میں اس آیت کی تلاوت کی۔ پھر آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ الخ' کی تلاوت کی۔ پھر لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب دی چنانچہ جس سے جو ہو سکا۔ ان لوگوں کے لئے دیا' درہم و دینار بھی اور کھجور و گیہوں بھی۔ یہ حدیث' مسند اور سنن میں خطبہ حاجات کے بیان میں ہے۔ پھر تین آیتیں پڑھیں جن میں سے ایک آیت یہی ہے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَىْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝۴

یتیموں کو ان کے مال دے دیا کرو' پاک اور حلال چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو' اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر نہ کھاؤ' بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے ○ اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں سے بھی جو تمہیں اچھی لگیں' تم ان سے نکاح کر لو دو دو تین تین چار چار سے لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی بس ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی ہی' ممکن ہے کہ ایسا کرنے سے ناانصافی اور ایک طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ ○ عورتوں کو ان کے مہر بخوشی دے دیا کرو ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ پیو ○

یتیموں کی نگہداشت اور چار شادیوں کی اجازت: ☆☆ (آیت: ۲-۴) اللہ تعالیٰ یتیموں کے والیوں کو حکم دیتا ہے کہ جب یتیم بلوغت اور سمجھداری کو پہنچ جائیں تو ان کے جو مال تمہارے پاس ہوں' انہیں سونپ دو' پورے پورے' بغیر کمی اور خیانت کے ان کے حوالے کرو'

اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر گڈمڈ کر کے کھا جانے کی نیت نہ رکھو حلال رزق جب اللہ رحیم تمہیں دے رہا ہے پھر حرام کی طرف کیوں منہ اٹھاؤ؟ تقدیر کی روزی مل کر ہی رہے گی اپنے حلال مال چھوڑ کر لوگوں کے مالوں کو جو تم پر حرام ہیں نہ لو دبلا پتلا جانور دے کر موٹا تازہ نہ لو بوٹی دے کر بکرے کی فکر نہ کرو ردی دے کر اچھے کی اور کھوٹا دے کر کھرے کی نیت نہ رکھو پہلے لوگ ایسا کر لیا کرتے تھے کہ یتیموں کی بکریوں کے ریوڑ میں سے عمدہ بکری لے لی اور اپنی دبلی پتلی بکری دے کر گنتی پوری کر دی کھوٹا درہم اس کے مال میں ڈال کر کھرا نکال لیا اور پھر سمجھ لیا کہ ہم نے تو بکری کے بدلے بکری اور درہم کے بدلے درہم لیا ہے۔ ان کے مالوں میں اپنا مال خلط ملط کر کے پھر یہ حیلہ کر کے کہ اب امتیاز کیا ہے ان کے مال تلف نہ کرو یہ بڑا گناہ ہے ایک ضعیف حدیث میں بھی یہی معنی آخری جملے کے مروی ہیں۔ ابوداؤد کی حدیث میں ایک دعا میں بھی حوب کا لفظ گناہ کے معنی میں آیا ہے حضرت ابوایوبؓ نے جب اپنی بیوی صاحبہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا تھا کہ اس طلاق میں گناہ ہے چنانچہ وہ اپنے ارادے سے باز رہے ایک روایت میں یہ واقعہ حضرت ابوطلحہؓ اور ام سلیمؓ کا مروی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تمہاری پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور تم اس سے نکاح کرنا چاہتے ہو لیکن چونکہ اس کا کوئی اور نہیں اس لئے تم ایسا نہ کرو کہ مہر اور حقوق میں کمی کر کے اسے اپنے گھر ڈال لو اس سے باز رہو اور عورتیں بہت ہیں جس سے چاہو نکاح کر لو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک یتیم لڑکی تھی جس کے پاس مال بھی تھا اور باغ بھی۔ جس کی پرورش میں وہ تھی اس نے صرف اس مال کے لالچ میں بغیر اس کا پورا مہر وغیرہ مقرر کرنے کے اس سے نکاح کر لیا جس پر یہ آیت اتری۔ میرا خیال ہے کہ اس باغ اور مال میں یہ لڑکی حصہ دار تھی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن شہاب نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا بھانجے یہ ذکر اس یتیم لڑکی کا ہے جو اپنے ولی کے قبضہ میں ہے۔ اس کے مال میں شریک ہے اور اسے اس کا مال و جمال اچھا لگتا ہے۔ چاہتا ہے کہ اس سے نکاح کر لے لیکن جو مہر وغیرہ اور جگہ سے اسے ملتا ہے اتنا یہ نہیں دیتا تو اسے منع کیا جا رہا ہے کہ وہ اس سے اپنی نیت چھوڑ دے اور کسی دوسری عورت سے جس سے چاہے اپنا نکاح کر لے پھر اس کے بعد لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی کی بابت دریافت کیا اور آیت وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ الخ نازل ہوئی۔ وہاں فرمایا گیا ہے کہ جب یتیم لڑکی کم مال والی اور کم جمال والی ہوتی ہے اس وقت تو اس کے والی اس سے بے رغبتی کرتے ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ مال و جمال پر مائل ہو کر اس کے پورے حقوق ادا نہ کر کے اس سے اپنا نکاح کر لیں۔

ہاں عدل و انصاف سے پورا مہر وغیرہ مقرر کریں تو کوئی حرج نہیں ورنہ پھر عورتوں کی کمی نہیں اور کسی سے جس سے چاہیں اظہار نکاح کر لیں دو دو عورتیں اپنے نکاح میں رکھیں۔ اگر چاہیں تین تین رکھیں اگر چاہیں چار چار جیسے اور جگہ یہ الفاظ انہی معنوں میں ہیں فرماتا ہے جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یعنی جن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ اپنا قاصد بنا کر بھیجتا ہے ان میں سے بعض دو دو پروں والے ہیں بعض تین تین پروں والے بعض چار چار پروں والے۔ فرشتوں میں اس سے زیادہ پروالے فرشتے بھی ہیں کیونکہ دلیل سے یہ ثابت شدہ ہے لیکن مرد کو ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویوں کا جمع کرنا منع ہے جیسے کہ اس آیت میں موجود ہے اور جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ اور جمہور کا قول ہے یہاں اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور انعام بیان فرما رہا ہے۔ پس اگر چار سے زیادہ کی اجازت دینی منظور ہوتی تو ضرور فرما دیا جاتا حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث جو قرآن کی وضاحت کرنے والی ہے اس نے بتلا دیا ہے کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کے لئے چار سے زیادہ بیویوں کا بیک وقت جمع کرنا جائز نہیں۔ اسی پر علماء کرام کا اجماع ہے البتہ بعض شیعہ کا قول ہے کہ نو تک جمع کرنی جائز ہیں بلکہ بعض شیعہ نے تو کہا ہے کہ نو سے بھی زیادہ جمع کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں کوئی تعداد مقرر ہے ہی نہیں ان کا

استدلال ایک تو رسول کریم ﷺ کے فعل سے ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آچکا ہے کہ آپ کی نو بیویاں تھیں' اور بخاری شریف کی معلق حدیث کے بعض راویوں نے گیارہ کہا ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے پندرہ بیویوں سے عقد کیا' تیرہ کی رخصتی ہوئی' ایک وقت میں گیارہ بیویاں آپؐ کے پاس تھیں' انتقال کے وقت آپؐ کی نو بیویاں تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اجمعین۔ ہمارے علماء کرام اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی خصوصیت تھی' امتی کو ایک وقت میں چار سے زیادہ پاس رکھنے کی اجازت نہیں' جیسے کہ یہ حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسلمان ہوتے ہیں تو ان کے پاس ان کی دس بیویاں تھیں۔ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان میں سے جنہیں چاہو چار رکھ لو۔ باقی کو چھوڑ دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں اپنی ان بیویوں کو بھی طلاق دے دی اور اپنے لڑکوں کو اپنا مال بانٹ دیا' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا' شاید تیرے شیطان نے بات اچک لی اور تیرے دل میں خیال جما دیا کہ تو عنقریب مرنے والا ہے' اس لئے اپنی بیویوں کو تو نے الگ کر دیا کہ وہ تیرا مال نہ پائیں اور اپنا مال اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنی بیویوں سے رجوع کر لے اور اپنی اولاد سے مال واپس لے لے' اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے بعد تیری ان مطلقہ بیویوں کو بھی تیرا وارث بناؤں گا کیونکہ تو نے انہیں اسی ڈر سے طلاق دی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تیری زندگی بھی اب ختم ہونے والی ہے اور اگر تو نے میری بات نہ مانی تو یاد رکھ میں حکم دوں گا کہ لوگ تیری قبر پر پتھر پھینکیں جیسے کہ ابورغال کی قبر پر پتھر پھینکے جاتے ہیں (مسند احمد' شافعی' ترمذی' ابن ماجہ' دارقطنی' بیہقی وغیرہ) مرفوع حدیث تک تو ان سب کتابوں میں ہے ہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا واقعہ صرف مسند احمد میں ہی ہے لیکن یہ زیادتی حسن ہے' اگرچہ امام بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس کی اسناد کا دوسرا طریقہ بتا کر اس طریقہ کو غیر محفوظ کہا ہے مگر اس تعلیل میں بھی اختلاف ہے واللہ اعلم۔ اور بزرگ محدثین نے بھی اس پر کلام کیا ہے لیکن مسند احمد والی حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شرط شیخین پر ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ یہ دس عورتیں بھی اپنے خاوند کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں۔ ملاحظہ ہو سنن نسائی۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر چار سے زیادہ کا ایک وقت میں نکاح میں رکھنا جائز ہوتا تو حضورؐ ان سے یہ نہ فرماتے کہ اپنی ان دس بیویوں میں سے چار کو جنہیں تم چاہو روک لو باقی کو چھوڑ دو کیونکہ یہ سب بھی اسلام لا چکی تھیں' یہاں یہ بات بھی خیال میں رکھنی چاہئے کہ ثقفی کے ہاں تو یہ دس عورتیں بھی موجود تھیں۔ اس پر بھی آپ نے چھ علیحدہ کرا دیں۔ پھر بھلا کیسے ہو سکتا ہے کوئی شخص نئے سرے سے چار سے زیادہ جمع کرے؟ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

<u>"چار سے زائد نہیں" وہ بھی بشرط انصاف ورنہ ایک ہی بیوی!</u> ☆☆ "دوسری حدیث" ابوداؤد' ابن ماجہ وغیرہ میں ہے' حضرت امیرہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے جس وقت اسلام قبول کیا' میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں۔ میں نے رسول کریم ﷺ سے ذکر کیا' آپ نے فرمایا ان میں سے جن چار کو چاہو رکھ لو' اس کی سند حسن ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں۔ راویوں کے ناموں کا ہیر پھیر وغیرہ ایسی روایات میں نقصان نہیں ہوتا "تیسری حدیث" مسند شافعی میں ہے۔ حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب اسلام قبول کیا اس وقت میری پانچ بیویاں تھیں۔ مجھ سے حضورؐ نے فرمایا' ان میں سے پسند کر کے چار کو رکھ لو اور ایک کو الگ کر دو۔ میں نے جو سب سے زیادہ عمر کی بڑھیا اور بے اولاد بیوی ساٹھ سال کی تھی' انہیں طلاق دے دی' پس یہ حدیثیں حضرت غیلان والی پہلی حدیث کی شواہد ہیں جیسے کہ حضرت امام بیہقیؒ نے فرمایا۔

پھر فرماتا ہے ہاں اگر ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل و انصاف نہ ہو سکنے کا خوف ہو تو صرف ایک ہی پر اکتفا کرو اور اپنی کنیزوں سے استماع کرو جیسے اور جگہ ہے وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ یعنی گو تم چاہو لیکن تم سے نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کے درمیان پوری طرح عدل و انصاف کو قائم رکھ سکو۔ پس بالکل ایک ہی طرف جھک کر دوسری کو مصیبت میں نہ ڈال دو ہاں یاد رہے کہ لونڈیوں میں باری وغیرہ کی تقسیم واجب نہیں البتہ مستحب ہے۔ جو کرے اس نے اچھا کیا اور جو نہ کرے اس پر حرج نہیں۔

اس کے بعد کے جملے کے مطلب میں بعض نے تو کہا ہے کہ یہ قریب ان معنی کے کہ تمہارے عیال یعنی فقیری زیادہ نہ ہو جیسے اور جگہ ہے وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَلَيۡةً یعنی اگر تمہیں فقر کا ڈر ہو عربی شاعر کہتا ہے۔

فَمَا يَدۡرِي الۡفَقِيۡرُ مَتٰى غِنَاهُ فَمَا يَدۡرِي الۡفَقِيۡرُ مَتٰى يَعۡنَاهُ

یعنی فقیر نہیں جانتا کہ کب امیر ہو جائے گا اور امیر کو معلوم نہیں کہ کب فقیر بن جائے گا' جب کوئی مسکین محتاج ہو جائے تو عرب کہتے ہیں عَالَ الرَّجُلُ یعنی یہ شخص فقیر ہو گیا۔ غرض اس معنی میں یہ لفظ مستعمل تو ہے لیکن یہاں یہ تفسیر کچھ زیادہ اچھی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اگر آزاد عورتوں کی کثرت فقیری کا باعث بن سکتی ہے تو لونڈیوں کی کثرت بھی فقیری کا سبب ہو سکتی ہے' پس صحیح قول جمہور کا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ قریب ہے اس سے کہ تم ظلم سے بچ جاؤ' عرب میں کہا جاتا ہے عَالَ فِي الۡحُكۡمِ جبکہ ظلم و جور کیا ہو' ابو طالب کے مشہور قصیدے میں ہے۔

بِمِيۡزَانِ قِسۡطٍ لَّا يَخِسُّ شَعِيۡرَةً لَهٗ شَاهِدٌ مِّنۡ نَفۡسِهٖ غَيۡرُ عَائِلٍ

ضمیر بہترین ترازو ہے: ☆☆ یعنی ایسی ترازو سے تولتا ہے جو ایک جو برابر کی بھی کمی نہیں کرتا۔ اس کے پاس اس کا گواہ خود اس کا نفس ہے جو ظالم نہیں ہے۔ ابن جریرؒ میں ہے کہ جب کوفیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک خط کچھ الزام لکھ کر بھیجے تو ان کے جواب میں خلیفہ رسولؐ نے لکھا کہ اِنِّيۡ لَسۡتُ بِمِيۡزَانِ اَعُوۡلَ میں ظلم کا ترازو نہیں ہوں۔ صحیح ابن حبان وغیرہ میں ایک مرفوع حدیث اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس کا معنی ہے تم ظلم نہ کرو' ابو حاتم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مرفوع ہونا تو خطا ہے۔ ہاں یہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے۔ اسی طرح لَا تَعُوۡلُوۡا کے یہی معنی ہیں یعنی تم ظلم نہ کرو' حضرت عبداللہ بن عباسؓ' حضرت عائشہؓ' حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت حسن' حضرت ابو مالک' حضرت ابو رزین' حضرت نخعی' حضرت شعبی' حضرت ضحاک' حضرت عطا خراسانی' حضرت قتادہ' حضرت سدی اور حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ علیہم وغیرہ سے بھی مروی ہیں۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ابو طالب کا وہی شعر پیش کیا ہے' امام ابن جریر نے اسے روایت کیا ہے اور خود امام صاحب بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے اپنی بیویوں کو ان کے مہر خوشدلی سے ادا کر دیا کرو جو بھی مقرر ہوئے ہوں اور جن کو تم نے منظور کیا ہو' ہاں اگر عورت خود اپنا سارا یا تھوڑا بہت مہر اپنی خوشی سے مرد کو معاف کر دے تو اسے اختیار ہے اور اس صورت میں بے شک مرد کو اس کا اپنے استعمال میں لانا حلال و طیب ہے' نبی ﷺ کے بعد کسی کو جائز نہیں کہ بغیر مہر واجب کے نکاح کرے نہ یہ کہ جھوٹ موٹ مہر کا نام ہی نام ہو۔ ابن ابی حاتم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مروی ہے کہ تم میں سے جب کوئی بیمار پڑے تو اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے اس کے مال کے تین درہم یا کم و بیش لے۔ ان کا شہد خرید لے اور بارش کا آسمانی پانی اس میں ملا لے تو تین تین بھلائیاں مل جائیں گی هَنِيۡٓـًٔا مَّرِيۡٓـًٔا تو مال عورت اور شفا شہد اور مبارک بارش کا پانی۔ حضرت ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی بیٹیوں کا مہر آپ لیتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور انہیں اس سے روک دیا گیا (ابن حاتمؒ اور ابن جریرؒ) اس حکم کو سن کر لوگوں نے سرور مقبول ﷺ سے پوچھا کہ ان کا مہر کیا ہونا چاہئے؟ آپ نے فرمایا' جس چیز پر بھی ان کے ولی رضامند ہو جائیں (ابن ابی حاتم) حضورؐ نے اپنے خطبے میں تین مرتبہ فرمایا کہ بیوہ عورتوں کا نکاح کر دیا کرو' ایک شخص نے کھڑے

ہو کر پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ ایسی صورت میں ان کا مہر کیا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا' جس پر ان کے گھر والے راضی ہو جائیں' اس کے ایک راوی ابن سلمانی ضعیف ہیں' پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۞ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ۞

بے عقل لوگوں کو اپنے مال نہ دے دو' جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس مال سے کھلاؤ پلاؤ پہناؤ اور انہیں معقولیت سے نرم بات کہو ○ اور یتیموں کو ان کے بالغ ہو جانے تک سدھارتے اور آزماتے رہا کرو۔ پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبر پاؤ تو انہیں ان کے مال سونپ دو اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کرو' مالداروں کو چاہئے کہ (اس مال سے) بچتے رہیں' ہاں مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طور سے کھائے' پھر جب انہیں ان کے مال سونپو تو گواہ کر لیا کرو' دراصل حساب لینے والا اللہ ہی کافی ہے ○

کم عقل اور یتیموں کے بارہ میں احکامات: ☆☆ (آیت:۵-۶) اللہ سبحانہ وتعالیٰ لوگوں کو منع فرماتا ہے کہ کم عقل بیویوں کو مال کے تصرف سے روکیں' مال کو اللہ تعالیٰ نے تجارتوں وغیرہ میں لگا کر انسان کا ذریعہ معاش بنایا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ کم عقل لوگوں کو ان کے مال کے خرچ سے روک دینا چاہئے' مثلاً نابالغ بچہ ہو یا مجنون و دیوانہ ہو یا کم عقل بے وقوف ہو اور بے دین ہو' بری طرح اپنے مال کو لٹا رہا ہو' اسی طرح ایسا شخص جس پر قرض بہت چڑھ گیا ہو' جسے وہ اپنے کل مال سے بھی ادا نہیں کر سکتا' اگر قرض خواہ حاکم وقت سے درخواست کریں تو حاکم وہ سب مال اس کے قبضے سے لے لے گا اور اسے بے دخل کر دے گا' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہاں سُفَهَآءَ سے مراد تیری اولاد اور عورتیں ہیں' اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ حکم بن عیینہ' حسن اور ضحاک رحمتہ اللہ علیہم سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' یتیم مراد ہیں۔ مجاہدؒ عکرمہ اور قتادہ رحمھم اللہ علیھم کا قول ہے کہ عورتیں مراد ہیں' ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک عورتیں بے وقوف ہیں مگر جو اپنے خاوند کی اطاعت گزار ہوں' ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث مطول مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سرکش خادم ہیں۔

پھر فرماتا ہے انہیں کھلاؤ پہناؤ اور اچھی بات کہو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی تیرا مال جس پر تیری گزر بسر موقوف ہے' اسے اپنی بیوی بچوں کو نہ دے ڈال کہ پھر ان کا ہاتھ تکتا پھرے بلکہ اپنا مال اپنے قبضے میں رکھ' اس کی اصلاح کرتا رہ اور خود اپنے ہاتھ سے ان کے کھانے کپڑے کا بندوبست کر اور ان کے خرچ اٹھا' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے

ہیں لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا' ایک وہ شخص جس کی بیوی بد خلق ہو اور پھر بھی وہ اسے طلاق نہ دے' دوسرا وہ شخص جو اپنا مال بے وقوف کو دے دے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بیوقوف کو اپنا مال نہ دو۔ تیسرا وہ شخص جس کا قرض کسی پر ہو اور اس نے اس قرض پر کسی کو گواہ نہ کیا ہو۔ ان سے بھلی بات کہو یعنی ان سے نیکی اور صلہ رحمی کرو' اس آیت سے معلوم ہوا کہ محتاجوں سے سلوک کرنا چاہئے۔ اسے جسے بالفعل تصرف کا حق نہ ہو' اس کے کھانے کپڑے کی خبر گیری کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ نرم زبانی اور خوش خلقی سے پیش آنا چاہئے۔

پھر فرمایا یتیموں کی دیکھ بھال رکھو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائیں' یہاں نکاح سے مراد بلوغت ہے اور بلوغت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اسے خاص قسم کے خواب آنے لگیں جن میں خاص پانی اچھل کر نکلتا ہے' حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بخوبی یاد ہے کہ احتلام کے بعد یتیمی نہیں اور نہ تمام دن رات چپ رہنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے' بچے سے جب تک بالغ نہ ہو' سوتے سے جب جاگ نہ جائے' مجنوں سے جب تک ہوش نہ آئے' پس ایک تو علامت بلوغ یہ ہے۔

دوسری علامت بلوغ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ پندرہ سال کی عمر ہو جائے۔ اس کی دلیل بخاری و مسلم کی حضرت ابن عمرؓ والی حدیث ہے' جس میں وہ فرماتے ہیں کہ احد والی لڑائی میں مجھے حضورؐ نے اپنے ساتھ اس لئے نہیں لیا تھا کہ اس وقت میری عمر چودہ سال کی تھی اور خندق کی لڑائی میں جب میں حاضر کیا گیا' آپؐ نے قبول فرما لیا اس وقت میں پندرہ سال کا تھا' حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو آپ نے فرمایا' نابالغ بالغ کی حد یہی ہے۔ تیسری علامت بلوغت کی زیر ناف کے بالوں کا نکلنا ہے۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ علامت بلوغ ہے' دوسرے یہ کہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ مسلمانوں میں نہیں اور ذمیوں میں ہے اس لئے کہ ممکن ہے کسی دوا سے یہ بال جلد نکل آتے ہوں اور ذمی پر جوان ہوتے ہی جزیہ لگ جاتا ہے تو وہ اسے کیوں استعمال کرے گا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سب کے حق میں یہ علامت بلوغت ہے کیونکہ اولاً تو جبلی امر ہے۔ علاج معالجہ کا احتمال بہت دور کا احتمال ہے۔ ٹھیک یہی ہے کہ یہ بال اپنے وقت پر ہی نکلتے ہیں' دوسری دلیل مسند احمد کی حدیث ہے' جس میں حضرت عطیہ قرظیؓ کا بیان ہے کہ بنو قریظہ کی لڑائی کے بعد ہم لوگ حضورؐ کے سامنے کئے گئے تو آپ نے حکم دیا کہ ایک شخص دیکھے۔ جس کے یہ بال نکل آئے ہوں' اسے قتل کر دیا جائے اور نہ نکلے ہوں تو اسے چھوڑ دیا جائے چنانچہ یہ بال میرے بھی نہ نکلے تھے مجھے چھوڑ دیا گیا۔ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔ حضرت سعدؓ کے فیصلے پر راضی ہو کر یہ قبیلہ لڑائی سے باز آیا تھا۔ پھر حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے لڑنے والے تو قتل کر دیئے جائیں اور بچے قیدی بنا لئے جائیں۔ غرائب ابی عبید میں ہے کہ ایک لڑکے نے ایک نوجوان لڑکی کی نسبت کہا کہ میں نے اس سے بدکاری کی ہے دراصل یہ تہمت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے تہمت کی حد لگانی چاہی لیکن فرمایا' دیکھو لو اگر اس کے زیر ناف کے بال اگ آئے ہوں تو اس پر حد جاری کردو ورنہ نہیں دیکھا تو اگے نہ تھے چنانچہ اس پر سے حد ہٹا دی۔

پھر فرماتا ہے جب تم دیکھو کہ یہ اپنے دین کی صلاحیت اور مال کی حفاظت کے لائق ہو گئے ہوں تو ان کے ولیوں کو چاہئے کہ ان کے مال انہیں دے دیں۔ بغیر ضروری حاجت کے صرف اس ڈر سے کہ یہ بڑے ہوتے ہی اپنا مال ہم سے لے لیں گے تو ہم اس سے پہلے ہی ان کے مال کو ختم کر دیں' ان کا مال نہ کھاؤ۔ جسے ضرورت نہ ہو' خود امیر ہو' کھاتا پیتا ہو تو اسے تو چاہئے کہ ان کے مال میں سے کچھ بھی نہ لے' مردار اور بہے ہوئے خون کی طرح یہ مال ان پر حرام محض ہے۔ ہاں اگر والی مسکین محتاج ہو تو بے شک اسے جائز ہے کہ اپنی پرورش کے حق کے مطابق وقت کی حاجت اور دستور کے موجب اس مال میں سے کھا پی لے۔ اپنی حاجت کو دیکھے اور اپنی محنت کو۔ اگر حاجت محنت سے کم ہو تو حاجت کے مطابق لے اور اگر محنت حاجت سے کم ہو تو محنت کا بدلہ لے لے' پھر ایسا ولی اگر مالدار بن جائے تو اسے اس کھائے ہوئے اور لئے ہوئے

مال کو واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں- ایک تو یہ کہ واپس نہ دینا ہو گا اس لئے کہ اس نے اپنے کام کے بدلے لے لیا ہے- امام شافعیؒ کے ساتھیوں کے نزدیک یہی صحیح ہے' اس لئے کہ آیت نے بغیر بدل کے مباح قرار دیا ہے اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے کہا' یارسول اللہ ﷺ میرے پاس مال نہیں ایک یتیم میری پرورش میں ہے تو کیا میں اس کے کھانے سے کھا سکتا ہوں- آپؐ نے فرمایا' ہاں اس یتیم کا مال اپنے کام میں لا سکتا ہے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ نہ اڑا' نہ جمع کر' نہ یہ ہو کہ اپنے مال کو تو بچا رکھے اور اس کے مال کو کھاتا چلا جائے- ابن ابی حاتم میں بھی ایسی ہی روایت ہے- ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا کہ میں اپنے یتیم کو ادب سکھانے کے لئے ضرورتاً کس چیز سے ماروں؟ فرمایا' جس سے تو اپنے بچے کو تنبیہ کرتا ہے' اپنا مال بچا کر اس کا مال خرچ نہ کر' نہ اس کے مال سے دولت مند بننے کی کوشش کر- حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ میرے پاس بھی اونٹ ہیں اور میرے ہاں جو یتیم پل رہے ہیں' ان کے بھی اونٹ ہیں- میں اپنی اونٹنیاں دودھ پینے کے لئے فقیروں کو تحفتاً دے دیتا ہوں تو کیا میرے لئے جائز ہے کہ ان یتیموں کی اونٹنیوں کا دودھ پی لوں؟ آپؓ نے فرمایا' اگر ان یتیموں کی گم شدہ اونٹنیوں کو تو ڈھونڈ لاتا ہے' ان کے چارے پانی کی خبرگیری رکھتا ہے' ان کے حوض درست کرتا رہتا ہے اور ان کی نگہبانی کیا کرتا ہے تو بےشک دودھ سے نفع بھی اٹھا لیکن اس طرح کہ نہ ان کے بچوں کو نقصان پہنچے نہ حاجت سے زیادہ لے (موطا مالک) حضرت عطا بن رباحؒ' حضرت عکرمہ' حضرت ابراہیم نخعیؒ' حضرت عطیہ عوفیؒ' حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا یہی قول ہے-

دوسرا قول یہ ہے کہ تنگدستی کے دور ہو جانے کے بعد وہ مال یتیم کو واپس دینا پڑے گا اس لئے کہ اصل تو ممانعت ہے البتہ ایک وجہ سے جواز ہو گیا تھا جب وہ وجہ جاتی رہی تو اس کا بدل دینا پڑے گا- جیسے کوئی بےبس اور مضطر ہو کر کسی غیر کا مال کھا لے لیکن حاجت کے نکل جانے کے بعد اگر اچھا وقت آیا تو اسے واپس دینا ہو گا- دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب تخت خلافت پر بیٹھے تو اعلان فرمایا تھا کہ میری حیثیت یہاں یتیم کے والی کی حیثیت ہے- اگر مجھے ضرورت ہی نہ ہوئی تو میں بیت المال سے کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاجی ہوئی تو بطور قرض لوں گا- جب آسانی ہوئی پھر واپس کر دوں گا (ابن ابی الدنیا) یہ حدیث سعید بن منصور میں بھی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے- بیہقی میں بھی یہ حدیث ہے- ابن عباسؓ سے آیت کے اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ بطور قرض کھائے- اور بھی مفسرین سے یہ مروی ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں' معروف سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ تین انگلیوں سے کھائے اور روایت میں آپ سے یہ مروی ہے کہ وہ اپنے ہی مال کو صرف اپنی ضرورت پوری ہو جانے کے لائق ہی خرچ کرے تاکہ اسے یتیم کے مال کی حاجت ہی نہ پڑے'[1] حضرت عامر شعبیؒ فرماتے ہیں' اگر ایسی بےبسی ہو جس میں مردار کھانا جائز ہو جاتا' تو بےشک کھا لے لیکن پھر ادا کرنا ہو گا' یحییٰ بن سعید انصاری اور ربیعہؒ سے اس کی تفسیر یوں مروی ہے کہ اگر یتیم فقیر ہو تو اس کا ولی اس کی ضرورت کے موافق دے اور پھر اس ولی کو کچھ نہ ملے گا لیکن عبارت یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ اس سے پہلے یہ جملہ بھی ہے کہ جو غنی ہو وہ کچھ نہ لے' یعنی جو ولی غنی ہو تو یہاں بھی یہی مطلب ہو گا جو ولی فقیر ہو نہ یہ کہ جو یتیم فقیر ہو- دوسری آیت میں وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ اِلَّا بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهُ[2] یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ ہاں بطور اصلاح کے- پھر اگر تمہیں حاجت ہو تو حسب حاجت بطریق معروف اس میں سے کھاؤ پیو- پھر اولیاء سے کہا جاتا ہے کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں اور تم دیکھ لو کہ ان میں تمیز آ چکی ہے تو گواہ رکھ کر ان کے مال ان کے سپرد کر دو تاکہ انکار کرنے کا وقت ہی نہ آئے- یوں تو دراصل سچا شاہد اور پورا نگراں اور باریک حساب لینے والا اللہ ہی ہے- وہ خوب جانتا ہے کہ ولی نے یتیم کے مال میں نیت کیسی رکھی؟ آیا خورد برد کیا' تباہ و برباد کیا' جھوٹ سچ حساب لکھا اور دیا یا صاف دل اور نیک نیتی سے' نہایت چوکسی اور صفائی سے اس کے مال کا پورا پورا خیال

رکھا اور حساب کتاب صاف رکھا۔ ان سب باتوں کا حقیقی علم تو اسی دانا و بینا' نگران و نگہبان کو ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' اے ابوذر میں تمہیں ناتواں پاتا ہوں اور جو اپنے لئے چاہتا ہوں' وہی تیرے لئے بھی پسند کرتا ہوں۔ خبردار ہرگز دو شخصوں کا بھی سردار اور امیر نہ بننا نہ کبھی کسی یتیم کا ولی بننا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸

ماں باپ اور خویش و اقارب کے ترکہ میں سے مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی جو مال ماں باپ اور خویش' اقارب چھوڑ مریں خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ' حصہ بھی مقرر کیا ہوا ہے ○ اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم آ جائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو ○

وراثت کے مسائل: ☆☆ (آیت: ۷-۸) مشرکین عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی بڑی اولاد کو اس کا مال مل جاتا چھوٹی اولاد اور عورتیں بالکل محروم رہتیں۔ اسلام نے یہ حکم نازل فرما کر سب کی مساویانہ حیثیت قائم کر دی کہ وارث تو سب ہوں گے خواہ قرابت حقیقی ہو یا خواہ بوجہ عقد زوجیت کے ہو یا بوجہ نسبت آزادگی ہو حصہ سب کو ملے گا گو کم و بیش ہو' ''ام کجہ'' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ حضور میرے دو لڑکے ہیں۔ ان کے والد فوت ہو گئے ہیں۔ ان کے پاس اب کچھ نہیں پس یہ آیت نازل ہوئی' یہی حدیث دوسرے الفاظ سے میراث کی اور دونوں آیتوں کی تفسیر میں بھی عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔ واللہ اعلم۔

دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مرنے والے کا ورثہ بٹنے لگے اور وہاں اس کا کوئی دور کا رشتہ دار بھی آ جائے جس کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور یتیم و مساکین آ جائیں تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ دے دو۔ ابتداء اسلام میں تو یہ واجب تھا اور بعض کہتے ہیں مستحب تھا اور اب بھی یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ اس میں بھی دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ تو اسے باقی بتاتے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابو موسیٰؓ حضرت عبدالرحمان بن ابوبکرؓ حضرت ابو العالیہؒ حضرت شعبیؒ حضرت حسنؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت ابن سیرینؒ' حضرت عطاء بن ابو رباحؒ حضرت زہریؒ حضرت یحییٰؒ بن معمر رحمتہ اللہ علیہم اجمعین بھی باقی بتاتے ہیں بلکہ یہ حضرات سوائے حضرت ابن عباس کے وجوب کے قائل ہیں۔ حضرت عبیدہ ایک وصیت کے ولی تھے۔ انہوں نے ایک بکری ذبح کی اور تینوں قسموں کے لوگوں کو کھلائی اور فرمایا اگر یہ آیت نہ ہوتی تو یہ بھی میرا مال تھا' حضرت عروہؒ نے حضرت مصعبؓ کے مال کی تقسیم کے وقت بھی دیا' حضرت زہریؒ کا بھی قول ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں' ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ وصیت پر موقوف ہے۔ چنانچہ جب عبدالرحمان بن حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کا ورثہ تقسیم کیا اور یہ واقعہ حضرت مائی عائشہؓ کی موجودگی کا ہے تو گھر میں جتنے مسکین اور قرابت دار تھے' سب کو دیا اور اسی آیت کی تلاوت کی حضرت ابن عباسؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا' اس نے ٹھیک نہیں کیا۔ اس آیت سے تو مراد یہ ہے کہ جب مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو (ابن ابی حاتم)۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ آیت بالکل منسوخ ہی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے۔ اور ناسخ آیت یُوصِیکُمُ اللّٰہ ہے حصے مقرر ہونے سے پہلے یہ حکم تھا۔ پھر جب حصے مقرر ہو چکے اور ہر حقدار کو خود اللہ تعالیٰ نے حق پہنچا دیا تو اب صدقہ صرف وہی رہ گیا جو مرنے والا کہہ گیا ہو حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہاں اگر وصیت ان لوگوں کے لئے ہو تو اور بات ہے ورنہ یہ آیت منسوخ ہے۔ جمہور کا اور چاروں اماموں کا یہی مذہب ہے۔ امام ابن جریرؒ نے یہاں ایک عجیب قول اختیار کیا ہے۔ ان کی لمبی اور کئی بار کی تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ مال وصیت کی تقسیم کے وقت جب میت کے رشتہ دار آ جائیں تو انہیں بھی دے دو اور یتیم مسکین جو آ گئے ہوں ان سے نرم کلامی اور اچھے جواب سے پیش آؤ لیکن اس میں نظر ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں تقسیم سے مراد یہاں ورثے کی تقسیم ہے پس یہ قول امام ابن جریر رحمتہ اللہ کے خلاف ہے۔ ٹھیک مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب یہ غریب لوگ ترکے کی تقسیم کے وقت آ جائیں اور تم اپنا اپنا حصہ الگ الگ کر کے لے رہے ہو اور یہ بیچارے تک رہے ہوں تو انہیں بھی خالی ہاتھ نہ پھیرو۔ ان کا وہاں سے مایوس اور خالی ہاتھ واپس جانا اللہ تعالیٰ رؤف و رحیم کو اچھا نہیں لگتا۔ بطور صدقہ کے راہ اللہ ان سے بھی کچھ اچھا سلوک کر دو تا کہ یہ خوش ہو کر جائیں۔ جیسے اور جگہ فرمان باری ہے کہ کھیتی کے کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو اور فاقہ زدہ اور مسکینوں سے چھپا کر اپنے باغ کا پھل لانے والوں کی اللہ تعالیٰ نے بڑی مذمت فرمائی جیسے کہ سورۂ نون میں ہے کہ وہ رات کے وقت چھپ کر پوشیدگی سے کھیت اور باغ کے دانے اور پھل لانے کے لئے چلتے ہیں۔ وہاں اللہ کا عذاب ان سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور سارے باغ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے۔ دوسروں کے حق برباد کرنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس مال میں صدقہ مل جائے یعنی جو شخص اپنے مال سے صدقہ نہ دے اس کا مال اس وجہ سے غارت ہو جاتا ہے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾

ع ۱۰ / ۱۲

اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے ننھے ننھے ناتواں بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے (تو ان کی چاہت کیا ہوتی؟) پس اللہ سے ڈر کر جچی تلی بات کہا کریں ○ جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور البتہ وہ دوزخ میں جائیں گے ○

(آیت: ۹-۱۰) پھر فرماتا ہے ڈریں وہ لوگ جو اگر اپنے پیچھے چھوڑ جائیں یعنی ایک شخص اپنی موت کے وقت وصیت کر رہا ہے اور اس میں اپنے وارثوں کو ضرر پہنچا رہا ہے تو اس وصیت کے سننے والے کو چاہئے کہ اللہ کا خوف کرے اور اسے ٹھیک بات کی رہنمائی کرے۔ اس کے وارثوں کے لئے ایسی بھلائی چاہئے جیسی اپنے وارثوں کے ساتھ بھلائی کرانا چاہتا ہے جبکہ ان کی بربادی اور تباہی کا خوف ہو۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس ان کی بیماری کے زمانے میں ان کی عیادت کو گئے اور حضرت سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ میرے پاس مال بہت ہے اور صرف میری ایک لڑکی ہی میرے پیچھے ہے تو اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے مال کی دو تہائیاں اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا پھر ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا خیر

لیکن ہے یہ بھی زیادہ تو اگر اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو تونگر چھوڑ کر جائے' اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں فقیر چھوڑ کر جائے کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھیریں' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لوگ ایک تہائی سے بھی کم یعنی چوتھائی کی ہی وصیت کریں تو اچھا ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہائی کو بھی زیادہ فرمایا ہے۔

فقہاء فرماتے ہیں' اگر میت کے وارث امیر ہوں تب تو خیر تہائی کی وصیت کرنا مستحب ہے اور اگر فقیر ہوں تو اس سے کم کی وصیت کرنا مستحب ہے۔ دوسرا مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم یتیموں کا اتنا ہی خیال رکھو جتنا تم اپنی چھوٹی اولاد کا اپنے مرنے کے بعد چاہتے ہو کہ لوگ خیال رکھیں۔ جس طرح تم نہیں چاہتے کہ ان کے مال دوسرے ظلم سے کھا جائیں اور وہ بالغ ہو کر فقیر رہ جائیں اسی طرح تم دوسروں کی اولادوں کے مال نہ کھا جاؤ۔ یہ مطلب بھی بہت عمدہ ہے۔ اسی لئے اس کے بعد ہی یتیموں کا مال ناحق مار لینے والوں کی سزا بیان فرمائی کہ یہ لوگ اپنے پیٹ میں انگارے بھرنے والے اور جہنم واصل ہونے والے ہیں۔

بخاری و مسلم میں ہے' حضور ﷺ نے فرمایا' سات گناہوں سے بچو جو ہلاکت کا باعث ہیں پوچھا گیا۔ کیا کیا؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک' جادو' بے وجہ قتل' سود خوری' یتیم کا مال کھا جانا' جہاد سے پیٹھ موڑنا' بھولی بھالی ناواقف عورتوں پر تہمت لگانا۔

ابن ابی حاتم میں ہے' صحابہؓ نے حضورؐ سے معراج کی رات کا واقعہ پوچھا جس میں آپؐ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ نیچے لٹک رہے ہیں اور فرشتے انہیں گھسیٹ کر ان کا منہ خوب کھول دیتے ہیں۔ پھر جہنم کے گرم پتھر ان میں ٹھونس دیتے ہیں جو ان کے پیٹ میں اتر کر پیچھے کے راستے سے نکل جاتے ہیں اور وہ بے طرح چیخ چلا رہے ہیں۔ ہائے ہائے مچا رہے ہیں۔ میں نے حضرت جبرائیلؑ سے پوچھا' یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ یتیموں کا مال کھا جانے والے ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جہنم میں جائیں گے۔

حضرت سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یتیم کا مال کھا جانے والا قیامت کے دن اپنی قبر سے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ' آنکھوں' نتھنوں اور روئیں روئیں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ اس نے کسی یتیم کا مال ناحق کھا رکھا ہے۔ ابن مردویہ میں ایک مرفوع حدیث بھی اسی مضمون کے قریب قریب مروی ہے۔ اور حدیث میں ہے' میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ان دونوں ضعیفوں کا مال پہنچا دو' عورتوں کا اور یتیم کا۔ ان کے مال سے بچو' سورۂ بقرہ میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو جن کے پاس یتیم تھے' انہوں نے ان کا اناج پانی بھی الگ کر دیا۔ اب عموماً ایسا ہوتا کہ کھانے پینے کی ان کی کوئی چیز بچ رہتی تو یا تو دوسرے وقت اسی باسی چیز کو کھاتے یا سڑنے کے بعد پھینک دی جاتی گھر والوں میں سے کوئی اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا تھا۔ یہ بات دونوں طرف ناگوار گزری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اس کا ذکر آیا ہے اس پر آیت وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى الخ اتری جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام میں یتیموں کی بہتری سمجھا کرو چنانچہ اس کے بعد پھر کھانا پانی ایک ساتھ ہوا۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ

وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا
السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ
وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ
السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ
وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً
مِنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولادوں کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے' اور اگر صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کی دو تہائیاں ملیں گی اور اگر ایک ہی لڑکی ہے تو اس کے لئے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے' اگر اس کی اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے۔ ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا ہے۔ یہ حصے اس وصیت کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد' تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے' تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے' یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے ○

مزید مسائل میراث جن کا ہر مسلمان کو جاننا فرض ہے: ☆☆ (آیت:۱۱) یہ آیت کریمہ اور اس کے بعد کی آیت اور اس سورت کے خاتمہ کی آیت علم فرائض کی آیتیں ہیں' یہ پورا علم ان آیتوں اور میراث کی احادیث سے استنباط کیا گیا ہے جو حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر اور توضیح ہیں' یہاں ہم اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں۔ باقی جو میراث کے مسائل کی پوری تقریر ہے اور اس میں جن دلائل کی سمجھ میں جو کچھ اختلاف ہوا ہے' اس کے بیان کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر' اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ علم فرائض سیکھنے کی رغبت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں' ان آیتوں میں جن فرائض کا بیان ہے' یہ سب سے زیادہ اہم ہیں' ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے علم دراصل تین ہیں اور اس کے ماسوا فضول بھرتی ہے' آیات قرآنیہ جو مضبوط ہیں اور جن کے احکام باقی ہیں۔ سنت قائمہ یعنی جو احادیث ثابت شدہ ہیں اور فریضہ عادلہ یعنی مسائل میراث جو ان دو سے ثابت ہیں۔ ابن ماجہ کی دوسری ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ فرائض سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ۔ یہ نصف علم ہے اور یہ بھول بھال جاتے ہیں اور یہی پہلی وہ چیز ہے جو میری امت سے چھن جائے گی' حضرت ابن عینیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اسے آدھا علم اس لئے کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں کو عموماً یہ پیش آتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں بیمار تھا۔ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری بیمار پرسی کے لئے بنو سلمہ کے محلے میں پیادہ پا تشریف لائے۔ میں اس وقت بے ہوش تھا۔ آپؐ نے پانی منگوا کر وضو کیا۔ پھر وضو کے پانی کا چھینٹا مجھے دیا۔ جس سے مجھے ہوش آیا تو میں نے کہا حضورؐ میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں؟ اس پر آیت شریفہ نازل ہوئی' صحیح مسلم شریف' نسائی شریف وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت سعید بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہا رسول

اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا یارسول اللہ یہ دونوں حضرت سعد کی لڑکیاں ہیں- ان کے والد آپ کے ساتھ جنگ احد میں شریک تھے اور وہیں شہید ہوئے- ان کے چچا نے ان کا کل مال لے لیا ہے- ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نکاح بغیر مال کے نہیں ہو سکتے- آپؐ نے فرمایا اس کا فیصلہ خود اللہ کرے گا چنانچہ آیت میراث نازل ہوئی- آپ نے ان کے چچا کے پاس آدمی بھیج کر حکم بھیجا کہ دو تہائیاں تو ان دونوں لڑکیوں کو دو اور آٹھواں حصہ ان کی ماں کو دو اور باقی مال تمہارا ہے- بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر کے سوال پر اس سورت کی آخری آیت اتری ہو گی جیسے عنقریب آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ- اس لئے کہ ان کی وارث صرف ان کی بہنیں ہی تھیں- لڑکیاں تھیں ہی نہیں' وہ تو کلالہ تھے اور یہ آیت اسی بارے میں یعنی حضرت سعید بن ربیعؓ کے ورثے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کے راوی بھی خود حضرت جابرؓ ہیں- ہاں حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اسی آیت کی تفسیر میں وارد کیا ہے- اس لئے ہم نے بھی ان کی تابعداری کی' واللہ اعلم-

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں عدل سکھاتا ہے' اہل جاہلیت تمام مال لڑکوں کو دیتے تھے اور لڑکیاں خالی ہاتھ رہ جاتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ بھی مقرر کر دیا- ہاں دونوں کے حصوں میں فرق رکھا اس۔لئے کہ مردوں کے ذمہ جو ضروریات ہیں' وہ عورتوں کے ذمہ نہیں مثلاً اپنے متعلقین کے کھانے پینے اور خرچ اخراجات کی کفالت' تجارت اور کسب اور اسی طرح کی اور مشقتیں تو انہیں ان کی حاجت کے مطابق عوتوں سے دوگنا دلوایا- بعض دانا بزرگوں نے یہاں ایک نہایت باریک نکتہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہ نسبت ماں باپ کے بھی زیادہ مہربان ہے- ماں باپ کو ان کی اولادوں کے بارے میں وصیت کر رہا ہے پس معلوم ہوا کہ ماں باپ اپنی اولاد پر اتنے مہربان نہیں جتنا مہربان ہمارا خالق اپنی مخلوق پر ہے' چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قیدیوں میں سے ایک عورت کا بچہ اس سے چھوٹ گیا' وہ پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈتی پھرتی تھی اور جیسے ہی ملا' اپنے سینے سے لگا کر اسے دودھ پلانے لگی- آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر اپنے اصحابؓ سے فرمایا' بھلا بتاؤ تو کیا یہ عورت باوجود اپنے اختیار کے اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا' یارسول اللہ ہرگز نہیں- آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے-

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے حصہ دار مال کا صرف لڑکا تھا- ماں باپ کو بطور وصیت کے کچھ مل جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کیا اور لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دلوایا اور ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ دلوایا اور تیسرا حصہ بھی اور بیوی کو آٹھوں حصہ اور چوتھا حصہ اور خاوند کو آدھا اور پاؤ- فرماتے ہیں میراث کے احکام اترنے پر بعض لوگوں نے کہا' یہ اچھی بات ہے کہ عورت کو چوتھا اور آٹھواں حصہ دلوایا جا رہا ہے اور لڑکی کو آدھوں آدھ دلوایا جا رہا ہے اور ننھے ننھے بچوں کا حصہ مقرر کیا جا رہا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی نہ لڑائی میں نکل سکتا ہے نہ مال غنیمت لا سکتا ہے- اچھا تم اس حدیث سے خاموشی برتو شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ بھول جائے- ہمارے کہنے کی وجہ سے آپ ان احکام کو بدل دیں' پھر انہوں نے آپؐ سے کہا کہ آپ لڑکی کو اس کے باپ کا آدھا مال دلوا رہے ہیں حالانکہ نہ وہ گھوڑے پر بیٹھنے کے لائق نہ دشمن سے لڑنے کے قابل' آپ بچے کو ورثہ دلا رہے ہیں' بھلا وہ کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ یہ لوگ جاہلیت کے زمانہ میں ایسا ہی کرتے تھے کہ میراث صرف اسے دیتے تھے جو لڑنے مرنے کے قابل ہو- سب سے بڑے لڑکے کو وارث قرار دیتے تھے (اگر مرنے والے کے لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں تو فرمادیا کہ لڑکی کو جتنا آئے اس سے دوگنا لڑکے کو دیا جائے یعنی ایک لڑکی ایک لڑکا ہے تو کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو دے دیا جائے' اور اگر صرف لڑکی کو دے دیا جائے اب بیان فرماتا ہے کہ اگر صرف لڑکیاں ہوں تو انہیں کیا ملے گا؟ مترجم)

لفظ فَوْقَ کو بعض لوگ زائد بتاتے ہیں جیسے فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ میں لفظ فَوْقَ زائد ہے لیکن ہم یہ نہیں مانتے نہ اس آیت میں نہ اس آیت میں کیونکہ قرآن میں کوئی ایسی زائد چیز نہیں ہے جو محض بے فائدہ ہو۔ اللہ کے کلام میں ایسا ہونا محال ہے' پھر یہ بھی خیال فرمائیے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اس کے بعد فَلَهُنَّ نہ آتا بلکہ فَلَهُمَا آتا۔ ہاں اسے ہم جانتے ہیں کہ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ نہ ہوں یعنی صرف دو ہوں تو بھی یہی حکم ہے یعنی انہیں بھی دو ثلث ملے گا کیونکہ دوسری آیت میں دو بہنوں کو دو ثلث دلوایا گیا ہے اور جبکہ دو بہنیں دو ثلث پاتی ہیں تو دو لڑکیوں کو دو ثلث کیوں نہ ملے گا؟ ان کے لئے تو دو تہائی بطور اولیٰ ہونا چاہئے' اور حدیث میں آ چکا ہے' دو لڑکیوں کو رسول اللہ ﷺ نے دو تہائی مال ترکہ کا دلوایا جیسا کہ اس آیت کی شان نزول کے بیان میں حضرت سعدؓ کی لڑکیوں کے ذکر میں اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ پس کتاب و سنت سے یہ ثابت ہو گیا۔ اسی طرح اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ایک لڑکی اگر ہو یعنی لڑکا نہ ہونے کی صورت میں تو اسے آدھوں آدھ دلوایا گیا ہے پس اگر دو کو بھی آدھا ہی دینے کا حکم کرنا مقصود ہوتا تو یہیں بیان ہو جاتا جب ایک کو الگ کر دیا تو معلوم ہوا کہ دو کا حکم وہی ہے جو دو سے زائدہ کا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر ماں باپ کا حصہ بیان ہو رہا ہے' ان کے ورثے کی مختلف صورتیں ہیں' ایک تو یہ کہ مرنے والے کی اولاد ایک لڑکی سے زیادہ ہو اور ماں باپ بھی ہوں تو انہیں چھٹا چھٹا حصہ ملے گا یعنی چھٹا حصہ ماں کو' اور چھٹا حصہ باپ کو اگر مرنے والے کی صرف ایک لڑکی ہی ہے تو آدھا مال تو وہ لڑکی لے لے گی اور چھٹا حصہ ماں لے لے گی' چھٹا حصہ باپ کو ملے گا اور چھٹا حصہ جو باقی رہا' وہ بھی بطور عصبہ باپ کو مل جائے گا۔ پس اس حالت میں باپ فرض اور تعصیب دونوں کو جمع کر لے گا یعنی مقررہ چھٹا حصہ اور بطور عصبہ بچت کا مال۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ مل جائے گا اور باقی کا کل ماں باپ کو بطور عصبہ کے مل جائے گا تو گویا دو ثلث مال اس کے ہاتھ لگے گا یعنی بہ نسبت ماں کے دگنا باپ کو مل جائے گا۔ اب اگر مرنے والی عورت کا خاوند بھی ہے' مرنے والے مرد کی بیوی ہے یعنی اولاد نہیں صرف ماں باپ ہیں اور خاوند سے یا بیوی سے تو اس پر تو اتفاق ہے کہ خاوند کو آدھا اور بیوی کو پاؤ ملے گا' پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ماں کو اس صورت میں اس کے بعد کیا ملے گا؟ تین قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو مال باقی رہا' اس میں سے تیسرا حصہ ملے گا' دونوں صورتوں میں یعنی خواہ عورت خاوند چھوڑ کر مری ہو خواہ مرد عورت چھوڑ کر مرا ہو اس لئے کہ باقی کا مال ان کی نسبت سے گویا کل مال ہے اور ماں کا حصہ باپ سے آدھا ہے تو اس باقی کے مال سے تیسرا حصہ یہ لے لے اور وہ تیسرے حصے جو باقی رہے' وہ باپ لے لے گا۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور بہ اعتبار زیادہ صحیح روایت حضرت علی رضی اللہ عنہم کا یہی فیصلہ ہے' حضرت ابن مسعود اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہی قول ہے' ساتوں فقہا اور چاروں اماموں اور جمہور علماء کا بھی فتویٰ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بھی ماں کو کل مال کا ثلث مل جائے گا' اس لئے کہ آیت عام ہے۔ خاوند بیوی کے ساتھ ہو تو اور نہ ہو تو۔ عام طور پر میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں کو ثلث دلوایا گیا ہے' حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت شریحؒ اور حضرت داؤد ظاہریؒ بھی یہی فرماتے ہیں' حضرت ابوالحسین بن لبان بصری بھی اپنی کتاب ایجاز میں جو علم فرائض کے بارے میں ہے' اسی قول کو پسند کرتے ہیں' لیکن اس قول میں نظر ہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ آیت نے اس کا یہ حصہ اس وقت مقرر فرمایا ہے جبکہ کل مال کی وراثت صرف ماں باپ کو ہی پہنچتی ہو' اور جبکہ زوج یا زوجہ ہے اور وہ اپنے مقررہ حصے کے مستحق ہیں تو پھر جو باقی رہ جائے گا بے شک وہ ان دونوں ہی کا حصہ ہے تو اس میں ثلث ملے گا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اگر میت مرد ہے اور اس کی بیوی موجود ہے تو فقط اس صورت میں اسے کل مال کا تہائی ملے گا کیونکہ اس عورت کو کل مال کی چوتھائی ملے گی۔ اگر کل مال کے بارہ حصے کیے جائیں تو تین حصے تو یہ لے گی اور چار حصے ماں کو ملے گا۔ باقی بچے پانچ حصے۔ وہ باپ لے لے گا لیکن اگر عورت مری ہے اور اس کا خاوند موجود ہے تو ماں کو باقی مال کا تیسرا حصہ ملے گا۔ اگر کل مال کا تیسرا حصہ اس صورت میں بھی ماں کو دلوایا جائے تو اسے باپ سے بھی زیادہ پہنچ جاتا ہے مثلاً میت کے مال کے چھ حصے کیے۔ تین تو خاوند لے گیا۔ دو ماں لے گئی تو باپ کے پلے ایک ہی پڑے گا جو ماں سے بھی تھوڑا ہے اس لئے اس صورت میں چھ میں سے تین تو خاوند کو دیئے جائیں گے۔ ایک ماں کو اور دو باپ کو حضرت امام ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کا یہی قول ہے' یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ قول دو قولوں سے مرکب ہے' ضعیف یہ بھی ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

ماں باپ کے احوال میں سے تیسرا حال یہ ہے کہ وہ بھائیوں کے ساتھ ہوں خواہ وہ سگے بھائی ہوں یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے تو وہ باپ کے ہوتے ہوئے اپنے بھائی کے ورثے میں کچھ پائیں گے نہیں لیکن ہاں ماں کو تہائی سے ہٹا کر چھٹا حصہ دلوائیں گے اور اگر کوئی اور وارث ہی نہ ہو اور صرف ماں کے ساتھ باپ ہی ہو تو باقی مال کل کا کل باپ لے لے گا اور بھائی بھی شریعت میں بہت سے بھائیوں کے مترادف ہیں۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ ہاں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ دو بھائی ماں کو ثلث سے ہٹا کر سدس تک نہیں لے جاتے۔ قرآن میں اِخْوَۃٌ جمع کا لفظ ہے' دو بھائی اگر مراد ہوتے' اخوان کہا جاتا۔ خلیفہ ثالث نے جواب دیا کہ پہلے ہی سے یہ چلا آتا ہے اور چاروں طرف یہ مسئلہ اسی طرح پہنچا ہوا ہے' تمام لوگ اس کے عامل ہیں' میں اسے نہیں بدل سکتا' اولاً تو یہ اثر ثابت ہی نہیں۔ اس کے راوی حضرت شعبہؒ کے بارے میں حضرت امام مالکؒ کی جرح موجود ہے پھر یہ قول ابن عباسؓ کا نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خود حضرت ابن عباسؓ کے خاص اصحاب اور اعلیٰ شاگرد بھی اس کے خلاف ہیں۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں' دو کو بھی اِخْوَۃ کہا جاتا ہے' اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں نے اس مسئلہ کو پوری طرح ایک علیحدہ رسالے میں لکھا ہے۔ حضرت سعید بن قتادہؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ہاں میت کا اگر ایک ہی بھائی ہو تو ماں کو تیسرے حصے سے ہٹا نہیں سکتا' علماء کرام کا فرمان ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ میت کے بھائیوں کی شادیوں کا اور کھانے پینے وغیرہ کا کل خرچ باپ کے ذمہ ہے نہ کہ ماں کے ذمے۔ اس لئے مقتضائے حکمت یہی تھا کہ باپ کو زیادہ دیا جائے' یہ توجیہ بہت ہی عمدہ ہے' لیکن حضرت ابن عباسؓ سے بہ سند صحیح مروی ہے کہ یہ چھٹا حصہ جو ماں کا کم ہو گیا' انہیں دے دیا جائے گا۔ یہ قول شاذ ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' حضرت عبداللہؓ کا یہ قول تمام امت کے خلاف ہے' ابن عباسؓ کا قول ہے' کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا بیٹا اور باپ نہ ہو۔

پھر فرمایا وصیت اور قرض کے بعد تقسیم میراث ہو گی' تمام سلف خلف کا اجماع ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے اور فحوائے آیت کو بھی اگر بغور دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔

ترمذی وغیرہ میں ہے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' تم قرآن میں وصیت کا حکم پہلے پڑھتے ہو اور قرض کا بعد میں لیکن یاد رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرض پہلے ادا کرایا ہے۔ پھر وصیت جاری کی ہے۔ ایک ماں زاد بھائی آپس میں وارث ہوں گے بغیر علاتی بھائیوں کے' آدمی اپنے سگے بھائی کا وارث ہو گا نہ اس کا جس کی ماں دوسری ہو' یہ حدیث صرف حضرت حارثؓ سے مروی ہے اور ان پر بعض محدثین نے جرح کی ہے لیکن یہ حافظ فرائض تھے' اس علم میں آپ کو خاص دلچسپی اور دسترس تھی اور حساب کے بڑے ماہر تھے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ ہم نے باپ بیٹوں کو اصل میراث میں اپنا اپنا مقررہ حصہ لینے والا بنایا اور جاہلیت کی رسم ہٹا دی بلکہ اسلام میں بھی

پہلے بھی ایسا ہی حکم تھا کہ مال اولاد کو مل جاتا' ماں باپ کو صرف بطور وصیت کے ملتا تھا جیسے حضرت ابن عباسؓ سے پہلے بیان ہو چکا۔ یہ منسوخ کر کے اب یہ حکم ہوا' تمہیں یہ نہیں معلوم کہ تمہیں باپ سے زیادہ نفع پہنچے گا یا اولاد نفع دے گی' امید دونوں سے نفع کی ہے۔ یقین کسی پر بھی ایک سے زیادہ نہیں' ممکن ہے باپ سے زیادہ بیٹا کام آئے اور نفع پہنچائے اور ممکن ہے بیٹے سے زیادہ باپ سے نفع پہنچے اور وہ کام آئے۔

پھر فرماتا ہے' یہ مقررہ حصے اور اور میراث کے یہ احکام اللہ کی طرف سے فرض ہیں اور اس میں کسی کمی بیشی کی کسی امید یا کسی خوف سے گنجائش نہیں نہ کسی کو محروم کر دینا لائق ہے نہ کسی کو زیادہ دلوا دینا' اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ جو جس کا مستحق ہے' اسے اتنا دلواتا ہے۔ ہر چیز کی جگہ کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ تمہارے نفع نقصان کا اسے پورا علم ہے۔ اس کا کوئی کام اور کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں' تمہیں چاہئے کہ اس کے احکام اس کے فرمان مانتے چلے جاؤ۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ

تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھوں آدھ تمہارا ہے اور ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے میں سے تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے۔ اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد اور جو تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کی چوتھائی ہے۔ اگر تمہاری اولاد نہ ہو ○

وراثت کی مزید تفصیلات: ☆☆ (آیت:۱۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مردو! تمہاری عورتیں جو چھوڑ کر مریں' اگر ان کی اولاد نہ ہو تو اس میں سے آدھوں آدھ حصہ تمہارا ہے اور اگر ان کے بال بچے ہوں تو تمہیں چوتھائی ملے گا' وصیت اور قرض کے بعد۔ ترتیب اس طرح ہے' پہلے قرض ادا کیا جائے۔ پھر وصیت پوری کی جائے۔ پھر ورثہ تقسیم ہو' یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام علماء امت کا اجماع ہے پوتے بھی اس مسئلہ میں حکم میں بیٹوں کی ہی طرح ہیں بلکہ ان کی اولاد در اولاد کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کی موجودگی میں خاوند کو چوتھائی ملے گا۔ پھر عورتوں کو حصہ بتایا کہ انہیں یا چوتھائی ملے گا یا آٹھواں حصہ۔ چوتھائی تو اس حالت میں کہ مرنے والے خاوند کی اولاد نہ ہو اور آٹھواں حصہ اس حالت میں کہ اولاد ہو۔ اس چوتھائی یا آٹھویں حصے میں مرنے والے کی سب بیویاں شامل ہیں۔ چار ہوں تو ان میں یہ حصہ برابر تقسیم ہو جائے گا۔ تین یا دو ہوں تب بھی اور اگر ایک ہو تو اسی کا یہ حصہ ہے۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ کی تفسیر اس سے پہلی آیت میں گزر چکی ہے۔ كَلَالَة مشتق ہے اكليل سے' اِكْلِيل کہتے ہیں اس تاج وغیرہ کو جو سر کو ہر طرف سے گھیر لے' یہاں مراد یہ ہے کہ اس کے وارث ارد گرد حاشیہ کے لوگ ہیں اصل اور فرع یعنی جڑ یا شاخ نہیں' صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے كَلَالَة کا معنی پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں' میں اپنی رائے سے جواب دیتا ہوں۔ اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور رسولؐ اس سے بری الذمہ ہیں' کلالہ وہ ہے جس کا نہ لڑکا ہو نہ باپ' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی اس سے موافقت کی اور فرمایا مجھے ابوبکر کی رائے سے خلاف کرتے ہوئے شرم آتی ہے (ابن جریرؒ وغیرہ) ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت کا سب سے آخری زمانہ پانے والا میں ہوں۔ میں نے آپ سے سنا' فرماتے

تھے' بات وہی ہے جو میں نے کہی' ٹھیک اور درست یہی ہے کہ کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا نہ ولد ہو اور نہ والد۔ حضرت علی' ابن مسعود' ابن عباس' زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین' شعبی' نخعی' حسن' قتادہ' جابر بن زید' حکم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین بھی یہی فرماتے ہیں۔ اہل مدینہ' اہل کوفہ' اہل بصرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ساتوں فقہا' چاروں امام اور جمہور سلف وخلف بلکہ تمام یہی فرماتے ہیں۔ بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ایک مرفوع حدیث میں یہی آیا ہے۔ ابن لبابؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور ممکن ہے کہ راوی نے مراد سمجھی ہی نہ ہو۔

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿١٢﴾

اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور بعد ادائیگی قرض کے' جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہو تو ایک تہائی میں یہ سب شریک ہیں۔ اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد جب اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو' مقرر کیا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' اور اللہ تعالیٰ دانا ہے' بردبار ہے O

پھر فرمایا کہ اس کا بھائی یا بہن ہو یعنی ماں زاد جیسے کہ سعد بن وقاص وغیرہ بعض سلف کی قرات ہے' حضرت صدیقؓ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ اگر زیادہ ہوں تو ایک ثلث میں سب شریک ہیں' ماں زاد بھائی باقی وارثوں سے کئی وجہ سے مختلف ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ باوجود اپنے ورثے کے دلانے والے کے بھی وارث ہوتے ہیں مثلاً ماں۔ دوسرے یہ کہ ان کے مرد وعورت یعنی بہن بھائی میراث میں برابر ہیں۔ تیسرے یہ کہ یہ اسی وقت وارث ہوتے ہیں جبکہ میت کلالہ ہو۔ پس باپ دادا کی یعنی پوتے کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوتے۔ چوتھے یہ کہ انہیں ثلث سے زیادہ نہیں ملتا تو گو یہ کتنے ہی ہوں۔ مرد ہوں یا عورت' حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے کہ ماں زاد بہن بھائی کا ورثہ آپس میں اس طرح بٹے گا کہ مرد کے لئے دوہرا اور عورت کے لئے اکہرا۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں' حضرت عمرؓ ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تاوقتیکہ انہوں نے حضورؐ سے یہ سنا ہو۔ آیت میں اتنا تو صاف ہے کہ اگر اس سے زیادہ ہوں تو ثلث میں شریک ہیں۔ اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر میت کے وارثوں میں خاوند ہو اور ماں ہو یا دادی ہو اور دو ماں زاد بھائی ہوں اور ایک یا ایک سے زیادہ باپ کی طرف سے بھائی ہوں تو جمہور تو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کو آدھا ملے گا اور ماں یا دادی کو چھٹا حصہ ملے گا اور ماں زاد بھائی کو تہائی ملے گا اور اسی میں سگے بھائی بھی شامل ہوں گے' قدر مشترک کے طور پر جو ماں زاد بھائی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک ایسی ہی صورت پیش آئی تھی تو آپ نے خاوند کو آدھا دلوایا اور ثلث ماں زاد بھائیوں کو دلوایا تو سگے بھائیوں نے بھی اپنے تئیں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تم ان کے ساتھ شریک ہو۔ حضرت عثمانؓ سے بھی اسی طرح شریک کر دینا مروی ہے' اور دو روایتوں میں سے ایک روایت ایسی ہے ابن مسعود اور زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔ حضرت سعید بن مسیب' قاضی شریح' مسروق' طاؤس' محمد بن سیرین' ابراہیم نخعی' عمر بن عبدالعزیز' ثوری اور شریک رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے' امام مالک اور امام شافعی اور امام اسحاق بن راہویہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ہاں حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں شرکت کے قائل نہ تھے بلکہ آپ اولاد ام کو اس حالت میں ثلث دلواتے تھے اور ایک ماں باپ کی اولاد کو کچھ نہیں دلاتے تھے اس لئے کہ یہ عصبہ ہیں اور عصبہ اس وقت پاتے ہیں جب ذوی الفرض سے بچ جائے' بلکہ وکیع بن جراحؒ کہتے ہیں' حضرت علیؓ سے اس کے خلاف مروی ہی نہیں۔ حضرت ابی بن کعب' حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا قول بھی یہی ہے۔ ابن عباسؓ سے بھی مشہور یہی ہے۔ شعبی' ابن ابی لیلیٰ' ابوحنیفہ' ابویوسف' محمد بن حسن' حسن بن زیادہ' زفر بن ہذیل' امام احمد' یحییٰ بن آدم' نعیم بن حماد' ابوثور' داؤد ظاہری رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ابوالحسن بن لبان فرضی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے' ملاحظہ ہو ان کی کتاب الایجاز۔

پھر فرمایا یہ وصیت کے جاری کرنے کے بعد ہے۔ وصیت ایسی ہو جس میں خلاف عدل نہ ہو۔ کسی کو ضرر اور نقصان نہ پہنچایا گیا ہو نہ کسی پر جبر و ظلم کیا گیا ہو' کسی وارث کا نہ ورثہ مارا گیا ہو نہ کم و بیش کیا گیا ہو۔ اس کے خلاف وصیت کرنے والا اور ایسی خلاف شرع وصیت میں کوشش کرنے والا اللہ کے حکم اور اس کی شریعت میں اس کے خلاف کرنے والا اور اس سے لڑنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وصیت میں کسی کو ضرر و نقصان پہنچانا کبیرہ گناہ ہے (ابن ابی حاتم) نسائی میں حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی اسی طرح مروی ہے' بعض روایتوں میں حضرت ابن عباسؓ سے اس فرمان کے بعد آیت کے اس ٹکڑے کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔ امام ابن جریرؒ کے قول کے مطابق ٹھیک بات یہی ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں۔ موقوف قول ہے۔ ائمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ وارث کے لئے جو اقرار میت کر جائے آیا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس میں تہمت لگنے کی گنجائش ہے۔ حدیث شریف میں بہ سند صحیح آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے۔ اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں' مالک' احمد بن حنبل' ابوحنیفہ کا قول یہی ہے' شافعی کا بھی پہلا قول یہی تھا لیکن آخری قول یہ ہے کہ اقرار کرنا صحیح مانا جائے گا۔ طاؤسؒ حسنؒ عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی دلیل ایک یہ روایت بھی ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ فزاریہ نے جس چیز پر اپنے دروازے بند رکھے ہوں وہ نہ کھولے جائیں۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پھر فرمایا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں' بہ سبب وارثوں کے ساتھ بدگمانی کے اس کا یہ اقرار جائز نہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے' بدگمانی سے بچو' بدگمانی تو سب سے زیادہ جھوٹ ہے۔

قرآن کریم میں فرمان الٰہی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جس کی جو امانت ہو وہ پہنچا دو' اس میں وارث اور غیر وارث کی کوئی تخصیص نہیں' یہ یاد رہے کہ یہ اختلاف اس وقت ہے جب اقرار فی الواقع صحیح ہو اور نفس الامر کے مطابق ہو اور اگر صرف حیلہ سازی ہو اور بعض وارثوں کو زیادہ دینے اور بعض کو کم پہنچانے کے لئے ایک بہانہ بنا لیا ہو تو بالا جماع اسے پورا کرنا حرام ہے اور اس آیت کے صاف الفاظ بھی اس کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں (اقرار فی الواقع صحیح ہونے کی صورت میں اس کا پورا کرنا ضروری ہے جیسا کہ دوسری جماعت کا قول ہے اور جیسا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ مترجم) پھر فرمایا یہ اللہ عزوجل کے احکام ہیں جو اللہ عظیم و اعلیٰ علم و حلم والا ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا
خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع ۲

یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئیں ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا' اسے اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بڑی مطلب یابی ہے ○ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے' اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ ایسوں ہی کے لئے اہانت کرنے والا عذاب ہے ○

نافرمانوں کا حشر: ☆☆ (آیت:۱۳-۱۴) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے آگے نکل جائے' اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا' جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ایسوں کے لئے اہانت کرنے والا عذاب ہے' یعنی یہ فرائض اور یہ مقدار جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور میت کے وارثوں کو ان کی قرابت کی نزدیکی اور ان کی حاجت کے مطابق جتنا جسے دلوایا ہے' یہ سب اللہ ذوالکرم کی حدود ہیں۔ تم ان حدوں کو نہ توڑو نہ اس سے آگے بڑھو۔ جو شخص اللہ عزوجل کے ان احکام کو مان لے' کوئی حیلہ حوالہ کر کے کسی وارث کو کم وبیش دلوانے کی کوشش نہ کرے۔ حکم الٰہ اور فریضہ الٰہ جوں کا توں بجالائے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے ہمیشہ بہنے والی نہروں کی جنت میں داخل کرے گا' یہ کامیاب' نصیب ور اور مقصد کو پہنچنے والا اور مراد کو پانے والا ہوگا۔ اور جو اللہ کے کسی حکم کو بدل دے' کسی وارث کے ورثے کو کم وبیش کر دے' رضائے الٰہی کو پیش نظر نہ رکھے بلکہ اس کے حکم کو رد کر دے اور اس کے خلاف عمل کرے' وہ اللہ کی تقسیم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اور اس کے حکم کو عدل نہیں سمجھتا تو ایسا شخص ہمیشہ رہنے والی رسوائی اور اہانت والے دردناک اور ہیبت ناک عذابوں میں مبتلا رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ستر سال تک نیکی کے عمل کرتا رہتا ہے' پھر وصیت کے وقت ظلم وستم کرتا ہے' اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جہنمی بن جاتا ہے۔ اور ایک شخص برائی کا عمل ستر سال تک کرتا رہتا ہے' پھر اپنی وصیت میں عدل کرتا ہے اور خاتمہ اس کا بہتر ہو جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اور اس آیت کو پڑھو تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ سے عَذَابٌ مُّهِيْنٌ تک۔ سنن ابی داؤد کے باب الاضرار فی الوصیۃ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرد یا عورت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ساٹھ سال تک لگے رہتے ہیں' پھر موت کے وقت وصیت میں کوئی کمی بیشی کر جاتے ہیں تو ان کے لئے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ سے آخر آیت تک پڑھی۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی اسے غریب کہتے ہیں۔ مسند احمد میں یہ حدیث تمام وکمال کے ساتھ موجود ہے۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً
مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ
الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ

فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں' ان پر اپنے میں سے چار گواہ رکھ لو' اگر وہ گواہی دیں تو ان عوتوں کو گھروں میں قید کر رکھو یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکالے۔ تم میں سے جو دو مرد ایسا کام کر لیں' انہیں ایذا دو' اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو ان سے منہ پھیر لو' بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے O

سیاہ کار عورت اور اس کی سزا: ☆☆ (آیت:۱۵-۱۶) ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب عادل گواہوں کی سچی گواہی سے کسی عورت کی سیاہ کاری ثابت ہو جائے تو اسے گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ گھر میں ہی قید کر دیا جائے اور جنم قید یعنی موت سے پہلے اسے چھوڑا نہ جائے' اس فیصلہ کے بعد یہ اور بات ہے کہ اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کر دے۔ پھر جب دوسری صورت کی سزا تجویز ہوئی تو وہ منسوخ ہو گئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب تک سورۂ نور کی آیت نہیں اتری تھی' زنا کار عورت کے لئے یہی حکم رہا۔ پھر اس آیت میں شادی شدہ کو رجم کرنے یعنی پتھر مار مار کر مار ڈالنے اور بے شادی شدہ کو کوڑے مارنے کا حکم اترا۔ حضرت عکرمہ' حضرت سعید بن جبیر' حضرت حسن' حضرت عطا خراسانی' حضرت ابوصالح' حضرت قتادہ' حضرت زید بن اسلم اور حضرت ضحاک رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی اترتی تو آپ پر اس کا بڑا اثر ہوتا اور تکلیف محسوس ہوتی اور چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایک دن اپنے نبی پر وحی نازل فرمائی۔ کیفیت وحی سے نکلے تو آپؐ نے فرمایا' مجھ سے حکم الٰہی لو۔ اللہ تعالیٰ نے سیاہ کار عورتوں کے لیئے راستہ نکال دیا ہے۔ اگر شادی شدہ عورت یا شادی شدہ مرد سے اس جرم کا ارتکاب ہو تو ایک سو کوڑے اور پتھروں سے مار ڈالنا اور غیر شادی شدہ ہوں تو ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی (مسلم وغیرہ) ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث الفاظ کی کچھ تبدیلی کے ساتھ سے مروی ہے۔ امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ اسی طرح ابوداؤد میں بھی۔

ابن مردویہ کی غریب حدیث میں کنوارے اور بیاہے ہوئے کے حکم کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ دونوں اگر بوڑھے ہوں تو انہیں رجم کر دیا جائے لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ طبرانی میں ہے' حضورؐ نے فرمایا' سورۂ نساء کے اترنے کے بعد اب روک رکھنے کا یعنی عورتوں کو گھروں میں قید رکھنے کا حکم نہیں رہا۔ امام احمد کا مذہب اس حدیث کے مطابق یہی ہے کہ زانی شادی شدہ کو کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور رجم بھی کیا جائے گا اور جمہور کہتے ہیں' کوڑے نہیں لگیں گے' صرف رجم کیا جائے گا اس لئے کہ نبی ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور غامدیہ عورت کو رجم کیا لیکن کوڑے نہیں مارے۔ اسی طرح دو یہودیوں کو بھی آپؐ نے رجم کا حکم دیا اور رجم سے پہلے بھی انہیں کوڑے نہیں لگوائے۔ پھر جمہور کے اس قول کے مطابق معلوم ہوا کہ انہیں کوڑے لگانے کا حکم منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا اس بے حیائی کے کام کو دو مرد اگر آپس میں کریں' انہیں ایذا پہنچاؤ یعنی برا بھلا کہہ کر شرم و غیرت دلا کر جوتیاں لگا کر۔ یہ حکم بھی اسی طرح پر رہا یہاں تک کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے کوڑے اور رجم سے منسوخ فرمایا' حضرت عکرمہ' عطا' حسن' عبداللہ کثیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد بھی مرد و عورت ہیں' سدی فرماتے ہیں مراد وہ نوجوان مرد ہیں جو شادی شدہ نہ ہوں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' لواطت کے

بارے میں یہ آیت ہے

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جسے تم قوم لوط کا فعل کرتے دیکھو تو فاعل مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو۔ ہاں اگر یہ دونوں باز آ جائیں' اپنی بدکاری سے توبہ کریں' اپنے اعمال کی اصلاح کریں اور ٹھیک ٹھاک ہو جائیں تو اب ان کے ساتھ درشت کلامی اور سختی سے پیش نہ آؤ اس لئے کہ گناہ سے توبہ کر لینے والا مثل گناہ نہ کرنے والے کے ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کسی کی لونڈی بدکاری کرے تو اس کا مالک اسے حد لگا دے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے یعنی حد لگ جانے کے بعد پھر اسے عار نہ دلایا کرے کیونکہ حد کفارہ ہے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ
ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ
اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ
إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ
وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

اللہ تعالیٰ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کر گزریں۔ پھر جلد اس سے باز آ جائیں اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی توبہ قبول کرتا ہے' اللہ تعالیٰ بڑے علم والا' حکمت والا ہے ○ ان کی توبہ کی قبولیت کا وعدہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے تو کہہ دے کہ میں نے اب توبہ کی۔ نہ ان کی توبہ ہے' جو کفر پر ہی مر جائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں ○

عالم نزع سے پہلے توبہ؟ ☆☆ (آیت:۱۷-۱۸) مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے ان بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر بیٹھیں۔ پھر توبہ کر لیں۔ گو یہ توبہ فرشتہ موت کو دیکھ لینے کے بعد عالم نزع سے پہلے ہو۔ حضرت مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں جو بھی قصداً یا غلطی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے وہ جاہل ہے جب تک کہ اس سے باز نہ آ جائے۔

ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں' صحابہؓ کرام فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جو گناہ کرے' وہ جہالت ہے' حضرت قتادہؒ بھی صحابہؓ کے مجمع سے اس طرح کی روایت کرتے ہیں۔ عطاؒ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ توبہ جلدی کر لینے کی تفسیر میں منقول ہے کہ ملک الموت کو دیکھ لینے سے پہلے عالم سکرات کے قریب مراد ہے۔ اپنی صحت میں توبہ کر لینی چاہئے' غرغرے کے وقت سے پہلے کی توبہ قبول ہے' حضرت عکرمہ فرماتے ہیں' ساری دنیا قریب ہی ہے' اس کے متعلق حدیثیں سنئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک سانسوں کا ٹوٹنا شروع نہ ہو' (ترمذی) جو بھی مومن بندہ اپنی موت سے مہینہ بھر پہلے توبہ کر لے' اس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے یہاں تک کہ اس کے بعد بھی بلکہ موت سے ایک دن پہلے تک بھی بلکہ ایک سانس پہلے بھی جو بھی اخلاص اور سچائی کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھکے' اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے' حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں' جو اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو مہینہ بھر پہلے توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے اور جو ہفتہ بھر پہلے توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے اور جو ایک دن پہلے توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ایوبؓ نے یہ

آیت پڑھی تو آپ نے فرمایا وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ چار صحابی جمع ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' جو شخص اپنی موت سے ایک دن پہلے بھی توبہ کرلے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے' دوسرے نے پوچھا کیا سچ مچ تم نے حضورؐ سے ایسے ہی سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں تو دوسرے نے کہا' میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ اگر آدھا دن پہلے بھی توبہ کرلے تو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے تیسرے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ کہا ہاں میں نے خود سنا ہے کہا میں نے سنا ہے۔ کہ اگر ایک پہر پہلے توبہ نصیب ہو جائے تو وہ بھی قبول ہوتی ہے۔ چوتھے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ اس نے کہا میں نے تو حضورؐ سے یہاں تک سنا ہے کہ جب تک اس کے نرخرے میں روح نہ آجائے توبہ کے دروازے اس کے لئے بھی کھلے رہتے ہیں۔ ابن مردویہ میں مروی ہے کہ جب تک جان نکلتے ہوئے گلے سے نکلنے والی آواز شروع نہ ہو' تب تک توبہ قبول ہے۔ کئی ایک مرسل احادیث میں بھی یہ مضمون ہے۔ حضرت ابو قلابہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس پر لعنت نازل فرمائی تو اس نے مہلت طلب کی اور کہا تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم کہ ابن آدم کے جسم میں جب تک روح رہے گی' اس کے دل سے نہ نکلوں گا۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا' مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم کہ میں بھی جب تک اس میں روح رہے گی' اس کی توبہ قبول کروں گا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اس کے قریب قریب مروی ہے۔ پس ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک بندہ زندہ ہے اور اسے اپنی زندگی کی امید ہے تب تک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے' توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس پر رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ ہاں جب زندگی سے مایوس ہو جائے' فرشتوں کو دیکھ لے اور روح بدن سے نکل کر حلق تک پہنچ جائے' سینے میں گھٹن لگے' حلق میں اٹکے' سانسوں سے غرغرہ شروع ہو تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا کہ مرتے دم تک جو گناہوں پر اڑا رہے اور موت دیکھ کر کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں تو ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جیسے اور جگہ ہے فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ (دو آیتوں تک) مطلب یہ ہے کہ ہمارے عذابوں کا معائنہ کر لینے کے بعد ایمان کا اقرار کرنا کوئی نفع نہیں دیتا۔ اور جگہ ہے یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ الخ مطلب یہ ہے کہ جب مخلوق سورج کو مغرب کی طرف چڑھتے ہوئے دیکھ لے گی' اس وقت جو ایمان لائے یا نیک عمل کرے' اسے نہ اس کا عمل نفع دے گا نہ اس کا ایمان۔ پھر فرماتا ہے کہ کفر و شرک پر مرنے والے کو بھی ندامت و توبہ کوئی فائدہ نہ دے گی نہ ہی اس کا فدیہ اور بدلہ قبول کیا جائے گا چاہے زمین بھر کر سونا دینا چاہے۔

حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں' یہ آیت اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے' مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے جب تک پردہ نہ پڑ جائے' پوچھا گیا پردہ پڑنے سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا شرک کی حالت میں جان نکل جانا۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے سخت دردناک المناک ہمیشہ رہنے والے عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا
تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ
فَعَسٰٓی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾

ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو انہیں اس لئے روک نہ رکھو کہ جو تم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ لے لو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کریں ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بود و باش رکھو گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو اور اللہ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے ○

عورت پر ظلم کا خاتمہ: ☆☆ (آیت:۱۹) صحیح بخاری میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قبل اسلام جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کے وارث اس کی عورت کے پورے حقدار سمجھے جاتے۔ اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا۔ اگر وہ چاہتے تو دوسرے کسی کے نکاح میں دے دیتے۔ اگر چاہتے تو نکاح ہی نہ کرنے دیتے۔ میکے والوں سے زیادہ اس عورت کے حقدار سسرال والے ہی گنے جاتے تھے۔ جاہلیت کی اس رسم کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ لوگ اس عورت کو مجبور کرتے کہ وہ مہر کے حق سے دستبردار ہو جائے یا یونہی بے نکاحی بیٹھی رہے یہ بھی مروی ہے کہ اس عورت کا خاوند مرتے ہی کوئی بھی آ کر اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا اور وہی اس کا مختار سمجھا جاتا تو روایت میں ہے کہ یہ کپڑا ڈالنے والا اسے حسین پاتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا۔ اگر یہ بدصورت ہوتی تو اسے یونہی روکے رکھتا یہاں تک کہ مر جائے۔ پھر اس کے مال کا وارث بنتا۔ یہ بھی مروی ہے کہ مرنے والے کا کوئی گہرا دوست کپڑا ڈال دیتا۔

پھر اگر وہ عورت کچھ فدیہ اور بدلہ دے تو وہ اسے نکاح کرنے کی اجازت دیتا ورنہ یونہی مرجاتی۔ حضرت زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں اہل مدینہ کا یہ دستور تھا کہ وارث اس عورت کے بھی وارث بن جاتے۔ غرض یہ لوگ عورتوں کے ساتھ بڑی بری طرح پیش آتے تھے یہاں تک کہ طلاق دیتے وقت بھی شرط کر لیتے تھے کہ جہاں میں چاہوں تیرا نکاح ہو اس طرح کی قید و بند سے رہائی پانے کی پھر یہ صورت ہوتی کہ وہ عورت کچھ دے کر جان چھڑاتی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرما دیا ابن مردویہ میں ہے کہ جب ابوقیس بن اسلت کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے نے ان کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا جیسے کہ جاہلیت میں یہ دستور تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ کسی بچے کی سنبھال پر اسے لگا دیتے تھے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جب کوئی مر جاتا تو اس کا لڑکا اس کی بیوی کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا۔ اگر چاہتا خود اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا اور اگر چاہتا دوسرے کے نکاح میں دے دیتا مثلاً بھائی کے بھتیجے یا جس کو چاہے۔

حضرت عکرمہؒ کی روایت میں ہے کہ ابوقیس کی جس بیوی کا نام کبیشہ تھا رضی اللہ عنہا اس نے اس صورت کی خبر حضورؐ کو دی کہ یہ لوگ نہ مجھے وارثوں میں شمار کر کے میرے خاوند کا ورثہ دیتے ہیں نہ مجھے چھوڑتے ہیں کہ میں اور کہیں اپنا نکاح کر لوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ایک روایت میں ہے کہ کپڑا ڈالنے کی رسم سے پہلے ہی اگر کوئی عورت بھاگ کھڑی ہو اور اپنے میکے آ جائے تو وہ چھوٹ جاتی تھی حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جو یتیم بچی ان کی ولایت میں ہوتی اسے یہ روکے رکھتے تھے اس امید پر کہ جب ہماری بیوی مر جائے گی ہم اس سے نکاح کر لیں گے یا اپنے لڑکے سے ان کا نکاح کرا دیں گے ان سب اقوال سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ممانعت کر دی اور عورتوں کی جان اس مصیبت سے چھڑا دی۔ واللہ اعلم۔ ارشاد ہے عورتوں کی بود و باش میں انہیں تنگ کر کے تکلیف دے دے کر مجبور نہ کرو کہ وہ اپنا سارا مہر چھوڑ دیں یا اس میں سے کچھ چھوڑ دیں یا اپنے کسی اور واجبی حق وغیرہ سے دستبردار ہونے پر آمادہ ہو جائیں کیونکہ انہیں ستایا اور مجبور کیا جا رہا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عورت ناپسند ہے دل نہیں ملا چھوڑ دینا چاہتا ہے تو اس صورت میں حق مہر وغیرہ کے علاوہ بھی تمام حقوق دینے پڑیں گے۔ اس صورتحال سے بچنے کے لئے اسے ستانا یا طرح طرح سے تنگ کرنا تاکہ وہ خود اپنے حقوق چھوڑ کر چلے جانے پر آمادہ ہو جائے ایسا رویہ اختیار کرنے سے قرآن پاک نے مسلمانوں کو روک دیا۔ ابن سلمانیؒ فرماتے ہیں ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت امر جاہلیت کو ختم کرنے اور دوسری امر اسلام کی اصلاح کے لئے نازل ہوئی ابن مبارکؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ مگر

اس صورت میں کہ ان سے کھلی بے حیائی کا کام صادر ہو جائے‘ اس سے مراد بقول اکثر مفسرین صحابہؓ تابعینؒ وغیرہ زنا کاری ہے‘ یعنی اس صورت میں جائز ہے کہ اس سے مہر لوٹا لینا چاہئے اور اسے تنگ کرے تا کہ خلع پر رضامند ہو‘ جیسے سورۂ بقرہ کی آیت میں ہے وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ الخ یعنی تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ بھی لے لو مگر اس حالت میں کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ سے مراد خاوند کے خلاف کام کرنا‘ اس کی نافرمانی کرنا‘ بدزبانی‘ کج خلقی کرنا‘ حقوق زوجیت اچھی طرح ادا نہ کرنا وغیرہ ہے‘ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں آیت کے الفاظ عام ہیں‘ زنا کو اور تمام مذکورہ عوامل بھی شامل ہیں یعنی ان تمام صورتوں میں خاوند کو مباح ہے کہ اسے تنگ کرے تا کہ وہ اپنا کل حق یا تھوڑا حق چھوڑ دے اور پھر یہ اسے الگ کر دے۔ امام صاحب کا یہ فرمان بہت ہی مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ روایت بھی پہلے گزر چکی ہے کہ یہاں اس آیت کے اترنے کا سبب وہی جاہلیت کی رسم ہے جس سے اللہ نے منع فرما دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا بیان جاہلیت کی رسم کو اسلام میں سے خارج کرنے کے لئے ہوا ہے۔

ابن زیدؒ فرماتے ہیں‘ مکہ کے قریش میں یہ رواج تھا کہ کسی شخص نے کسی شریف عورت سے نکاح کیا‘ موافقت نہ ہوئی تو اسے طلاق دے دی لیکن یہ شرط کر لیتا تھا کہ بغیر اس کی اجازت کے یہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی‘ اس بات پر گواہ مقرر ہو جاتے اور اقرار نامہ لکھ لیا جاتا۔ اب اگر کہیں سے پیغام آئے اور وہ عورت راضی ہو تو یہ کہتا مجھے اتنی رقم دے تو میں تجھے نکاح کی اجازت دوں گا۔ اگر وہ ادا کر دیتی تو خیر ورنہ یونہی اسے قید رکھتا اور دوسرا نکاح نہ کرنے دیتا۔ اس کی ممانعت اس آیت میں نازل ہوئی‘ بقول مجاہد رحمتہ اللہ علیہ یہ حکم اور سورۂ بقرہ کی آیت کا حکم دونوں ایک ہی ہیں۔ پھر فرمایا عورتوں کے ساتھ خوش سلوکی کا رویہ رکھو‘ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ برتو۔ نرم بات کہو‘ نیک سلوک کرو‘ اپنی حالت بھی اپنی طاقت کے مطابق اچھی رکھو۔ جیسے تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے لئے بنی سنوری ہوئی اچھی حالت میں رہے‘ تم خود اپنی حالت بھی اچھی رکھو جیسے اور جگہ فرمایا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ یعنی جیسے تمہارے حقوق ان پر ہیں ان کے حقوق بھی تم پر ہیں۔

بہترین زوج محترم: ☆☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں‘ تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی گھر والی کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرنے والا ہو۔ میں اپنی بیویوں سے بہت اچھا رویہ رکھتا ہوں‘ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے ساتھ بہت لطف وخوشی‘ بہت نرم اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے‘ انہیں خوش رکھتے تھے‘ ان سے ہنسی دل لگی کی باتیں کیا کرتے تھے‘ ان کے دل اپنی مٹھی میں رکھتے تھے انہیں اچھی طرح کھانے پینے کو دیتے تھے‘ کشادہ دلی کے ساتھ ان پر خرچ کرتے تھے‘ ایسی خوش طبعی کی باتیں بیان فرماتے جن سے وہ ہنس دیتیں۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ آپ نے دوڑ لگائی۔ اس دوڑ میں صدیقہ آگے نکل گئیں۔ کچھ مدت بعد پھر دوڑ لگی۔ اب کے حضرت عائشہؓ پیچھے رہ گئیں تو آپؐ نے فرمایا معاملہ برابر ہو گیا۔ اس سے بھی آپ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت صدیقہؓ خوش رہیں۔ ان کا دل بہلے‘ جس بیوی صاحبہ کے ہاں آپ کو رات گزارنی ہوتی‘ وہیں آپ کی کل بیویاں جمع ہو جاتیں۔ دو گھڑی بیٹھتیں۔ بات چیت ہوتی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان سب کے ساتھ ہی حضورؐ رات کا کھانا تناول فرماتے۔ پھر سب اپنے اپنے گھر چلی جاتیں اور آپؐ وہیں آرام فرماتے جن کی باری ہوتی‘ اپنی بیوی صاحبہ کے ساتھ ایک ہی چادر میں سوتے۔ کرتا نکال ڈالتے صرف تہبند بندھا ہوا ہوتا‘ عشاء کی نماز کے بعد گھر جا کر دو گھڑی ادھر ادھر کی کچھ باتیں کرتے جس سے گھر والیوں کا جی خوش ہوتا الغرض نہایت ہی محبت پیار کے ساتھ اپنی بیویوں کو آپ رکھتے تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھی طرح راضی خوشی محبت پیار سے رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فرمانبرداری کا دوسرا نام اچھائی ہے۔ اس کے تفصیلی احکام کی جگہ تفسیر نہیں بلکہ اسی مضمون کی کتابیں ہیں والحمدللہ۔ پھر فرماتا ہے کہ باوجود جی نہ

چاہنے کے بھی عورتوں سے اچھی بود و باش رکھنے میں بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بھلائی فرمائے۔ ممکن ہے نیک اولاد ہو جائے اور اس سے اللہ تعالیٰ بہت سی بھلائیاں نصیب کرے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ مومن مرد مومنہ عورت کو الگ نہ کرے اگر اس کی ایک آدھ بات سے ناراض ہوگا تو ایک آدھ خصلت اچھی بھی ہوگی۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝

ع ۸

اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانے کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی تم اس میں سے کچھ بھی نہ لو' کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے؟ ○ تم اسے کیسے لے لو گے؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے ○ ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے مگر جو گزر چکا' یہ بے حیائی کا کام اور بغض کا سبب ہے اور بڑی بری راہ ہے ○

(آیت: ۲۰-۲۲) پھر فرماتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے اور اس کی جگہ دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اسے دیئے ہوئے مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لے چاہے خزانہ کا خزانہ دیا ہوا ہو۔

حق مہر کے مسائل: ☆☆ سورۂ آل عمران کی تفسیر میں قنطار کا پورا بیان گزر چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہر میں بہت سارا مال دینا بھی جائز ہے' امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے پہلے بہت لمبے چوڑے مہر سے منع فرمادیا تھا۔ پھر اپنے قول سے رجوع کیا' جیسے کہ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا عورتوں کے مہر باندھنے میں زیادتی نہ کرو اگر یہ دنیوی طور پر کوئی بھی چیز ہوتی یا اللہ کے نزدیک یہ تقویٰ کی چیز ہوتی تو تم سب سے پہلے اس پر اللہ کے رسول ﷺ عمل کرتے۔ حضورؐ نے اپنی کسی بیوی کا یا کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں کیا (تقریباً سوا سو روپیہ) انسان زیادہ مہر باندھ کر پھر مصیبت میں پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس کی بیوی اسے بوجھ معلوم ہونے لگتی ہے اور اس کے دل میں اس کی دشمنی بیٹھ جاتی ہے اور کہنے لگتا ہے کہ تو نے میرے کندھے پر مشک لٹکا دی یہ حدیث بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ ایک میں ہے کہ آپؓ نے منبر نبویؐ پر کھڑے ہو کر فرمایا' لوگو تم نے کیوں لمبے چوڑے مہر باندھنے شروع کر دیئے ہیں؟ رسول اللہ اور آپ کے زمانہ کے آپ کے اصحاب نے تو چار سو درہم (تقریباً سو روپیہ) مہر باندھا ہے۔ اگر یہ تقویٰ اور کرامت کے زیادہ ہونے کا سبب ہوتا تو تم زیادہ حق مہر ادا کرنے میں بھی ان پر سبقت نہیں لے سکتے تھے؟ خبردار آج سے میں نہ سنوں کہ کسی نے چار سو درہم سے زیادہ کا حق مہر مقرر کیا۔ یہ فرما کر آپ نیچے اتر آئے تو ایک قریشی خاتون سامنے آئیں اور کہنے لگیں امیر المومنین' کیا آپؓ نے چار سو درہم سے زیادہ حق مہر سے لوگوں کو منع فرمادیا ہے۔ آپ نے فرمایا' ہاں' کہا' کیا آپ نے اللہ کا کلام جو اس نے نازل فرمایا ہے' نہیں سنا؟ کہا وہ کیا؟ کہا سنئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا الخ' تم نے انہیں خزانہ دیا

ہو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا' اللہ مجھے معاف فرما' عمرؓ سے تو ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے۔ پھر واپس اسی وقت منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا' لوگو میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے روک دیا تھا لیکن اب کہتا ہوں جو شخص اپنے مال میں سے مہر میں جتنا چاہے دے۔ اپنی خوشی سے جتنا مہر مقرر کرنا چاہے کرے' میں نہیں روکتا اور ایک روایت میں اس عورت کا آیت کو اس طرح پڑھنا مروی ہے وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا مِنْ ذَھَبٍ' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرات میں بھی اسی طرح ہے اور حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا بھی مروی ہے کہ ایک عورت عمرؓ پر غالب آ گئی اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا گو ذی القصہ یعنی یزید بن حصین حارثی کی بیٹی ہو پھر بھی مہر اس کا زیادہ مقرر نہ کرو اور اگر تم نے ایسا کیا تو وہ زائد رقم میں بیت المال کے لئے لے لوں گا۔ اس پر ایک دراز قد چوڑی ناک والی عورت نے کہا' حضرت آپ یہ حکم نہیں دے سکتے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنی بیوی کو دیا ہوا حق مہر واپس کیسے لے سکتے ہو؟ جبکہ تم نے اس سے فائدہ اٹھایا یا ضرورت پوری کی۔ وہ تم سے اور تم اس سے مل گئے یعنی میاں بیوی کے تعلقات بھی قائم ہو گئے۔ بخاری و مسلم کی اس حدیث میں ہے ایک شخص نے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا اور حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ بیوی نے بھی اپنے بے گناہ ہونے اور شوہر نے اپنے سچا ہونے کی قسم کھائی۔ پھر ان دونوں کا قسمیں کھانا اور اس کے بعد آپ کا یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ تم دونوں میں سے کون جھوٹا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی اب بھی توبہ کرتا ہے؟ تین دفعہ فرمایا تو اس مرد نے کہا میں نے جو مال اس کے مہر میں دیا ہے' اس کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' اسی کے بدلے تو یہ تیرے لئے حلال ہوئی تھی۔ اب اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو پھر اور ناممکن بات ہو گی۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت نفرہؓ نے ایک کنواری لڑکی سے نکاح کیا۔ جب اس سے ملے تو دیکھا کہ اسے زنا کا حمل ہے۔ حضورؐ سے ذکر کیا۔ آپ نے اسے الگ کرا دیا اور مہر دلوا دیا اور عورت کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور فرمایا جو بچہ ہو گا' وہ تیرا غلام ہو گا اور مہر تو اس کی حلت کا سبب تھا۔

غرض آیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ حضرت ابوقیسؓ جو بڑے بزرگ اور نیک انصاری صحابی تھے' ان کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے قیس نے ان کی بیوی سے نکاح کی خواہش کی جو ان کی سوتیلی ماں تھیں۔ اس پر اس بیوی صاحبہ نے فرمایا' بے شک تو اپنی قوم میں نیک ہے لیکن میں تو تجھے اپنا بیٹا شمار کرتی ہوں۔ خیر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتی ہوں۔ جو وہ حکم فرمائیں' وہ حاضر ہوئیں اور حضورؐ کو ساری کیفیت بیان کی آپؐ نے فرمایا' اپنے گھر لوٹ جاؤ' پھر یہ آیت اتری کہ جس سے باپ نے نکاح کیا' اس سے بیٹے کا نکاح حرام ہے' ایسے واقعات اور بھی اس وقت موجود تھے جنہیں اس ارادے سے باز رکھا گیا۔ ایک تو یہی ابوقیس والا واقعہ' ان بیوی صاحبہ کا نام ام عبید اللہ ضمرہ تھا۔

دوسرا واقعہ خلف کا تھا ان کے گھر میں ابوطلحہ کی صاحبزادی تھیں اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے صفوان نے اسے اپنے نکاح میں لانا چاہا تھا۔ سہیلی میں لکھا ہے' جاہلیت میں اس نکاح کا معمول تھا جسے باقاعدہ نکاح سمجھا جاتا تھا اور بالکل حلال گنا جاتا تھا۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا گیا کہ جو پہلے گزر چکا سو گزر چکا جیسے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت کو بیان فرما کر بھی یہی کیا گیا' کنانہ بن خزیمہ نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تھا' نضر اسی کے بطن سے پیدا ہوا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میری اوپر کی نسل بھی باقاعدہ نکاح سے ہی ہے نہ کہ زنا سے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ رسم ان میں برابر جاری تھی اور جائز تھی اور اسے نکاح شمار کرتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جاہلیت والے بھی جن جن رشتوں کو اللہ نے حرام کیا ہے' سوتیلی ماں اور دو بہنوں کو ایک ساتھ

نکاح میں رکھنے کے سواسب کوحرام ہی جانتے تھے‘ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ان دونوں رشتوں کو بھی حرام ٹھہرایا۔ حضرت عطا ؒ اور حضرت قتادہ ؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یادر ہے کہ سہیلی نے کنانہ کا جوواقعہ نقل کیا ہے‘ وہ غور طلب ہے‘ بالکل صحیح نہیں‘ واللہ اعلم۔ بہرصورت یہ رشتہ امت مسلمہ پر حرام ہے اور نہایت قبیح امر ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا‘ یہ نہایت فحش برا کام‘ بغض کا ہے۔ دونوں میاں بیوی میں خلوت وصحبت ہو چکی ہے۔ پھر مہر واپس لینا کیا معنی رکھتا ہے۔

پھر فرمایا کہ عقد نکاح جو مضبوط عہد و پیمان ہے‘ اس میں تم جکڑے جا چکے ہو‘ اللہ کا یہ فرمان تم سن چکے ہو کہ بساؤ تو اچھی طرح اور الگ کرو تو عمدہ طریقہ سے‘ چنانچہ حدیث میں بھی ہے کہ تم ان عورتوں کو اللہ کی امانت کے طور پہ لیتے ہو اور ان کو اپنے لئے اللہ تعالیٰ کا کلمہ پڑھ کر یعنی نکاح کے خطبہ تشہد سے حلال کرتے ہو‘ رسول اللہ ﷺ کو معراج والی رات جب بہترین انعامات عطا ہوئے‘ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ آپؐ سے فرمایا گیا‘ تیری امت کا کوئی خطبہ جائز نہیں جب تک وہ اس امر کی گواہی نہ دیں کہ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے (ابن ابی حاتم)

نکاح کے احکامات: ☆☆ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا‘ تم نے عورتوں کو اللہ کی امانت کے طور پہ لیا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے اپنے لئے حلال کیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سوتیلی ماؤں کی حرمت بیان فرماتا ہے اور ان کی تعظیم اور توقیر ظاہر کرتا ہے یہاں تک کہ باپ نے کسی عورت سے صرف نکاح کیا‘ ابھی وہ رخصت ہو کر بھی نہیں آئی مگر طلاق ہوگئی یا باپ مر گیا وغیرہ تو بھی وہ سبب اور برار استہ ہے۔ اور جگہ فرمان ہے وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ الخ‘ یعنی کسی برائی‘ بے حیائی اور فحش کام کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ بالکل ظاہر ہو خواہ پوشیدہ ہو۔ اور فرمان ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی الخ‘ زنا کے قریب نہ جاؤ۔ یقیناً وہ فحش کام اور بری راہ ہے۔ یہاں مزید فرمایا کہ یہ کام بڑے بغض کا بھی ہے یعنی فی نفسہ بھی بڑا برا امر ہے۔ اس سے باپ بیٹے میں عداوت پڑ جاتی ہے اور دشمنی قائم ہو جاتی ہے‘ یہی مشاہدہ میں آیا ہے اور عموماً یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے دوسرا نکاح کرتا ہے‘ وہ اس کے پہلے خاوند سے بغض ہی رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کی بیویاں امہات المومنین قرار دی گئیں اور امت پر مثل ماں کے حرام کی گئیں کیونکہ وہ نبی ﷺ کی بیویاں ہیں اور آپ مثل باپ کے ہیں بلکہ اجماعاً ثابت ہے کہ آپؐ کے حق‘ باپ دادا کے حقوق سے بھی بہت زیادہ اور بہت بڑے ہیں بلکہ آپؐ کی محبت خود جانوں کی محبت پر بھی مقدم ہے صلوات اللہ و سلامہ علیہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کام اللہ کے بغض کا موجب ہے اور برار استہ ہے۔ اب جو ایسا کام کرے‘ وہ دین سے مرتد ہے‘ اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا مال بیت المال میں بطور فے کے داخل کر لیا جائے‘ سنن اور مسند احمد میں مروی ہے کہ ایک صحابی کو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کے بعد نکاح کیا تھا کہ اسے قتل کر ڈالو اور اس کے مال پہ قبضہ کر لو۔

حضرت برا ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میرے چچا حارث بن عمیر اپنے ہاتھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا جھنڈا لے کر میرے پاس سے گذرے۔ میں نے پوچھا کہ چچا حضورؐ نے آپ کو کہاں بھیجا ہے؟ فرمایا اس شخص کی طرف جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا ہے۔ مجھے حکم ہے کہ میں اس کی گردن ماروں (مسند احمد)

سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے: ☆☆ مسئلہ ☆☆ اس پر تو علماء کا اجماع ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کر لی خواہ نکاح کر کے‘ خواہ ملکیت میں لا کر‘ خواہ شبہ سے‘ وہ عورت بیٹے پر حرام ہے‘ ہاں اگر جماع نہ ہوا ہو تو صرف مباشرت ہوئی ہو یا وہ اعضاء دیکھے ہوں جن

کا دیکھنا اجنبی ہونے کی صورت میں حلال نہ تھا تو اس میں اختلاف ہے۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ تو اس صورت میں بھی اس عورت کو لڑکے پر حرام بتاتے ہیں' حافظ ابن عساکر کے اس واقعہ سے بھی اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت خدیج حمصی نے جو حضرت معاویہؓ کے مولی تھے' حضرت معاویہؓ کے لئے ایک لونڈی خریدی جو گورے رنگ کی اور خوبصورت تھی۔ اسے برہنہ ان کے پاس بھیج دیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اس سے اشارہ کر کے کہنے لگے' اچھا نفع تھا اگر یہ ملبوس ہوتی' پھر کہنے لگے اسے یزید بن معاویہ کے پاس لے جاؤ۔ پھر کہا نہیں نہیں ٹھہرو۔ ربیعہ بن عمرو حرسی کو میرے پاس بلا لاؤ' یہ بڑے فقیہہ تھے' جب آئے تو حضرت معاویہؓ نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ میں نے اس عورت کے یہ اعضا دیکھے ہیں' یہ برہنہ تھی اب میں اسے اپنے لڑکے یزید کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں تو کیا اس کے لئے یہ حلال ہے؟ حضرت ربیعہؓ نے فرمایا' امیرالمومنین ایسا نہ کیجئے' یہ اس کے قابل نہیں رہی' فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو' اچھا جاؤ' عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو بلا لاؤ' وہ آئے وہ تو گندم گوں رنگ کے تھے' اس سے حضرت معاویہؓ نے فرمایا۔ اس لونڈی کو میں تمہیں دیتا ہوں تاکہ تمہاری اولاد سفید رنگ پیدا ہو' یہ عبداللہ بن مسعدہؓ وہ ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو دیا تھا۔ آپ نے انہیں پالا پرورش کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے نام سے آزاد کر دیا۔ پھر یہ حضرت معاویہؓ کے پاس چلے آئے تھے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری لڑکیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ بہنیں اور تمہاری ساس اور تمہاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمہاری گودیوں میں ہیں۔ تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم نے دخول کر چکے ہو' ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں' اور تمہارے صلبی سگے بیٹوں کی بیویاں اور تمہارا دو بہنوں کو جمع کرنا ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے O

کون سی عورتیں مردوں پر حرام ہیں؟ ☆☆ (آیت: ۲۳) نسبی' رضاعی اور سسرالی رشتے سے جو عورتیں مرد پر حرام ہیں' ان کا بیان آیہ کریمہ میں ہو رہا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' سات عورتیں بوجہ نسب حرام ہیں اور سات بوجہ سسرال کے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی جس میں بہن کی لڑکیوں تک نسبی رشتوں کا ذکر ہے۔ جمہور علماء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ زنا سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہو' وہ بھی اس زانی پر حرام ہے کیونکہ یہ بھی بیٹی ہے اور بیٹیاں حرام ہیں۔ یہی مذہب ابوحنیفہ'

مالک اور احمد بن حنبلؒ کا ہے امام شافعی سے کچھ اس کی اباحت میں بھی بحث کی گئی ہے اس لئے کہ شرعاً یہ بیٹی نہیں پس جیسے کہ ورثے کے حوالے سے یہ بیٹی کے حکم سے خارج ہے اور ورثہ نہیں پاتی' اسی طرح اس آیت حرمت میں بھی وہ داخل نہیں ہے۔ واللہ اعلم (صحیح مذہب وہی ہے جس پر جمہور ہیں۔ مترجم)

پھر فرماتا ہے کہ جس طرح تم پر تمہاری سگی ماں حرام ہے' اسی طرح رضاعی ماں بھی حرام ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ رضاعت بھی اسے حرام کرتی ہے جسے ولادت حرام کرتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے' رضاعت سے بھی وہ حرام ہے جو نسب سے ہے' بعض فقہا نے اس میں سے چار صورتیں' بعض نے چھ صورتیں مخصوص کی ہیں جو احکام کی فروع کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن تحقیق بات یہ ہے کہ اس میں سے کچھ بھی مخصوص نہیں۔ اس لئے کہ اسی کے مانند بعض صورتیں نسبت میں بھی پائی جاتی ہیں' اور ان صورتوں میں سے بعض صرف سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہیں لہذا احادیث پر اعتراض خارج از بحث ہے۔ والحمدللہ۔ ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے' بعض تو کہتے ہیں کہ تعداد معین نہیں۔ دودھ پیتے ہی حرمت ثابت ہو گئی۔ امام مالکؒ یہی فرماتے ہیں۔ ابن عمرؓ سعید بن مسیب' عروہ بن زبیر اور زہری رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رضاعت یہاں عام ہے۔ بعض کہتے ہیں تین مرتبہ جب پیے تو حرمت ثابت ہو گئی' جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا' ایک مرتبہ کا چوسنا یا دو مرتبہ کا پی لینا حرام نہیں کرتا۔ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ امام احمد' اسحاق بن راہویہ' ابوعبیدہ' ابوثور رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں حضرت علیؓ' حضرت عائشہؓ' حضرت ام الفضلؓ' حضرت ابن زبیرؓ' سلیمان بن یسار' سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔

بعض کہتے ہیں پانچ مرتبہ کے دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اس سے کم نہیں۔ اس کی دلیل صحیح مسلم کی یہ روایت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن میں دس مرتبہ کی دودھ پلائی پر حرمت کا حکم اترا تھا۔ پھر وہ منسوخ ہو کر پانچ رہ گئے حضورؐ کے فوت ہونے تک وہ قرآن میں پڑھا جاتا رہا۔ دوسری دلیل سہلہ بنت سہیل کی روایت ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ حضرت سالمؓ کو جو حضرت ابوحذیفہؓ کے مولی تھے' پانچ مرتبہ دودھ پلا دیں' حضرت عائشہؓ اسی حدیث کے مطابق جس عورت کے گھر کسی کا آنا جانا دیکھتیں' اسے یہی حکم دیتیں۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا فرمان بھی یہی ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینا معتبر ہے (مترجم کی تحقیق میں بھی راجح قول یہی ہے۔ واللہ اعلم) یہ بھی یاد رہے کہ جمہور کا مذہب یہ۔ ہے کہ یہ رضاعت دودھ چھٹنے سے پہلے یعنی دو سال کے اندر اندر کی عمر میں ہو' اس کا مفصل بیان آیت حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ کی تفسیر میں سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس رضاعت کا اثر رضاعی ماں کے خاوند تک بھی پہنچے گا یا نہیں؟ تو جمہور کا اور ائمہ اربعہ کا فرمان تو یہ ہے کہ پہنچے گا اور بعض سلف کا قول ہے کہ صرف دودھ پلانے والی تک ہی رہے گا اور رضاعی باپ تک نہیں پہنچے گا۔ اس کی تفصیل کی جگہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر (صحیح قول جمہور کا ہے۔ واللہ اعلم مترجم)

پھر فرماتا ہے' ساس حرام ہے۔ جس لڑکی سے نکاح ہوا' مجرد نکاح ہونے کے سبب اس کی ماں اس پر حرام ہو گئی خواہ صحبت کرے یا نہ کرے' ہاں جس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور اس کی لڑکی اس کے اگلے خاوند سے اس کے ساتھ ہے تو اگر اس سے صحبت کی تو وہ لڑکی حرام ہو گی۔ اگر مجامعت سے پہلے ہی اس عورت کو طلاق دے دی تو وہ لڑکی اس پر حرام نہیں' اسی لئے اس آیت میں یہ قید لگائی۔ بعض لوگوں نے ضمیر کو ساس اور اس کی پرورش کی ہوئی لڑکیوں دونوں کی طرف لوٹایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ساس بھی اس وقت حرام ہوتی ہے جب اس کی لڑکی سے اس کے داماد نے خلوت کی ورنہ نہیں' صرف عقد سے نہ تو عورت کی ماں حرام ہوتی ہے نہ عورت کی بیٹی' حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جس

شخص نے کسی لڑکی سے نکاح کیا' پھر دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی تو وہ اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے جیسے کہ ربیبہ لڑکی سے اس کی ماں کو اسی طرح کی طلاق دینے کے بعد نکاح کر سکتا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ ایک اور روایت میں بھی آپ سے مروی ہے' آپ فرماتے تھے' جب وہ عورت غیر مدخولہ مر جائے اور یہ خاوند اس کی میراث لے لے تو پھر اس کی ماں کو لانا مکروہ ہے۔ ہاں اگر دخول سے پہلے طلاق دے دی ہے تو اگر چاہے نکاح کر سکتا ہے' حضرت ابوبکر بن کنانہ فرماتے ہیں کہ میرا نکاح میرے باپ نے طائف کی ایک عورت سے کرایا۔ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا باپ میرا چچا فوت ہو گیا۔ اس کی بیوی یعنی میری ساس بیوہ ہو گئی' وہ بہت مالدار تھیں' میرے باپ نے مجھے مشورہ دیا کہ اس لڑکی کو چھوڑ دوں اور اس کی ماں سے نکاح کر لوں۔ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا' تمہارے لئے یہ جائز ہے۔ پھر میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ جائز نہیں' میں نے اپنے والد سے ذکر کیا' انہوں نے تو امیر معاویہ کو ہی سوال کیا حضرت امیر معاویہؓ نے تحریر فرمایا کہ میں نہ تو حرام کو حلال کروں نہ حلال کو حرام تم جانو اور تمہارا کام۔ تم حالت دیکھ رہے ہو معاملہ کے تمام پہلو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں عورتیں اس کے علاوہ بھی بہت ہیں' غرض نہ اجازت دی نہ انکار کیا چنانچہ میرے باپ نے اپنا خیال اس کی ماں کی طرف سے ہٹا لیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ عورت کی لڑکی اور عورت کی ماں کا حکم ایک ہی ہے۔ اگر عورت سے دخول نہ کیا ہو تو یہ دونوں حلال ہیں لیکن اس کی اسناد میں مبہم راوی ہے' حضرت مجاہدؒ کا بھی یہی قول ہے' ابن جبیرؒ اور حضرت ابن عباسؓ بھی اسی طرف گئے ہیں' حضرت معاویہؓ نے اس میں توقف فرمایا ہے۔ شافعیوں میں سے ابوالحسن احمد بن محمد بن صابونی سے بھی بقول رافعی یہی مروی ہے' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے لیکن پھر آپ نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ قبیلہ فزارہ کی شاخ قبیلہ بنو کمخ کے ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ پھر اس کی بیوہ ماں کے حسن پر فریفتہ ہوا تو حضرت ابن مسعودؓ سے مسئلہ پوچھا کہ کیا مجھے اس کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں چنانچہ اس نے اس لڑکی کو طلاق دے کر اس کی ماں سے نکاح کر لیا۔ اس سے اولاد بھی ہوئی۔ پھر حضرت ابن مسعودؓ مدینہ آئے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ حلال نہیں چنانچہ آپ واپس کوفے گئے اور اس سے کہا کہ اس عورت کو الگ کر دے۔ یہ تجھ پر حرام ہے اس نے اس فرمان کی تعمیل کی اور اسے الگ کر دیا۔ جمہور علماء اس طرف ہیں۔ لڑکی تو صرف عقد نکاح سے حرام نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس کی ماں سے مباشرت نہ کی ہو ہاں ماں صرف لڑکی کے عقد نکاح ہوتے ہی حرام ہو جاتی ہے گو مباشرت نہ ہوئی ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دے دے یا وہ عورت مر جائے تو اس کی ماں اس پر حلال نہیں۔ چونکہ مبہم ہے اس لئے اسے ناپسند فرمایا۔ حضرت ابن مسعود' عمران بن حصین' مسروق' طاؤس' عکرمہ' حسن' مکحول' ابن سیرین' قتادہ اور زہری رحمھم اللہ اجمعین سے بھی اسی طرح مروی ہے' چاروں اماموں' ساتوں فقہا اور جمہور علماء سلف و خلف کا یہی مذہب ہے' والحمدللہ۔ امام ابن جریجؒ فرماتے ہیں' ٹھیک قول انہی حضرات کا ہے جو ساس کو دونوں صورتوں میں حرام بتلاتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرمت کے ساتھ دخول کی شرط نہیں لگائی جیسے کہ لڑکی کی ماں کے لئے یہ شرط لگائی ہے پھر اس پر اجماع ہے جو ایسی دلیل ہے کہ اس کا خلاف کرنا اس وقت جائز نہیں جبکہ اس پر اتفاق ہو اور ایک غریب حدیث میں بھی یہ مروی ہے گو اس کی سند میں کلام ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جبکہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے' اگر اس نے اس کی ماں سے نکاح کیا ہے' پھر ملنے سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی ہے تو اگر چاہے اس کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے' گو اس حدیث کی سند کمزور ہے لیکن اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے جو اسکی صحت پر ایسا گواہ ہے جس کے بعد

دوسری گواہی کی ضرورت نہیں (ٹھیک مسئلہ یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

پھر فرماتا ہے تمہاری پرورش کی ہوئی وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہوں' وہ بھی تم پر حرام ہیں بشرطیکہ تم نے ان سوتیلی لڑکیوں کی ماں سے صحبت کی ہو۔ جمہور کا فرمان ہے کہ خواہ گود میں پلی ہوں حرام ہیں چونکہ عموماً ایسی لڑکیاں اپنی ماں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور اپنے سوتیلے باپوں کے ہاں ہی پرورش پاتی ہیں۔ اس لئے یہ کہہ دیا گیا ہے یہ کوئی قید نہیں جیسے اس آیت میں ہے وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا یعنی تمہاری لونڈیاں اگر پاکدامن رہنا چاہتی ہوں تو تم انہیں بدکاری پر بے بس نہ کرو۔ یہاں بھی یہ قید کہ اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں صرف باعتبار واقعہ کے غلبہ کے ہے۔ یہ نہیں کہ اگر وہ خود ایسی نہ ہوں تو انہیں بدکاری پر آمادہ کرو۔ اسی طرح اس آیت میں ہے کہ گود میں چاہے نہ ہوں' پھر بھی حرام ہی ہیں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے کہا' یارسول اللہ آپ میری بہن ابوسفیان کی لڑکی عزہ سے نکاح کر لیجئے۔ آپؐ نے فرمایا' کیا تم یہ چاہتی ہو؟ ام المومنین نے کہا' ہاں میں آپ کو خالی تو رکھ نہیں سکتی' پھر میں اس بھلائی میں اپنی بہن کو ہی کیوں نہ شامل کروں؟ آپ نے فرمایا' سنو مجھ پر وہ حلال نہیں' ام المومنین نے کہا' میں نے تو سنا ہے کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کی وہ بیٹی جو ام سلمہ سے ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا اولاً تو وہ مجھ پر اس وجہ سے حرام ہے کہ وہ میری ربیبہ ہے جو میرے ہاں پرورش پا رہی ہے۔ دوسری یہ کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حرام تھیں اس لئے کہ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی میری بھتیجی ہیں۔ مجھے اور اس کے باپ ابوسلمہ کو ثوبیہ نے دودھ پلایا ہے۔ خبردار اپنی بیٹیاں اور اپنی بہنیں مجھ پر پیش نہ کرو۔ بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اگر میرا نکاح ام سلمہ سے نہ ہوا ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حلال نہ تھیں یعنی صرف نکاح کو آپ نے حرمت کا اصل قرار دیا' یہی مذہب چاروں اماموں' ساتوں فقیہوں اور جمہور سلف و خلف کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ اس کے ہاں پرورش پاتی ہو تو بھی حرام ہے ورنہ نہیں۔

حضرت مالک بن اوس بن حدثانؒ فرماتے ہیں' میری بیوی اولاد چھوڑ کر مر گئیں۔ مجھے ان سے بہت محبت تھی۔ اس وجہ سے ان کی موت کا مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ حضرت علیؓ سے میری اتفاقیہ ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھے مغموم پا کر دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ میں نے واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا تجھ سے پہلے خاوند سے بھی اس کی کوئی اولاد ہے؟ میں نے کہا' ہاں ایک لڑکی ہے اور وہ طائف میں رہتی ہے۔ فرمایا' پھر اس سے نکاح کر لو۔ میں نے قرآن کریم کی آیت پڑھی کہ پھر اس کا کیا مطلب ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ تو اس وقت ہے جبکہ اس نے تیرے ہاں پرورش پائی ہو اور وہ بقول تمہارے طائف میں رہتی ہے' تیرے پاس ہے ہی نہیں گو اس کی اسناد صحیح ہے لیکن یہ قول بالکل غریب ہے' حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی قول بتایا ہے' ابن حزمؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے' ہمارے شیخ حافظ ابو عبداللہ نسبی نے ہم سے کہا کہ میں نے یہ بات شیخ امام تقی الدین ابن تیمیہؒ کے سامنے پیش کی تو آپ نے اسے بہت مشکل محسوس کیا اور توقف فرمایا۔ واللہ اعلم۔ حجور سے مراد گھر ہے جیسے کہ حضرت ابوعبیدہ سے مروی ہے کہ ہاں جو کنیز ملکیت میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی لڑکی ہو۔ اس کے بارے میں حضرت عمرؓ سے سوال ہوا کہ ایک کے بعد دوسری جائز ہو گی یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا' میں اسے پسند نہیں کرتا' اس کی سند منقطع ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے ایسے ہی سوال کے جواب میں فرمایا ہے' ایک آیت سے یہ حلال معلوم ہوتی ہے' دوسری آیت سے حرام' اس لئے میں تو ایسا ہرگز نہ کروں' شیخ ابوعمر بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ علماء میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ کسی کو حلال نہیں کہ کسی عورت سے پھر اس کی لڑکی سے بھی اسی ملکیت کی بناء پر وطی کرے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نکاح میں بھی حرام قرار دے دیا ہے۔ یہ آیت ملاحظہ ہو اور علماء کے نزدیک ملکیت احکام نکاح کے تابع ہے مگر جو روایت حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے کی جاتی ہے لیکن ائمہ فتاویٰ اور ان کے

تابعین میں سے کوئی بھی اس پر متفق نہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' ربیبہ کی لڑکی اور اس لڑکی کی لڑکی اس طرح جس قدر نیچے یہ رشتہ چلا جائے' سب حرام ہیں' حضرت ابوالعالیہؒ سے بھی اسی طرح یہ روایت قتادہ سے مروی ہے۔ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ سے مراد حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں' ان سے نکاح کرنا ہے' حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ وہ رخصت کر دیئے جائیں'۔ کپڑا ہٹا دیا جائے۔ چھیڑ ہو جائے اور ارادے سے مرد بیٹھ جائے۔ ابن جریجؒ نے سوال کیا کہ اگر یہ کام عورت ہی کے گھر میں ہوا ہو' فرمایا وہاں یہاں دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ ایسا اگر ہو گیا تو اس کی لڑکی اس پر حرام ہو گئی۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ صرف خلوت اور تنہائی ہو جانے سے اس کی لڑکی کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر مباشرت کرنے اور ہاتھ لگانے سے اور شہوت سے اس کے عضو کی طرف دیکھنے سے پہلے ہی طلاق دے دی ہے تو تمام کے اجماع سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لڑکی اس پر حرام نہ ہو گی تاوقتیکہ یہ کہ جماع نہ ہوا ہو۔ پھر فرمایا تمہاری بہوئیں بھی تم پر حرام ہیں جو تمہاری اولاد کی بیویاں ہوں یعنی لے پالک لڑکوں کی بیویاں حرام نہیں' ہاں سگے لڑکے کی بیوی یعنی بہو اپنے سسر پر حرام ہے جیسے اور جگہ ہے فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ الخ' یعنی جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا تاکہ مومنوں پر ان کے لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے' حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ہم سنا کرتے تھے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت زید کی بیوی سے نکاح کر لیا تو مکہ کے مشرکوں نے کائیں کائیں شروع کر دی' اس پر یہ آیت اور آیت وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ اور آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ نازل ہوئیں یعنی بے شک صلبی لڑکے کی بیوی حرام ہے۔ تمہارے لے پالک لڑکے شرعاً تمہاری اولاد کے حکم میں نہیں۔ آنحضرت ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں' حسن بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں مبہم ہیں جیسے تمہارے لڑکوں کی بیویاں' تمہاری ساسیں۔ حضرت طاؤس' ابراہیم زہری اور مکحول رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ میرے خیال میں مبہم سے مراد عام ہیں یعنی مدخول بہا اور غیر مدخول دونوں ہی شامل ہیں اور صرف نکاح کرتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس مسئلہ پر اتفاق ہے۔

اگر کوئی شخص سوال کرے کہ رضاعی بیٹے کی حرمت کیسے ثابت ہو گی کیونکہ آیت میں تو صلبی بیٹے کا ذکر ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ حرمت آنحضرت ﷺ کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا رضاعت' سے وہ حرام ہے جو نسبت سے حرام ہے۔ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی بھی حرام ہے۔ بعض لوگوں نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا بھی تم پر حرام ہے۔ اسی طرح ملکیت کی لونڈیوں کا حکم ہے کہ دو بہنوں سے ایک ہی وقت وطی حرام ہے مگر جاہلیت کے زمانہ میں جو ہو چکا' اس سے ہم درگزر کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اب یہ کام آئندہ کسی وقت جائز نہیں جیسے اور جگہ ہے لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى (1) یعنی وہاں موت نہیں آئے گی۔ ہاں پہلی موت جو آنی تھی سو آ چکی تو معلوم ہوا کہ اب آئندہ کبھی موت نہیں آئے گی۔ صحابہ' تابعین' ائمہ اور سلف و خلف کے علماء کرام کا اجماع ہے کہ دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اور جو شخص مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے اختیار دیا جائے گا کہ ایک کو رکھ لے اور دوسری کو طلاق دے دے اور یہ اسے کرنا ہی پڑے گا۔ حضرت فیروزؓ فرماتے ہیں' میں جب مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں دو عورتیں تھیں جو آپس میں بہنیں تھیں۔ پس آنحضرتؐ نے مجھے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو طلاق دے دو (مسند احمد) ابن ماجہ' ابوداؤد اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے' ترمذی میں بھی یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' ان میں سے جسے چاہو ایک کو رکھ لو اور ایک کو طلاق دے دو۔ امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں۔ ابن ماجہ میں ابوخراش کا ایسا واقعہ بھی مذکور ہے' ممکن ہے کہ ضحاک بن فیروز کی کنیت ابوخراش ہو اور یہ

واقعہ ایک ہی ہو اور اس کے خلاف بھی ممکن ہے۔

حضرت دیلمی نے رسول مقبول ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' ان سے جسے چاہو ایک کو طلاق دے دو (ابن مردویہ) پس دیلمی سے مراد ضحاک بن فیروز ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ' یہ یمن کے ان سرداروں میں سے تھے جنہوں نے اسود عنسی متنبی ملعون کو قتل کیا چنانچہ دو لونڈیوں کو جو آپس میں سگی بہنیں ہوں' ایک ساتھ جمع کرنا' ان سے وطی کرنا بھی حرام ہے۔ اس کی دلیل اس آیت کا عموم ہے جو بیویوں اور لونڈیوں پر مشتمل ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اس کا سوال ہوا تو آپ نے مکروہ بتایا۔ سائل نے کہا قرآن میں جو ہے اِلَّا مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی وہ جو جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔ اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا' تیرا اونٹ بھی تو تیرے داہنے ہاتھ کی ملکیت میں ہے۔ جمہور کا قول بھی یہی مشہور ہے اور ائمہ اربعہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ گو بعض سلف نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ایک آیت اسے حلال کرتی ہے' دوسری حرام میں تو اس سے منع کرتا ہوں۔ سائل وہاں سے نکلا تو راستے میں ایک صحابیؓ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ان سے بھی یہی سوال کیا' انہوں نے فرمایا' اگر مجھے کچھ اختیار ہوتا تو میں ایسا کرنے والے کو عبرتناک سزا دیتا' حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں' میرا گمان ہے کہ یہ فرمانے والے غالباً علیؓ تھے۔ حضرت زبیرؓ بن عوام سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔

استذکار ابن عبدالبر میں ہے کہ اس واقعہ کے راوی قبیصہ بن ذویب نے حضرت علیؓ کا نام اس لئے نہیں لیا کہ وہ عبدالملک بن مروان کا مصاحب تھا اور ان لوگوں پر آپ کا نام بھاری پڑتا تھا۔ حضرت الیاس بن عامرؒ کہتے ہیں' میں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے سوال کیا کہ میری ملکیت میں دو لونڈیاں ہیں' دونوں آپس میں سگی بہنیں ہیں' ایک سے میں نے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور میرے ہاں اس سے اولاد بھی ہوئی ہے۔ اب میرا جی چاہتا ہے کہ اس کی بہن سے جو میری لونڈی ہے' اپنے تعلقات قائم کروں تو فرمایئے شریعت کا اس میں کیا حکم ہے؟ آپؓ نے فرمایا۔ پہلی لونڈی کو آزاد کر کے پھر اس کی بہن سے یہ تعلقات قائم کر سکتے ہو۔ اس نے کہا اور لوگ تو کہتے ہیں کہ میں اس کا نکاح کرا دوں' پھر اس کی بہن سے مل سکتا ہوں' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا' دیکھو اس صورت میں بھی خرابی ہے' وہ یہ کہ اگر اس کا خاوند اسے طلاق دے دے یا انتقال کر جائے تو وہ پھر لوٹ کر تمہاری طرف آ جائے گی اسے تو آزاد کر دینے میں ہی سلامتی ہے۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا' سنو آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے احکام حلت و حرمت کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ ہاں البتہ تعداد میں فرق ہے یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے اور لونڈیوں میں کوئی تعداد کی قید نہیں اور دودھ پلائی کے رشتہ سے بھی اس رشتہ کی وہ تمام عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسل اور نسب کی وجہ سے حرام ہیں (اس کے بعد تفسیر ابن کثیر کے اصل عربی نسخے میں کچھ عبارت چھوٹی ہوئی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبارت یوں ہوں گی کہ یہ روایت ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص مشرق سے یا مغرب سے صرف اس روایت کو سننے کے لئے سفر کر کے آئے اور سن کے جائے تو بھی اس کا سفر اس کے لئے سودمند رہے گا اور اس نے گویا بہت سستے داموں بیش بہا چیز حاصل کی۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

یہ یاد رہے کہ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت عثمانؓ سے مروی ہے چنانچہ ابن مردویہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا' دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں' ایک ہی وقت جمع کر کے ان سے مباشرت کرنا ایک آیت سے حرام ہوتا ہے اور دوسری سے حلال' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' لونڈیاں مجھ پر میری قرابت کی وجہ سے جو ان سے ہے بعض اور لونڈیوں کو حرام کر دیتی ہیں لیکن انہیں خود آپس میں جو قرابت ہو' اس سے مجھ پر حرام نہیں ہوتیں' جاہلیت والے بھی ان عورتوں کو حرام سمجھتے تھے جنہیں تم حرام سمجھتے ہو مگر اپنے باپ کی بیوی کو جو

ان کی سگی ماں نہ ہو اور دو بہنوں کو ایک ساتھ ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنا وہ حرام نہیں سمجھتے تھے لیکن اسلام نے آ کر ان دونوں کو بھی حرام قرار دیا۔ اس وجہ سے ان دونوں کی حرمت کے بیان کے ساتھ ہی فرما دیا کہ جو نکاح ہو چکے وہ ہو چکے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو آزاد عورتیں حرام ہیں وہی لونڈیاں بھی حرام ہیں ہاں تعداد میں حکم ایک نہیں یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے۔ لونڈیوں کے لئے یہ حد نہیں حضرت شعبی بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابو عمرؒ فرماتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں جو فرمایا ہے وہی سلف کی ایک جماعت بھی کہتی ہے جن میں سے حضرت ابن عباسؓ بھی ہیں لیکن اولاً تو اس کی نقل میں خود انہی حضرات سے بہت کچھ اختلاف ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس قول کی طرف سمجھدار پختہ کار علماء کرام نے مطلقاً توجہ نہیں فرمائی اور نہ اسے قبول کیا حجاز عراق شام بلکہ مشرق و مغرب کے تمام فقہا اس کے مخالف ہیں سوائے ان چند کے جنہوں نے الفاظ کو دیکھ کر سوچ سمجھ اور غور و خوض کئے بغیر ان سے علیحدگی اختیار کی ہے اور اس اجماع کی مخالفت کی ہے۔ کامل علم والوں اور سچی سمجھ بوجھ والوں کا تو اتفاق ہے کہ دو بہنوں کو جس طرح نکاح میں جمع نہیں کر سکتے دو لونڈیوں کو بھی جو آپس میں بہنیں ہوں بہ وجہ ملکیت کے ایک ساتھ نکاح میں نہیں لا سکتے اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس آیت میں ماں بیٹی بہن وغیرہ حرام کی گئی ہیں۔ ان سے جس طرح نکاح حرام ہے اسی طرح اگر یہ لونڈیاں بن کر ماتحتی میں ہوں تو بھی جنسی اختلاط حرام ہے غرض نکاح اور ملکیت کے بعد کی دونوں حالتوں میں یہ سب کی سب برابر ہیں نہ ان سے نکاح کر کے میل جول حلال نہ ملکیت کے بعد میل جول حلال۔ اسی طرح ٹھیک یہی حکم ہے کہ دو بہنوں کے جمع کرنے ساس اور دوسرے خاوند سے اپنی عورت کی لڑکی ہو اس کے بارے میں خود ان کے جمہور کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی دلیل ان چند مخالفین پر پوری سند اور کامل حجت ہے اور الغرض دو بہنوں کو ایک وقت نکاح میں رکھنا بھی حرام اور دو بہنوں کو بطور لونڈی کہہ کر ان سے ملنا جلنا بھی حرام۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

اور (حرام کی گئیں) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آ جائیں' اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں' ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو برے کام سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کے لئے' پس جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو' اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کرلو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں' اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے O

میدان جنگ سے قبضہ میں آنے والی عورتیں اور --- متعہ : ☆☆ (آیت:۲۴) یعنی خاوندوں والی عورتیں بھی حرام ہیں ہاں کفار عورتیں جو میدان جنگ میں قید ہو کر تمہارے قبضے میں آئیں تو ایک حیض گزارنے کے بعد وہ تم پر حلال ہیں' مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ اوطاس میں قید ہو کر ایسی عورتیں آئیں جو خاوندوں والیاں تھیں تو ہم نے نبی ﷺ سے ان کی بابت سوال کیا تب یہ آیت اتری - ہم پر ان سے ملنا حلال کیا گیا -

ترمذی' ابن ماجہ اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے' طبرانی کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ جنگ خیبر کا ہے' سلف کی ایک جماعت اس آیت کے عموم سے استدلال کر کے فرماتی ہے کہ لونڈی کو بیچ ڈالنا ہی اس کے خاوند کی طرف سے اسے طلاق کامل کے مترادف ہے ابراہیم سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب کوئی خاوند والی لونڈی بیچی جائے تو اس کے جسم کا زیادہ حقدار اس کا مالک ہے' حضرت ابی بن کعبؓ' حضرت جابر بن عبداللہؓ' حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ اس کا بکنا ہی اس کی طلاق ہے ابن جریر میں ہے کہ لونڈی کی طلاقیں چھ ہیں' بیچنا بھی طلاق ہے' آزاد کرنا بھی' ہبہ کرنا بھی' برات کرنا بھی اور اس کے خاوند کا طلاق دینا بھی (یہ پانچ صورتیں تو بیان ہوئیں - چھٹی صورت نہ تفسیر ابن کثیر میں ہے نہ ابن جریر میں - مترجم) -

حضرت ابن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ خاوند والی عورتوں سے نکاح حرام ہے لیکن لونڈیوں کی طلاق ان کا بک جانا ہے' حضرت معمرؒ اور حضرت حسنؒ بھی یہی فرماتے ہیں ان بزرگوں کا تو یہ قول ہے لیکن جمہور ان کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بیچنا طلاق نہیں اس لئے کہ خریدار بیچنے والے کا نائب ہے اور بیچنے والا اس نفع کو اپنی ملکیت سے نکال کر بیچ رہا ہے' ان کی دلیل حضرت بریرہؓ والی حدیث ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب انہیں خرید کر آزاد کر دیا تو ان کا نکاح مغیث سے فسخ نہیں ہوا - رسول اللہ ﷺ نے انہیں فسخ کرنے اور باقی رکھنے کا اختیار دیا اور حضرت بریرہؓ نے فسخ کرنے کو پسند کیا - یہ واقعہ مشہور ہے' پس اگر بک جانا ہی طلاق ہوتا جیسے ان بزرگوں کا قول ہے تو آنحضرت ﷺ حضرت بریرہؓ کو ان کے بک جانے کے بعد اپنے نکاح کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا

اختیار نہ دیتے۔ اختیار دینا نکاح کے باقی رہنے کی دلیل ہے تو آیت میں مراد صرف وہ عورتیں ہیں جو جہاد میں قبضہ میں آئیں۔ واللہ اعلم۔
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محصنات سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں یعنی عفیفہ عورتیں جو تم پر حرام ہیں جب تک کہ تم نکاح اور گواہ اور مہر اور ولی سے ان کی عصمت کے مالک نہ بن جاؤ خواہ ایک ہو خواہ دو خواہ تین خواہ چار' ابوالعالیہؒ اور طاؤسؒ یہی مطلب بیان فرماتے ہیں۔ عمر اور عبید فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ چار سے زائد عورتیں تم پر حرام ہیں۔ ہاں کنیزوں میں یہ گنتی نہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ حرمت اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دی ہے یعنی چار کی۔ پس تم اس کی کتاب کو لازم پکڑو اور اس کی حد سے آگے نہ بڑھو۔ اس کی شریعت اور اس کے فرائض کے پابند رہو' یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرام عورتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ظاہر کر دیں۔

پھر فرماتا ہے کہ جن عورتوں کا حرام ہونا بیان کر دیا گیا' ان کے علاوہ اور سب حلال ہیں۔ ایک مطلب یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان چار سے کم تم پر حلال ہیں لیکن یہ قول دور کا قول ہے اور صحیح مطلب پہلا ہی ہے اور یہی حضرت عطاؒ کا قول ہے۔ حضرت قتادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد لونڈیاں ہیں۔ یہی آیت ان لوگوں کی دلیل ہے جو دو بہنوں کے جمع کرنے کی حلت کے قائل ہیں اور ان کی بھی جو کہتے ہیں کہ ایک آیت اسے حلال کرتی ہے اور دوسری حرام۔ پھر فرمایا تم ان حلال عورتوں کو اپنے مال سے حاصل کرو' چار تک تو آزاد عورتیں اور لونڈیاں بغیر تعیین کے لیکن ہو بہ طریق شرع۔ اسی لئے فرمایا زنا کاری سے بچنے کے لئے اور صرف شہوت رانی مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ' ان کے اس فائدہ کے مقابلہ میں مہر دے دیا کرو' جیسے اور آیت میں ہے وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ یعنی تم مہر کو عورتوں سے کیسے لوگے حالانکہ ایک دوسرے سے مل چکے ہو۔ اور فرمایا وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً عورتوں کے مہر بخوشی دے دیا کرو۔ اور جگہ فرمایا وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا الخ' تم نے جو کچھ عورتوں کو دے دیا ہو اس میں سے واپس لینا تم پر حرام ہے۔

اس آیت سے نکاح متعہ پر استدلال کیا ہے۔ بے شک متعہ ابتداء اسلام میں مشروع تھا لیکن پھر منسوخ ہو گیا' امام شافعی اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ دو مرتبہ متعہ مباح ہوا پھر منسوخ ہوا۔ بعض کہتے ہیں اس سے بھی زیادہ بار مباح اور منسوخ ہوا اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک بار مباح ہوا۔ پھر منسوخ ہو گیا۔ پھر مباح نہیں ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ اور چند دیگر صحابہ سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مروی ہے' حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک روایت ایسی ہی مروی ہے' ابن عباسؓ ابی بن کعبؓ سعید بن جبیرؒ اور سدیؒ سے مِنْهُنَّ کے بعد اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى کی قرات مروی ہے' مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ آیت نکاح متعہ کی بابت نازل ہوئی ہے' لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں اور اس کا بہترین فیصلہ بخاری و مسلم کی حضرت علی والی روایت کر دیتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر والے دن نکاح متعہ سے اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا۔ اس حدیث کے الفاظ کتب احکام میں مقرر ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے غزوہ میں وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا' اے لوگو میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی رخصت دی تھی' یاد رکھو بے شک اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے۔ جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو تو اسے چاہئے کہ اسے چھوڑ دے اور تم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہو اس میں سے ان سے کچھ نہ لو۔

صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ؐ نے حجتہ الوداع میں یہ فرمایا تھا' یہ حدیث کئی الفاظ سے مروی ہے' جن کی تفصیل

کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں۔ پھر فرمایا کہ تقرر کے بعد بھی اگر تم بہ رضا مندی کچھ طے کر لو تو کوئی حرج نہیں۔ اگلے جملے کو متعہ پر محمول کرنے والے تو اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گزر جائے' پھر مدت کو بڑھا لینے اور جو دیا ہو' اس کے علاوہ اور کچھ دینے میں کوئی گناہ نہیں۔

سدیؒ کہتے ہیں' اگر چاہے تو پہلے کے مقرر مہر کے بعد جو دے چکا ہے' وقت کے ختم ہونے سے پیشتر پھر کہہ دے کہ میں اتنی اتنی مدت کے لئے پھر متعہ کرتا ہوں' پس اگر اس نے رحم کی پاکیزگی سے پہلے دن بڑھا لئے تو جب مدت پوری ہو جائے تو پھر اس کا کوئی دباؤ نہیں۔ وہ عورت الگ ہو جائے گی اور حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کر لے گی۔ ان دونوں میں میراث نہیں نہ یہ عورت اس مرد کی وارث۔ نہ یہ مرد اس عورت کا' اور جن حضرات نے اس جملہ کو نکاح مسنون کے مہر کے مصداق کہا ہے' ان کے نزدیک تو مطلب صاف ہے کہ اس مہر کی ادائیگی تاکیداً بیان ہو رہی ہے۔ جیسے فرمایا' مہر بہ آسانی اور بہ خوشی دے دیا کرو' اگر مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد عورت اپنے پورے حق کو یا تھوڑے سے حق کو چھوڑ دے' معاف کر دے' اس سے دستبردار ہو جائے تو میاں بیوی میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں۔ حضرت حضرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ مہر مقرر کر دیتے ہیں۔ پھر ممکن ہے کہ تنگی ہو جائے تو اگر عورت اپنا حق چھوڑ دے تو جائز ہے' امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' مراد یہ ہے کہ مہر کی رقم پوری پوری اس کے حوالے کر دے۔ پھر اسے بسنے اور الگ ہونے کا پورا پورا اختیار دے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ علیم و حکیم ہے' ان احکام میں جو حلت و حرمت کے متعلق ہیں' جو حکمتیں ہیں اور جو مصلحتیں ہیں انہیں وہی بخوبی جانتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَي الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع۳

اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی پوری وسعت و طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کر لے) اللہ تمہارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے' تم سب آپس میں ایک ہی ہو' تو ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لو اور قاعدے کے مطابق ان کے مہر انہیں دو۔ وہ پاک دامن ہوں نہ اعلانیہ بدکاری کرنے والیاں نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں' جب یہ لونڈیاں نکاح میں آ گئیں' پھر اگر بے حیائی کا کام کریں تو انہیں آدھی سزا ہے اس سزا کی جو آزاد عورتوں پر ہے۔ کنیزوں کے نکاح کا حکم تم میں سے ان کے لئے ہے جنہیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو اور تمہارا ضبط کرنا بہت بہتر ہے' اللہ تعالیٰ بڑا

بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے ○

آزاد عورتوں سے نکاح اور کنیزوں سے متعلق ہدایات: ☆☆ (آیت:۲۵) ارشاد ہوتا ہے کہ جسے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی وسعت وقدرت نہ ہو' ربیعہ فرماتے ہیں طَوْلُ سے مراد قصد وخواہش یعنی لونڈی سے نکاح کی خواہش' ابن جریرؒ نے اس قول کو وارد کر کے پھر اسے خود ہی توڑ دیا ہے۔ مطلب یہ کہ ایسے حالات میں مسلمانوں کی ملکیت میں جو لونڈیاں ہیں' ان سے وہ نکاح کر لیں' تمام کاموں کی حقیقت اللہ تعالیٰ پر واضح ہے' تم حقائق کو صرف سطحی نگاہ سے دیکھتے ہو' تم سب آزاد اور غلام ایمانی رشتے میں ایک ہو' لونڈی کا ولی اس کا سردار ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح منعقد نہیں ہو سکتا' اسی طرح غلام بھی اپنے سردار کی رضامندی حاصل کئے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتا۔ حدیث میں ہے جو غلام بغیر اپنے آقا کی اجازت کے اپنا نکاح کر لے' وہ زانی ہے' ہاں اگر کسی لونڈی کی مالکہ کوئی عورت ہو تو اس کی اجازت سے اس لونڈی کا نکاح وہ کرائے جو عورت کا نکاح کرا سکتا ہے' کیونکہ حدیث میں ہے عورت عورت کا نکاح نہ کرائے نہ عورت اپنا نکاح کرائے۔ وہ عورتیں زناکار ہیں جو اپنا نکاح آپ کرتی ہیں۔

پھر فرمایا عورتوں کے مہر خوشدلی سے دے دیا کرو' گھٹا کر' کم کر کے' تکلیف پہنچا کر' لونڈی سمجھ کر' کمی کر کے نہ دو۔ پھر فرماتا ہے کہ دیکھ لیا کرو یہ عورتیں بدکاری کی طرف از خود مائل نہ ہوں نہ ایسی ہوں کہ اگر کوئی ان کی طرف مائل ہو تو یہ جھک جائیں یعنی نہ تو اعلانیہ زناکار ہوں نہ خفیہ بدکردار ہوں کہ ادھر ادھر آشنائیاں کرتی پھریں اور چپ چاپ دوست آشنا بناتی پھریں۔ جو ایسی بد اطوار ہوں' ان سے نکاح کرنے کو اللہ تعالیٰ منع فرما رہا ہے اُحْصِنَّ کی دوسری قرات اَحْصَنَّ بھی ہے' کہا گیا ہے کہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے' یہاں احصان سے مراد اسلام ہے یا نکاح والی ہو جانا ہے' ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان کا احصان اسلام اور عفت ہے لیکن یہ حدیث منکر ہے۔ اس میں ضعف بھی ہے اور ایک راوی کا نام نہیں' ایسی حدیث حجت کے لائق نہیں ہوتی۔ دوسرا قول یعنی احصان سے مراد نکاح ہے۔ حضرت ابن عباسؓ' مجاہدؒ' عکرمہؒ' طاؤسؒ' سعید بن جبیرؒ' حسنؒ' قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ابو علی طبری نے اپنی کتاب ایضاح میں یہی نقل کیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں لونڈی کا محصن ہونا یہ ہے کہ کسی آزاد کے نکاح میں چلی جائے' اسی طرح غلام کا احصان یہ ہے کہ وہ کسی آزاد مسلمہ سے نکاح کر لے۔

ابن عباسؓ سے بھی یہ منقول ہے' شعبیؒ اور نخعیؒ بھی یہی کہتے ہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں قراتوں کے اعتبار سے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ اُحْصِنَّ سے مراد تو نکاح ہے اور اَحْصَنَّ سے مراد اسلام ہے' امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن بظاہر مراد یہاں نکاح کرنا ہے۔ واللہ اعلم' اس لئے کہ سیاق آیات کی دلالت اسی پر ہے ایمان کا ذکر تو لفظوں میں موجود ہے۔ بہر دو صورت جمہور کے مذہب کے مطابق آیت کے معنی میں بھی اشکال باقی ہے اس لئے کہ جمہور کا قول ہے کہ لونڈی کو زنا کی وجہ سے پچاس کوڑے لگائے جائیں گے خواہ وہ مسلمہ ہو یا کافرہ ہو' شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو' باوجودیکہ آیت کے مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ غیر محصنہ لونڈی پر حد ہی نہ ہو پس اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جمہور کا قول ہے کہ بے شک ''جو بولا گیا'' مفہوم پر مقدم ہے اس لئے ہم نے ان عام احادیث کو جن میں لونڈیوں کو حد مارنے کا بیان ہے' اس آیت کے مفہوم پر مقدم کیا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے خطبے میں فرمایا' لوگو اپنی لونڈیوں پر حدیں قائم رکھو خواہ وہ محصنہ ہوں' یا نہ ہوں' رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی لونڈی کے زنا پر حد مارنے کو فرمایا' چونکہ وہ نفاس میں تھی' اس لئے مجھے ڈر لگا کہ کہیں حد کے کوڑے لگنے سے یہ مر نہ جائے چنانچہ میں نے اس وقت اسے حد نہ لگائی اور حضور کی خدمت میں واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا'

تم نے اچھا کیا جب تک وہ ٹھیک ٹھاک نہ ہو جائے حد نہ مارنا''۔

مسند احمد میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' جب یہ نفاس سے فارغ ہو تو اسے پچاس کوڑے لگانا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' میں نے حضورؐ سے سنا فرماتے تھے جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور زنا ظاہر ہو جائے تو اسے وہ حد مارے اور برا بھلا نہ کہے پھر اگر دوبارہ زنا کرے تو بھی حد لگائے اور ڈانٹ جھڑک نہ کرے۔ پھر اگر تیسری مرتبہ زنا کرے اور ظاہر ہو تو اسے بیچ ڈالے اگرچہ ایک رسی کے ٹکڑے کے بدلے ہی ہو۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب تین بار یہ فعل اس سے سرزد ہو تو چوتھی دفعہ فروخت کر ڈالے۔ عبداللہ بن عباش بن ابو ربیعہ فخرومی فرماتے ہیں کہ ہم چند قریشی نوجوانوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امارت کی لونڈیوں سے کئی ایک پر حد جاری کرنے کو فرمایا۔ ہم نے انہیں زنا کی حد میں پچاس پچاس کوڑے لگائے۔ دوسرا جواب ان کا ہے جو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ لونڈی پر احصان بغیر حد نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ مارنا صرف بطور ادب سکھانے اور باز رکھنے کے ہے۔ ابن عباسؓ اسی طرف گئے ہیں۔ طاؤس' سعید' ابو عبید داؤد ظاہری رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ان کی بڑی دلیل مفہوم آیت ہے اور یہ شرط کے مفہوموں میں سے ہے اور اکثر کے نزدیک یہ محض حجت ہے اس لئے ان کے نزدیک ایک عموم پر مقدم ہو سکتا ہے اور ابو ہریرہ اور زید بن خالد کی حدیث جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ جب لونڈی زنا کرے اور وہ محصنہ نہ ہو یعنی اس کا نکاح نہ ہوا ہو تو کیا کیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا' اگر وہ زنا کرے تو اسے حد لگاؤ' پھر زنا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ' پھر بیچ ڈالو گو ایک رسی کے ٹکڑے کے قیمت ہی پر کیوں نہ بیچنا پڑے' راوی حدیث ابن شہابؒ فرماتے ہیں' میں نہیں جانتا کہ تیسری مرتبہ کے بعد یہ فرمایا یا چوتھی مرتبہ کے بعد۔

پس اس حدیث کے مطابق وہ جواب دیتے ہیں کہ دیکھو یہاں کی حد کی مقدار اور کوڑوں کی تعداد بیان نہیں فرمائی جیسے کہ محصنہ کے بارے میں صاف فرما دیا ہے اور جیسے کہ قرآن میں مقرر طور پر فرمایا گیا کہ محصنات کی نسبت نصف حد ان پر ہے۔ پس آیت وحدیث میں اس طرح تطبیق دینا واجب ہو گئی۔ واللہ اعلم۔ اس سے بھی زیادہ صراحت والی وہ روایت ہے جو سعید بن منصور نے بروایت ابن عباسؓ نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی لونڈی پر حد نہیں جب تک کہ وہ احصان والی نہ ہو جائے یعنی جب تک نکاح والی نہ ہو جائے پس جب خاوند والی بن جائے تو اس پر آدھی حد ہے بہ نسبت اس حد کے جو آزاد نکاح والیوں پر ہے۔ یہ حدیث ابن خزیمہ میں بھی ہے لیکن وہ فرماتے ہیں' اسے مرفوع کہنا خطا ہے' یہ موقوف ہے یعنی حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ بیہقی میں بھی یہ روایت ہے اور آپ کا بھی یہی فیصلہ ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ والی حدیثیں ایک واقعہ کا فیصلہ ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث دوسرے واقعہ کا فیصلہ ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث کے بھی کئی جوابات ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ محمول ہے اس لونڈی پر جو شادی شدہ ہو۔ اس طرح ان دونوں احادیث میں تطبیق اور جمع ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ اس حدیث میں لفظ حد کسی راوی کا داخل کیا ہوا ہے اور اس کی دلیل جواب کا فقرہ ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دو صحابیوں کی ہے اور وہ حدیث صرف ایک صحابی کی ہے اور ایک والی پر دو والی مقدم ہے اور اسی طرح یہ حدیث نسائی میں بھی مروی ہے اور مسلم کی شرط پر اس کی سند ہے کہ حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا سے جو بدری صحابیؓ تھے' روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ۔ پھر جب زنا کرے تو کوڑے مارو پھر جب زنا کرے تو کوڑے لگاؤ۔ پھر جب زنا کرے تو بیچ دو اگرچہ ایک رسی کے ٹکڑے بدلے ہی بیچنا پڑے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ بھی بعید نہیں کہ کسی راوی نے جلد کو حد خیال کر لیا ہو یا لفظ حد کا اطلاق کر دیا ہو اور اس نے جلد کو حد خیال کر لیا ہو یا لفظ حد کا اطلاق تادیب کے طور پر سزا دینے پر کر دیا ہو جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس سزا پر بھی کیا گیا ہے' جو بیمار زانی کو کھجور کا ایک خوشہ مارا گیا تھا جس میں ایک سو چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں اور جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس شخص پر بھی کیا گیا ہے

جس نے اپنی بیوی کی اس لونڈی کے ساتھ زنا کیا جسے بیوی نے اس کے لئے حلال کر دیا تھا حالانکہ اسے سو کوڑوں کا لگنا تعزیر کے طور پر صرف ایک سزا ہے جیسے کہ امام احمد وغیرہ سلف کا خیال ہے۔ حد حقیقی صرف یہ ہے کہ کنوارے کو سو کوڑے اور بیاہے ہوئے کو رجم۔ واللہ اعلم۔

ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت سعید بن جبیرؒ کا فرمان ہے کہ لونڈی نے جب تک نکاح نہیں کیا' اسے زنا پر مارا نہ جائے' اس کی اسناد تو صحیح ہے لیکن معنی دو ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بالکل مارا ہی نہ جائے نہ حد نہ اور کچھ' تو یہ قول بالکل غریب ہے' ممکن ہے آیت کے الفاظ پر نظر کر کے یہ فتویٰ دے دیا ہو اور حدیث نہ پہنچی ہو۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ حد کے طور پر نہ مارا جائے۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو اس کے خلاف نہیں کہ اور کوئی سزا کی جائے۔ پس یہ قیاس حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کے فتوے کے مطابق ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں دلالت ہے کہ محصنہ لونڈی پر بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی حد ہے لیکن محصنہ ہونے سے پہلے کتاب و سنت کے عموم میں یہ بھی شامل ہے کہ اسے بھی سو کوڑے مارے جائیں جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ یعنی زناکار عورت زناکار مرد کو ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور جیسے حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' میری بات لے لو' میری بات سمجھ لو' اللہ نے ان کے لئے راستہ نکال لیا۔ اگر دونوں جانب غیر شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور اگر دونوں طرف شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور پتھروں سے رجم کر دینا۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف کی ہے اور اسی طرح کی اور حدیثیں بھی ہیں۔

حضرت داؤد بن علی ظاہریؒ کا یہی قول ہے لیکن یہ سخت ضعیف ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے محصنہ لونڈیوں کو بہ نسبت آزاد کے آدھے کوڑے مارنے کا عذاب بیان فرمایا یعنی پچاس کوڑے تو پھر جب تک وہ محصنہ نہ ہوں' اس سے بھی زیادہ سزا کی سزا اور وہ کیسے ہو سکتی ہیں؟ حالانکہ قاعدہ شریعت یہ ہے کہ احصان سے پہلے کم سزا ہے اور احصان کے بعد زیادہ سزا ہے۔ پھر اس کے برعکس کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ دیکھئے شارع علیہ السلام سے آپ کے صحابہ غیر شادی شدہ لونڈی کے زنا کی سزا پوچھتے ہیں اور آپ انہیں جواب دیتے ہیں کہ اسے کوڑے مارو لیکن یہ نہیں فرماتے کہ ایک سو کوڑے لگاؤ' پس اگر اس کا حکم وہی ہوتا جو داؤدؒ سمجھتے ہیں تو اسے بیان کر دینا حضورؐ پر واجب تھا۔ اس لئے کہ ان کا یہ سوال تو صرف اسی وجہ سے تھا کہ لونڈی کے شادی شدہ ہو جانے کے بعد اسے کوڑے مارنے کا بیان نہیں ورنہ اس قید کے لگانے کی کیا ضرورت تھی کہ سوال میں کہتے۔ وہ غیر شادی شدہ ہے کیونکہ پھر شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں کوئی فرق ہی نہ رہا۔ اگر یہ آیت اتری ہوئی نہ ہوتی لیکن چونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ایک کا علم تو انہیں ہو چکا تھا اس لئے دوسری کی بابت سوال کیا اور حضورؐ سے آپ پر درود پڑھنے کی نسبت پوچھا تو آپ نے اسے بیان فرمایا اور فرمایا سلام تو اسی طرح ہے جس طرح تم خود جانتے ہو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا نازل ہوا اور صلوٰۃ و سلام آپ پر بھیجنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو صحابہؓ نے کہا کہ سلام کا طریقہ اور اس کے الفاظ تو ہمیں معلوم ہیں' صلوٰۃ کی کیفیت بیان فرمائیں۔ پس ٹھیک اسی طرح یہ سوال ہے۔ مفہوم آیت کا چوتھا جواب ابو ثورؒ کا ہے جو داؤدؒ کے جواب سے زیادہ بودا ہے' وہ فرماتے ہیں جب لونڈیاں شادی شدہ ہو جائیں تو ان کی زناکاری کی حد ان پر آدھی ہے۔ اس حد کی جو شادی شدہ آزاد عورتوں کی زناکاری کی حد تو ظاہر ہے کہ آزاد عورتوں کی حد اس صورت میں رجم ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رجم آدھا نہیں ہو سکتا تو لونڈی کو اس صورت میں رجم کرنا پڑے گا اور شادی سے پہلے اسے پچاس کوڑے لگیں گے کیونکہ اس حالت میں آزاد عورت پر سو کوڑے ہیں۔

پس دراصل آیت کا مطلب سمجھنے میں اس سے خطا ہوئی اور اس میں جمہور کا بھی خلاف ہے بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں' کسی مسلمان کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ مملوک پر زنا کی سزا میں رجم ہے ہی نہیں' اس لئے کہ آیت کی دلالت کرتی ہے کہ ان پر

محصنات کا نصف عذاب ہے اور محصنات کے لفظ میں جو الف لام ہے وہ عہد کا ہے یعنی وہ محصنات جن کا بیان آیت کے شروع میں ہے' اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ میں گزر چکا ہے اور مراد صرف آزاد عورتیں ہیں- اس وقت یہاں آزاد عورتوں کے نکاح کے مسئلہ کی بحث نہیں- بحث یہ ہے کہ پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ ان پر زناکاری کو جو حد سزا تھی اس سے آدھی سزا ان لونڈیوں پر ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اس سزا کا ذکر ہے جو آدھی ہو سکتی ہو اور وہ کوڑے ہیں کہ سو سے آدھے پچاس رہ جائیں گے- رجم یعنی سنگسار کرنا ایسی سزا ہے جس کے حصے نہیں ہو سکتے- واللہ اعلم-

پھر مسند احمد میں ایک واقعہ ہے جو ابو ثور کے مذہب کی پوری تردید کرتا ہے' اس میں ہے کہ اس میں صفیہ لونڈی نے ایک غلام سے زناکاری کی اور اسی زنا سے بچہ ہوا جس کا دعویٰ زانی نے کیا- مقدمہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا- آپ نے حضرت علیؓ کو اس کا تصفیہ سونپا' علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے- بچہ تو اس کا سمجھا جائے گا جس کی یہ لونڈی ہے اور زانی کو پتھر مارے جائیں گے- پھر ان دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد مفہوم سے تنبیہ ہے- اعلیٰ کے ساتھ ادنیٰ پر یعنی جبکہ وہ شادی شدہ ہوں تو ان پر بہ نسبت آزاد عورتوں کے آدھی حد ہے- پس ان پر رجم تو سرے سے کسی صورت میں ہے ہی نہیں نہ قبل از نکاح نہ بعد نکاح' دونوں حالتوں میں صرف کوڑے ہیں جس کی دلیل حدیث ہے' صاحب مصباح یہی فرماتے ہیں اور حضرت امام شافعیؒ سے بھی اسی کو ذکر کرتے ہیں' امام بیہقی اپنی کتاب سنن و آثار میں بھی اسے لائے ہیں لیکن یہ قول لفظ آیت سے بہت دور ہے- اس طرح کہ آدھی حد کی دلیل صرف آیت ہے- اس کے سوا کچھ نہیں پس اس کے علاوہ میں آدھا ہونا کس طرح سمجھا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ شادی شدہ ہونے کی حالت میں صرف امام ہی حد قائم کر سکتا ہے- اس لونڈی کا مالک اس حال میں اس پر حد جاری نہیں کر سکتا- امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے- ہاں شادی سے پہلے اس کے مالک کو حد جاری کرنے کا اختیار ہے بلکہ حکم ہے لیکن دونوں صورتوں میں حد ہی آدھی رہے گی اور یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ آیت میں اس کی دلالت بھی نہیں' اور اگر یہ آیت نہ ہوتی تو ہم نہیں جان سکتے تھے کہ لونڈیوں کے بارے میں آدھی حد ہے اور اس صورت میں انہیں بھی عموم میں داخل کر کے پوری حد یعنی سو کوڑے اور رجم ان پر بھی جاری کرنا واجب ہو جاتا جیسے کہ عام روایتوں سے ثابت ہے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لوگو اپنے ماتحتوں پر حدیں جاری کرو' شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ اور وہ عام حدیثیں جو پہلے گزر چکی ہیں جن میں خاوندوں والی اور خاوندوں کے بغیر کوئی تفصیل نہیں' حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت والی حدیث جس سے جمہور نے دلیل پکڑی ہے' یہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی زنا کرے اور پھر اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اس پر حد جاری کرے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے (ملخص)- الغرض لونڈی کی زناکاری کی حد میں کئی قول ہیں- ایک تو یہ کہ جب تک اس کا نکاح نہیں ہوا' اسے پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور نکاح ہو جانے کے بعد بھی یہی حد رہے گی اور اسے جلاوطن بھی کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ جلاوطنی ہوگی' دوسرے یہ کہ نہ ہوگی- تیسرے یہ کہ جلاوطنی میں آدھے سال کو ملحوظ رکھ جائے گا یعنی چھ مہینے کا دیس نکالا دیا جائے گا' پورے سال کا نہیں' پورا سال آزاد عورتوں کے لئے ہے-

یہ تینوں قول امام شافعیؒ کے مذہب میں ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جلاوطنی تعزیر کے طور پر ہے- وہ حد میں سے نہیں' امام کی رائے پر موقوف ہے اگر چاہے جلاوطنی دے یا نہ دے' مرد و عورت سب اسی حکم میں داخل ہیں' ہاں امام مالکؒ کے مذہب میں ہے کہ جلاوطنی صرف مردوں کے لئے ہے' عورتوں پر نہیں اس لئے کہ جلاوطنی صرف اس کی حفاظت کے لئے ہے اور اگر عورت کو جلاوطن کیا گیا تو حفاظت

میں سے نکل جائے گی اور مردوں یا عورتوں کے بارے میں دیس نکالے کی حدیث صرف حضرت عبادہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے ہی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس زانی کے بارے میں جس کی شادی نہیں ہوئی تھی حد مارنے اور ایک سال دیس نکالا دینے کا حکم فرمایا تھا (بخاری) اس سے معنی مراد یہی ہے کہ اس کی حفاظت رہے اور عورت کو وطن سے نکال جانے میں یہ حفاظت بالکل ہی نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لونڈی کو اس کی زناکاری پر شادی کے بعد پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور ادب سکھانے کے طور پر اسے کچھ مار پیٹ کی جائے گی لیکن اس کی کوئی مقرر گنتی نہیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ شادی سے پہلے اسے مارا نہ جائے گا جیسے حضرت سعید بن مسیبؒ کا قول ہے لیکن اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ سرے سے کچھ مارنا ہی نہ چاہئے تو یہ محض تاویل ہی ہوگی ورنہ قول ثانی میں اسے داخل کیا جا سکتا ہے جو یہ ہے کہ شادی سے پہلے سو کوڑے اور شادی کے بعد پچاس جیسے کہ داؤد کا قول ہے اور یہ تمام اقوال سے بودا قول ہے اور یہ کہ شادی سے پہلے پچاس کوڑے اور شادی کے بعد رجم جیسے کہ ابوثور کا قول ہے لیکن یہ قول بھی بودا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

پھر فرمان ہے کہ لونڈیوں سے نکاح کرنا ان شرائط کی موجودگی میں جو بیان ہوئیں ان کے لئے جنہیں زنا میں واقع ہونے کا خطرہ ہو اور تجرد اس پر بہت شاق گزر رہا ہو اور اس کی وجہ سے سخت تکلیف میں ہو تو بیشک اسے پاکدامن لونڈیوں سے نکاح کر لینا جائز ہے گو اس حالت میں بھی اپنے نفس کو روکے رکھنا اور ان سے نکاح نہ کرنا بہت بہتر ہے اس لئے کہ اس سے جو اولاد ہوگی وہ اس کے مالک کی لونڈی غلام ہوگی۔ ہاں اگر خاوند غریب ہو تو اس کی یہ اولاد اس کے آقا کی ملکیت امام شافعیؒ کے قول قدیم کے مطابق نہ ہوگی۔

پھر فرمایا اگر تم صبر کرو تو تمہارے لئے افضل ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ جمہور علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے نکاح جائز ہے لیکن یہ اس وقت جب آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو اور نہ ہی رکے رہنے کی طاقت ہو بلکہ زنا واقع ہو جانے کا خوف ہو۔ کیونکہ اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اولاد غلامی میں جاتی ہے۔ دوسرے ایک طرح ہے کہ آزاد عورت کو چھوڑ کر لونڈیوں کی طرف متوجہ ہونا۔ ہاں جمہور کے مخالف امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں یہ دونوں باتیں شرط نہیں بلکہ جس کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہ ہو اسے لونڈی سے نکاح جائز ہے۔ وہ لونڈی خواہ مومنہ ہو خواہ اہل کتاب میں سے ہو۔ چاہے اسے آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت بھی ہو اور اسے بدکاری کا خوف بھی نہ ہو اس کی بڑی دلیل یہ آیت وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ یعنی آزاد عورتیں ان میں سے جو تم سے پہلے کتاب اللہ دیئے گئے۔ پس وہ کہتے ہیں یہ آیت عام ہے جس میں آزاد اور غیر آزاد سب ہی شامل ہیں اور محصنات سے مراد پاکدامن باعصمت عورتیں ہیں لیکن اس کی ظاہری دلالت بھی اسی مسئلہ پر ہے جو جمہور کا مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۟ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے خوب کھول کر بیان کرے اور تمہیں تم سے پہلے (نیک) لوگوں کی راہ چلائے اور تم پر اپنی رحمت لوٹائے' اللہ تعالیٰ پورے علم و حکمت والا ہے O اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ خواہشات کے پیرو ہیں O وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے بالکل تخفیف کر دے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے O

پچاس سے پانچ نمازوں تک: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۸) فرمان ہوتا ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ ارادہ کر چکا ہے کہ حلال و حرام تم پر کھول کھول کر بیان فرما دے جیسے کہ اس سورۃ میں اور دوسری سورتوں میں اس نے بیان فرمایا۔ وہ چاہتا ہے کہ سابقہ لوگوں کی قابل تعریف راہیں تمہیں سمجھا دے تاکہ تم بھی اس کی اس شریعت پر عمل کرنے لگ جاؤ جو اس کی محبوب اور اس کی پسندیدہ ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرما لے۔ جس گناہ سے' جس حرام کاری سے تم توبہ کرو' وہ فوراً قبول فرما لیتا ہے۔

وہ علم و حکمت والا ہے' اپنی شریعت' اپنے اندازے' اپنے کام اور اپنے فرمان میں وہ صحیح علم اور کامل حکمت رکھتا ہے۔ خواہش نفسانی کے پیروکار یعنی شیطانوں کے غلام یہود و نصاریٰ اور بدکار لوگ تمہیں حق سے ہٹانا اور باطل کی طرف جھکانا چاہتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے حکم احکام میں یعنی روکنے اور ہٹانے میں شریعت اور اندازہ مقرر کرنے میں تمہارے لئے آسانیاں چاہتا ہے اور اسی بناء پر چند شرائط کے ساتھ اس نے لونڈیوں سے نکاح کر لینا تم پر حلال کر دیا۔ انسان چونکہ پیدائشی کمزور ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام میں کوئی سختی نہیں رکھی۔ یہ فی نفسہ بھی کمزور' اس کے ارادے اور حوصلے بھی کمزور' یہ عورتوں کے بارے میں بھی کمزور' یہاں آ کر بالکل بے وقوف بن جانے والا۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ سے لوٹے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت کیا کہ آپ پر کیا فرض کیا گیا؟ فرمایا' ہر دن رات میں پچاس نمازیں تو کلیم اللہ نے فرمایا' واپس جائیے اور اللہ کریم سے تخفیف طلب کیجئے۔ آپ کی امت میں اس کی طاقت نہیں۔ میں اس سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں' وہ اس سے بہت کم میں گھبرا گئے تھے اور آپ کی امت تو کانوں' آنکھوں اور دل کی کمزوری میں ان سے بھی بڑھی ہوئی ہے چنانچہ آپ واپس گئے' دس معاف کرا لائے' پھر بھی یہی باتیں ہوئیں' پھر گئے' پھر دس ہوئیں یہاں تک کہ آخری مرتبہ پانچ رہ گئیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ مگر یہ کہ ہو خرید و فروخت تمہاری آپس کی رضامندی سے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے O

خرید و فروخت اور اسلامی قواعد و ضوابط؟ ☆☆ (آیت:۲۹) اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ایک دوسرے کے مال باطل کے ساتھ کھانے کی ممانعت فرما رہا ہے خواہ اس کمائی کے ذریعہ سے ہو جو شرعاً حرام ہے جیسے سود خوری' قمار بازی اور ایسے ہی ہر طرح کی حیلہ سازی چاہے اسے جواز کی شرعی صورت دے دی ہو۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص کپڑا خریدتا ہے اور کہتا ہے اگر مجھے پسند آیا تو رکھ لوں گا ورنہ کپڑا اور ایک درہم واپس کر دوں گا۔ آپ نے اس آیت کی تلاوت کر دی یعنی

اسے باطل مال میں شامل کیا۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' یہ آیت محکم ہے یعنی منسوخ نہیں نہ قیامت تک منسوخ ہو سکتی ہے' آپ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو مسلمانوں نے ایک دوسرے کے ہاں کھانا چھوڑ دیا جس پر یہ آیت لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی اتری تِجَارَۃً کو تِجَارَۃٌ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ استثنا منقطع ہے گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ حرمت والے اسباب سے مال نہ لو۔ ہاں شرعی طریق پر تجارت سے نفع اٹھانا جائز ہے جو خریدار اور بیچنے والے کی باہم رضامندی سے ہو۔ جیسے دوسری جگہ ہے کہ کسی بے گناہ جان کو نہ مارو ہاں حق کے ساتھ ہو تو جائز ہے اور جیسے دوسری آیت میں ہے' وہاں موت نہ چکھیں گے مگر پہلی بار کی موت۔ حضرت امام شافعیؒ اس آیت سے استدلال کر کے فرماتے ہیں' خرید و فروخت بغیر قبولیت کے صحیح نہیں ہوتی اس لئے کہ رضامندی کی پوری سند یہی ہے۔ گو صرف لین دین کر لینا کبھی کبھی رضامندی پر پوری دلیل نہیں بن سکتا اور جمہور اس کے برخلاف ہیں' تینوں اور اماموں کا قول ہے' جس طرح زبانی بات چیت رضامندی کی دلیل ہے' اسی طرح لین دین بھی رضامندی کی دلیل ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں' کم قیمت کی معمولی چیزوں میں تو صرف دینا لینا ہی کافی ہے اور اسی طرح بیوپار کا جو طریقہ بھی ہو لیکن صحیح مذہب میں احتیاطی نظر سے تو بات چیت میں قبولیت کا ہونا اور بات ہے۔ واللہ اعلم۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں' خرید و فروخت ہو یا بخشش ہو' سب کے لئے حکم شامل ہے۔ ابن جریرؒ کی مرفوع حدیث میں ہے' تجارت ایک دوسرے کی رضامندی سے ہی لین دین کرنے کا نام ہے گویا کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو تجارت کے نام سے دھوکہ دے' یہ حدیث مرسل ہے' پوری رضامندی میں مجلس کے خاتمہ تک کا اختیار بھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں دونوں بائع مشتری جب تک جدا نہ ہوں بااختیار ہیں۔ بخاری شریف میں ہے' جب دو شخص خرید و فروخت کریں تو دونوں کو الگ الگ ہونے تک مکمل اختیار ہوتا ہے۔ اسی حدیث کے مطابق امام احمدؒ امام شافعیؒ اور ان کے سب ساتھیوں جمہور سلف و خلف رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے اور اس پوری رضامندی میں شامل ہے۔ خرید و فروخت کے تین دن بعد تک اختیار دینا رضامندی میں شامل ہے بلکہ یہ مدت گاؤں کی رسم کے مطابق سال بھر کی بھی ہو سکتی ہے' امام مالکؒ کے نزدیک صرف لین دین سے ہی بیع صحیح ہو جاتی ہے۔ شافعی مذہب کا بھی یہی خیال ہے اور ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ معمولی کم قیمت چیزوں میں جنہیں لوگ بیوپار کے لئے رکھتے ہوں' صرف لین دین ہی کافی ہے۔ بعض اصحاب کا اختیار سے مراد یہی ہے جیسے کہ متفق علیہ ہے۔

پھر فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ حرام کاموں کا ارتکاب کر کے اور اس کی نافرمانیاں کر کے اور ایک دوسرے کا بے جا طور پہ پر پہ مال کھا کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو' اللہ تم پر رحیم ہے' ہر حکم اور ہر ممانعت رحمت والی ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

اور جو شخص کرے گا یہ سرکشی اور ظلم تو عنقریب ہم اس کو داخل کریں گے آگ میں اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے ○ اگر تم بچتے رہو گے ان بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کر دیں گے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کریں گے ○

احترام زندگی: ☆☆ (آیت:۳۰-۳۱) مسند احمد ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذات السلاسل والے سال رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا۔ آپ فرماتے ہیں مجھے ایک رات احتلام ہو گیا۔ سردی بہت سخت تھی یہاں تک کہ مجھے نہانے میں اپنی جان جانے کا خطرہ ہو گیا تو میں نے تیمم کر کے اپنی جماعت کی صبح کی نماز پڑھی۔ جب وہاں سے ہم لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس حاضر ہوئے تو میں نے یہ واقعہ کہہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا' کیا تو نے اپنے ساتھیوں کو جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھا دی؟ میں نے کہا' حضور جاڑا سخت تھا اور مجھے اپنی جان جانے کا اندیشہ تھا تو مجھے یاد پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' اپنے تئیں ہلاکت نہ کرڈالو' اللہ رحیم ہے' پس میں نے تیمم کر کے نماز صبح پڑھا دی تو آپ ہنس دیئے اور مجھے کچھ نہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ اور لوگوں نے حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تب آپ کے دریافت کرنے پر حضرت عمرو بن عاصؓ نے عذر پیش کیا۔

بخاری و مسلم میں ہے جو شخص کسی لوہے سے خودکشی کرے گا' وہ قیامت تک جہنم کی آگ میں لوہے سے خودکشی کرتا رہے گا اور جو جان بوجھ کر مرجانے کی نیت سے زہر کھالے گا' وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں زہر کھاتا رہے گا۔ اور روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے تئیں جس چیز سے قتل کرے گا' وہ قیامت والے دن اسی چیز سے عذاب کیا جائے گا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم سے پہلے کے لوگوں میں سے ایک شخص کو زخم لگے' اس نے چھری سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا' تمام خون بہہ گیا اور وہ اسی میں مر گیا تو اللہ عزوجل نے فرمایا' میرے بندے نے اپنے آپ کو فنا کرنے میں جلدی کی۔ اسی وجہ سے میں نے اس پر جنت کو حرام کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے' جو شخص بھی ظلم و زیادتی کے ساتھ حرام جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے' دلیرانہ طور سے حرام پر کاربند رہے' وہ جہنمی ہے۔ پس ہر عقل مند کو اس سخت تنبیہ سے ڈرنا چاہئے۔ دل کے کان کھول کر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سن کر حرام کاریوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف فرما دیں گے اور تمہیں جنتی بنا دیں گے۔ حضرت انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اس طرح کی کوئی اور سخت وعید نہیں ملی جس کی تعمیل میں تمہیں اپنے اہل و مال سے الگ ہو جانا چاہئے۔ پھر ہم اس کے لئے اپنے اہل و مال سے جدا نہ ہو جائیں کہ وہ ہمارے کبیرہ گناہوں کو ہمارے چھوٹے موٹے گناہوں سے معاف فرماتا ہے۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں بھی ہیں۔ تھوڑی بہت ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ مسند احمد میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ کو پیدا کیا۔ آپؐ نے فرمایا مگر اب جو میں جانتا ہوں' وہ بھی سن لو۔ جو شخص اس دن اچھی طرح غسل کر کے نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آئے اور نماز ختم ہونے تک خاموش رہے تو اس کا یہ عمل اگلے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جب تک کہ وہ قتل سے بچا۔ ابن جریرؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ سناتے ہوئے فرمایا' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تین مرتبہ یہی فرمایا' پھر سر نیچا کر لیا' ہم سب نے بھی سر نیچا کر لیا اور ہم سب رونے لگے۔ ہمارے دل کانپنے لگے کہ اللہ جانے اللہ کے رسولؐ نے کس چیز کے لئے قسم کھائی ہے اور پھر کیوں خاموشی اختیار کی ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ نے سر اٹھایا اور آپ کا چہرہ بشاش تھا جس سے ہم اس قدر خوش ہوئے کہ اگر ہمیں سرخ رنگ کے اونٹ ملتے تو بھی اس قدر خوش نہ ہوتے۔ اب آپ فرمانے لگے' جو بندہ پانچوں نمازیں پڑھے' رمضان کے روزے رکھے' زکوٰۃ ادا کرتا رہے اور سات کبیرہ گناہوں سے بچا رہے' اس کے لئے جنت کے سب دروازے کھل جائیں گے اور اسے کہا جائے گا کہ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔

سات کبیرہ گناہ: ☆☆ جن سات گناہوں کا اس میں ذکر ہے' ان کی تفصیل بخاری و مسلم میں اس طرح ہے۔ گناہوں سے بچو جو ہلاک کرنے والے ہیں۔ پوچھا گیا کہ حضور وہ کون سے گناہ ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور جس کا قتل حرام ہوا سے قتل کرنا۔ ہاں کسی شرعی وجہ سے اس کا خون حلال ہو گیا ہو تو اور بات ہے۔ جادو کرنا' سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور میدان جنگ سے کفار کے مقابلے میں پیٹھ دکھانا اور بھولی بھالی پاکدامن مسلمانوں عورتوں کو تہمت لگانا۔ ایک روایت میں جادو کے بدلے ہجرت کر کے پھر واپس اپنے دیس میں قیام کر لینا ہے۔ یہ یاد رہے کہ ان سات گناہوں کو کبیرہ کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ کبیرہ گناہ صرف یہی ہیں جیسے کہ بعض اور لوگوں کا خیال ہے جن کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر ہے۔ دراصل یہ بہت انتہائی' بے معنی قول اور غلط اصول ہے بالخصوص اس وقت جبکہ اس کے خلاف دلائل موجود ہوں اور یہاں تو صاف لفظوں میں اور کبیرہ گناہوں کا بھی ذکر موجود ہے۔ مندرجہ ذیل حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حجتہ الوداع میں رسول مقبول ﷺ نے فرمایا' لوگو! سن لو اللہ تعالیٰ کے ولی صرف نمازی ہی ہیں جو پانچوں وقت کی فرض نمازوں کو باقاعدہ بجالاتے ہیں جو رمضان شریف کے روزے رکھتے ہیں ثواب حاصل کرنے کی نیت رکھتے اور فرض جان کر ہنسی خوشی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ان تمام کبیرہ گناہوں سے دور رہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا' یا رسول اللہ وہ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ شرک' قتل' میدان جنگ سے بھاگنا' مال یتیم کھانا' سود خوری' پاکدامنوں پر تہمت لگانا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' بیت اللہ الحرام کی حرمت کو توڑنا جو زندگی اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔ سنو جو شخص مرتے دم تک ان بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا رہے اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرتا رہے' وہ نبی ﷺ کے ساتھ سونے کے محلوں میں ہو گا۔

حضرت طیسلہ بن میامن فرماتے ہیں' مجھ سے ایک گناہ ہو گیا جو میرے نزدیک کبیرہ تھا' میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو آپؓ نے فرمایا' وہ کبیرہ گناہ نہیں کبیرہ گناہ نو ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا' کسی کو بلاوجہ مار ڈالنا' میدان جنگ میں دشمنان دین کو پیٹھ دکھانا' پاکدامن عورتوں کو تہمت لگانا' سود کھانا' یتیم کا مال ظلم سے کھا جانا' مسجد حرام میں الحاد پھیلانا اور ماں باپ کو نافرمانی کے سبب رلانا' حضرت طیسلہؒ فرماتے ہیں کہ اس بیان کے بعد بھی حضرت ابن عمرؓ نے محسوس کیا کہ خوف کم نہیں ہوا تو فرمایا' کیا تمہارے دل میں جہنم کی آگ میں داخل ہونے کا ڈر اور جنت میں جانے کی چاہت ہے؟ میں نے کہا' بہت زیادہ' فرمایا' کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ میں نے کہا 'صرف والدہ حیات ہیں' فرمایا بس تم ان سے نرم کلامی سے بولا کرو اور انہیں کھانا کھلاتے رہا کرو اور ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہا کرو تو تم یقیناً جنت میں جاؤ گے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت طیسلہ بن علی نہدی حضرت ابن عمرؓ سے میدان عرفات میں عرفہ کے دن پیلو کے درخت تلے ملے تھے۔ اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سر اور چہرے پر پانی بہا رہے تھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے تہمت لگانے کا ذکر کیا تو میں نے پوچھا' کیا یہ بھی مثل قتل کے بہت بڑا گناہ ہے؟ آپؓ نے فرمایا' ہاں ہاں اور ان گناہوں کے ذکر میں جادو کا ذکر بھی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ میری ان کی ملاقات شام کے وقت ہوئی تھی اور میں نے ان سے کبائر کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کبائر سات ہیں۔ میں نے پوچھا کیا کیا؟ تو فرمایا شرک اور تہمت لگانا' میں نے کہا' کیا یہ بھی مثل خون ناحق کے ہے؟ فرمایا ہاں ہاں اور کسی مومن کو بے سبب مار ڈالنا' لڑائی سے بھاگنا' جادو اور سود خواری' مال یتیم کھانا' والدین کی نافرمانی اور بیت اللہ میں الحاد پھیلانا جو زندگی میں اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' جو اللہ کا بندہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے' نماز قائم رکھے' زکوٰۃ ادا کرے' رمضان کے

روزے رکھے اور کبیرہ گناہوں سے بچے' وہ جنتی ہے۔ ایک شخص نے پوچھا' کبائر کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا' اللہ کے ساتھ شرک کرنا' مسلمان کو قتل کرنا' لڑائی والے دن بھاگ کھڑا ہونا' ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو ایک کتاب لکھوا کر بھجوائی جس میں فرائض اور سنن کی تفصیلات تھیں۔ دیت یعنی جرمانوں کے احکام تھے اور یہ کتاب حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ اہل یمن کو بھجوائی گئی تھی۔ اس کتاب میں یہ بھی تھا کہ قیامت کے دن تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے اور ایماندار شخص کا قتل بغیر حق کے اور اللہ کی راہ میں جہاد کے میدان میں جا کر لڑتے ہوئے نامردی سے جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہونا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور ناکردہ گناہ عورتوں پر الزام لگانا اور جادو سیکھنا اور سود کھانا اور مال یتیم برباد کرنا۔ ایک اور روایت میں کبیرہ گناہوں کے بیان میں جھوٹی بات یا جھوٹی شہادت بھی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ کبیرہ گناہوں کے بیان کے وقت آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے لیکن جب یہ فرمایا کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹ بات اس وقت آپ تکیئے سے ہٹ گئے اور بڑے زور سے اس بات کو بیان فرمایا اور بار بار اسی کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے دل میں سوچا کاش اب آپ نہ دہرائیں۔ بخاری و مسلم میں ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک کرے یہ جانتے ہوئے کہ تجھے صرف اسی نے پیدا کیا ہے؟ میں نے پوچھا اس کے بعد' فرمایا یہ کہ تو اپنے بچے کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا۔ میں نے پوچھا پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے بدکاری کرے۔ پھر حضور نے یہ آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِلَّا مَنْ تَابَ تک پڑھی۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد الحرام میں حطیم کے اندر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے شراب کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا' مجھ جیسا بوڑھا بڑی عمر کا آدمی اس جگہ بیٹھ کر اللہ کے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہیں بول سکتا۔ شراب کا پینا تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔ یہ کام تمام خباثتوں کی ماں ہے' شرابی تارک نماز ہوتا ہے وہ اپنی ماں اور خالہ اور پھوپھی سے بھی بدکاری کرنے سے نہیں چوکتا' یہ حدیث غریب ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک مرتبہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر نکلا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ تو کسی کے پاس مصدقہ جواب نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ تم جا کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے دریافت کر آؤ' میں گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ سب سے بڑا گناہ شراب پینا ہے۔ میں نے واپس آ کر اس مجلس میں یہ جواب سنا دیا۔ اس پر اہل مجلس کو تسکین نہ ہوئی اور سب حضرات اٹھ کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ کے گھر چلے اور خود ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے نبی ﷺ کے سامنے ایک واقعہ بیان کیا کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک نے ایک شخص کو گرفتار کیا۔ پھر اس سے کہا کہ یا تو تو اپنی جان سے ہاتھ دھو ڈال یا ان کاموں میں سے کسی کو ایک کر یعنی یا تو شراب پی یا خون ناحق کر یا زنا کر یا سور کا گوشت کھا۔ اس غور و تفکر کے بعد اس نے جان جانے کے ڈر سے شراب کو ہلکی چیز سمجھ کر پینا منظور کر لیا۔ جب شراب پی لی تو پھر نشہ میں وہ ان تمام کاموں کو کر گزرا جن سے وہ پہلے رکا تھا۔ حضور نے یہ واقعہ گوش گزار فرما کر ہم سے فرمایا' جو شخص شراب پیتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی نمازیں چالیس رات تک قبول نہیں فرماتا اور جو شراب پینے کی عادت میں ہی مر جائے اور اس کے مثانہ میں تھوڑی سی شراب ہو' اس پر اللہ جنت کو حرام کر دیتا ہے۔ اگر شراب پینے کے بعد چالیس راتوں کے اندر اندر مرے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے' یہ حدیث غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں جھوٹی قسم کو بھی رسول اللہ ﷺ نے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے (بخاری وغیرہ) ابن حاتم میں جھوٹی قسم کے بیان

کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ جو شخص اللہ کی قسم کھا کر کوئی بات کہے اور اس نے مچھر کے پر برابر زیادتی کی اس کے دل میں ایک سیاہ داغ ہو جاتا ہے جو قیامت تک باقی رہتا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ انسان کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ لوگوں نے پوچھا حضور اپنے ماں باپ کو کوئی کیسے گالی دے گا؟ آپؐ نے فرمایا' اس طرح کہ اس نے دوسرے کے باپ کو گالی دی۔ اس نے اس کے باپ کو' اس نے اس کی ماں کو برا کہا' اس نے اس کی ماں کو۔ بخاری شریف میں ہے' سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے' لوگوں نے کہا' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ فرمایا دوسرے کے ماں باپ کو کہہ کر اپنے ماں باپ کو کہلوانا۔ صحیح حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فاسق بنا دیتا ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ اکبرا الکبائر یعنی تمام کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ کسی مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے اور ایک گالی کے بدلے دو گالیاں دینا ہے۔

ترمذی میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جس شخص نے دو نمازوں کو عذر کے بغیر جمع کیا' وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں گھسا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب جو ہمارے سامنے پڑھی گئی' اس میں یہ بھی تھا کہ دو نمازوں کو بغیر شرعی عذر کے جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے اور لڑائی کے میدان سے بھاگ کھڑا ہونا اور لوٹ کھسوٹ کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے' الغرض ظہر' عصر یا مغرب' عشاء پہلے وقت یا پچھلے وقت بغیر کسی شرعی رخصت کے جمع کر کے پڑھنا کبیرہ گناہ ہے۔ پھر جو شخص کہ بالکل ہی نہ پڑھے' اس کے گناہ کا تو کیا ٹھیک ہے؟ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ بندے اور شرک کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے' سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ ہم میں اور کافر میں فرق کرنے والی چیز نماز کا چھوڑ دینا ہے۔ جس نے اسے چھوڑا' اس نے کفر کیا۔ اور روایت میں آپ کا یہ فرمان بھی منقول ہے کہ جس نے عصر کی نماز ترک کر دی' اس کے اعمال غارت ہوئے اور حدیث میں ہے' جس سے عصر کی نماز فوت ہوئی گویا اس کا مال' اس کا اہل و عیال سبھی ہلاک ہو گئے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کبیرہ گناہ کیا کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' اللہ کے ساتھ شرک کرنا' اللہ کی نعمت اور اس کی رحمت سے ناامید ہونا اور اس کی خفیہ تدبیروں سے بے خوف ہو جانا اور یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ اسی کے مثل ایک روایت اور بھی بزار میں مروی ہے لیکن زیادہ ٹھیک یہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے' ابن مردویہ میں ہے' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں سب سے کبیرہ گناہ اللہ عزوجل کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے' یہ روایت بہت ہی غریب ہے' پہلے وہ حدیث بھی گزر چکی ہے' جس میں ہجرت کے بعد کفرستان میں آ کر بسنے کو بھی کبیرہ گناہ فرمایا ہے۔ یہ حدیث ابن مردویہ میں ہے۔ سات کبیرہ گناہوں میں اسے بھی گنا گیا ہے لیکن اس کی اسناد میں اختلاف ہے اور اسے مرفوع کہنا بالکل غلط ہے۔ ٹھیک بات وہی ہے جو تفسیر ابن جریرؒ میں مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفے کی مسجد میں ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ سنا رہے تھے جس میں فرمایا' لوگو کبیرہ گناہ سات ہیں۔ اسے سن کر لوگ چیخ اٹھے۔ آپ نے اسی کو پھر دہرایا۔ پھر دہرایا۔ پھر فرمایا۔ تم مجھ سے ان کی تفصیل کیوں نہیں پوچھتے؟ لوگوں نے کہا امیر المومنین فرمایئے وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا' اللہ کے ساتھ شرک کرنا جس جان کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اسے مار ڈالنا' پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا' یتیم کا مال کھانا' سود خوری کرنا' لڑائی کے دن پیٹھ دکھانا' اور ہجرت کے بعد پھر دارالکفر میں آ بسنا۔

راوی حدیث حضرت محمد بن سہلؒ نے اپنے والد حضرت سہل بن خثیمہؒ سے پوچھا کہ اسے کبیرہ گناہوں میں کیسے داخل کیا تو جواب ملا کہ پیارے بچے اس سے بڑھ کر ستم کیا ہو گا کہ ایک شخص ہجرت کر کے مسلمانوں میں ملے۔ مال غنیمت میں اس کا حصہ مقرر ہو جائے۔ مجاہدین

میں اس کا نام درج کر دیا جائے۔ پھر وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر اعرابی بن جائے اور دار الکفر میں چلا جائے اور جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا خبردار خبردار اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ خون ناحق سے بچو (ہاں شرعی اجازت اور چیز ہے) زنا کاری نہ کرو' چوری نہ کرو۔ وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ وصیت کرنے میں کسی کو نقصان پہنچانا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ صحابہؓ نے ایک مرتبہ کبیرہ گناہوں کو دہرایا کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا' یتیم کا مال کھانا' لڑائی سے بھاگ کھڑا ہونا' پاکدامن بے گناہ عورتوں پر تہمت لگانا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' جھوٹ بولنا' دھوکہ دینا' خیانت کرنا' جادو کرنا' سود کھانا یہ سب کبیرہ گناہ ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور اس گناہ کو کیا کہو گے جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچتے پھرتے ہیں۔ آخر آیت تک آپؐ نے تلاوت کی۔ اس کی اسناد میں ضعف ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔ پس ان تمام احادیث میں کبیرہ گناہوں کا ذکر موجود ہے۔

اب اس بارے میں سلف صالحین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے جو اقوال ہیں' وہ ملاحظہ ہوں۔ ابن جریر میں منقول ہے' چند لوگوں نے مصر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ بہت سی باتیں کتاب اللہ میں ہم ایسی پاتے ہیں کہ جن پر ہمارا عمل نہیں اس لئے ہم امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں حضرت ابن عمرؓ انہیں لے کر مدینہ آئے۔ اپنے والد سے ملے۔ آپ نے پوچھا کب آئے ہو؟ جواب دیا کہ چند دن ہوئے۔ پوچھا اجازت سے آئے ہو؟ اس کا بھی جواب دیا۔ پھر اپنے ساتھ آنے والے لوگوں کا ذکر اور مقصد بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ انہیں جمع کرو۔ سبھی کو ان کے پاس لائے اور ان میں سے ہر ایک کو حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ تجھے اللہ اور اسلام حق کی قسم' بتاؤ تم نے پورا قرآن کریم پڑھا ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں' فرمایا' تو نے اسے اپنے دل میں محفوظ کر لیا ہے۔ اس نے کہا نہیں اور اگر ہاں کہتا تو حضرت عمرؓ اسے کماحقہ دلائل سے عاجز کر دیتے' پھر فرمایا کیا تم سب نے قرآن حکیم کے مفہوم کو نگاہوں میں' زبان میں اور اعمال میں ڈھال لیا ہے' پھر ایک ایک سے یہی سوال کیا' پھر فرمایا تم عمرؓ کو اس مشقت میں ڈالنا چاہتے ہو کہ لوگوں کو بالکل کتاب اللہ کے مطابق ہی ٹھیک ٹھاک کر دے۔ ہمارے رب کو پہلے سے ہی ہماری خطاؤں کا علم تھا۔

پھر آپ نے آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا الخ' کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا کیا اہل مدینہ کو تمہارے آنے کا مقصد معلوم ہے؟ انہوں نے کہا نہیں' فرمایا' اگر انہیں بھی اس کا علم ہوتا تو مجھے اس بارے میں انہیں بھی وعظ کرنا پڑتا اس کی اسناد حسن ہے اور متن بھی۔ گو یہ روایت حسن کی حضرت عمرؓ سے ہے جس میں انقطاع ہے لیکن پھر بھی اتنے سے نقصان پر اس کی پوری شہرت بھاری ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت علیؓ فرماتے ہیں' کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ اللہ کے ساتھ شریک کرنا' کسی کو مار ڈالنا' یتیم کا مال کھانا' پاکدامن عورتوں کو تہمت لگانا' لڑائی سے بھاگ جانا' ہجرت کے بعد دار الکفر میں قیام کر لینا' جادو کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' سود کھانا' جماعت سے جدا ہونا' خرید و فروخت کا عہد توڑ دینا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' بڑے سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت سے مایوس ہونا اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا ہے اور اللہ عزوجل کی پوشیدہ تدبیروں سے بے خوف ہونا ہے۔ ابن جریر میں آپ ہی سے روایت ہے کہ سورۂ نساء کی شروع آیت سے لے کر تین آیتوں تک کبیرہ گناہ کا بیان ہے۔ پھر آپ نے آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا کی تلاوت کی۔

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں' کبیرہ گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا' ماں باپ کو ناخوش کرنا' آسودگی کے بعد کے بچے ہوئے پانی کو

حاجت مندوں سے روک رکھنا' اپنے پاس کے نر جانور کو کسی کی مادہ کے لئے بغیر کچھ لئے نہ دینا۔ بخاری و مسلم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے' بچا ہوا پانی نہ روکا جائے اور نہ بچی ہوئی گھاس روکی جائے۔ اور روایت میں ہے تین قسم کے گنہگاروں کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا اور نہ ہی ان کی فرد جرم ہٹائے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ ایک ہی شخص جو جنگل میں بچے ہوئے پانی پر قبضہ کر کے مسافروں کو اس سے روکے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص زائد پانی کو اور زائد گھاس کو روک رکھے' اللہ قیامت کے دن اس پر اپنا فضل نہیں کرے گا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' کبیرہ گناہ وہ ہیں جو عورتوں سے بیعت لینے کے ذکر میں بیان ہوئے ہیں یعنی آیت عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا الخ' میں۔ حضرت انس بن مالکؓ اس آیت کو اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان احسانوں میں بیان فرماتے ہیں اور اس پر بڑی خوشنودی کا اظہار فرماتے ہیں یعنی آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا کو۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے لوگوں نے کہا' کبیرہ گناہ سات ہیں۔ آپ نے کئی کئی مرتبہ فرمایا' سات ہیں' دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا' سات ہلکا درجہ ہے ورنہ ستر ہیں' اور ایک شخص کے کہنے پر آپ نے فرمایا' وہ سات سو ہیں اور سات بہت ہی قریب ہیں' ہاں یہ یاد رکھو کہ استغفار کے بعد کبیرہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار اور تکرار سے صغیرہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا۔ اور سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا' جس گناہ پر بھی جہنم کی وعید اللہ تعالیٰ کے غضب' لعنت یا عذاب کی ہے' وہ کبیرہ گناہ ہے۔ اور روایت میں ہے جس کام سے اللہ منع فرمادے' اس کا کرنا کبیرہ گناہ ہے یعنی جس کام میں بھی اللہ عزوجل کی نافرمانی ہو وہ بڑا گناہ ہے۔

تابعین کے اقوال بھی ملاحظہ ہوں۔ عبیدہؒ فرماتے ہیں' کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک' قتل نفس بغیر حق' میدان جہاد میں پیٹھ پھیرنا' یتیم کا مال اڑانا' سود خوری' بہتان بازی' ہجرت کے بعد وطن پرستی۔ راوی حدیث ابن عون نے اپنے استاد محمد سے پوچھا' کیا جادو کبیرہ گناہ میں نہیں؟ فرمایا یہ بہتان میں آ گیا' یہ لفظ بہت سی برائیوں پر مشتمل ہے۔ حضرت عبید بن عمیرؒ نے کبیرہ گناہوں پر آیات قرآنی بھی تلاوت کر کے سنائیں۔ شرک پر وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ الخ' یعنی اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا اور اسے پرندے لپک لے جائیں یا ہوا اسے دور دراز نامعلوم اور بدترین جگہ پھینک دے۔ یتیم کے مال پر اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا الخ' یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال ہڑپ کر لیتے ہیں' وہ سب پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرتے ہیں۔ سود خوری پر اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا الخ' جو لوگ سود خوری کرتے ہیں' وہ قیامت کے دن مخبوط الحواس اور پاگل بن کر کھڑے ہوں گے۔ بہتان پر وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الخ' جو لوگ پاکدامن بے خبر باایمان عورتوں پر تہمت لگائیں۔ میدان جنگ سے بھاگنے پر یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا ایمان والو! جب کافروں سے مقابلہ ہو جائے تو پیٹھ نہ دکھاؤ' ہجرت کے بعد کفرستان میں قیام کرنے پر اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ یعنی لوگ ہدایت کے بعد مرتد ہو جائیں' قتل مومن پر وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خٰلِدًا فِیْھَا یعنی جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے' اس کی سزا جہنم کا ابدی داخلہ ہے۔ حضرت عطاء سے بھی کبیرہ گناہوں کا بیان موجود ہے اور اس میں جھوٹی گواہی ہے۔ حضرت مغیرہؒ فرماتے ہیں' یہ کہا جاتا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ میں کہتا ہوں علماء کی ایک جماعت نے اسے کافر کہا ہے جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا کہے۔

حضرت امام مالک بن انس رحمتہ اللہ سے یہ مروی ہے' امام محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں یہ باور نہیں کر سکتا کہ کسی کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت ہو اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دشمنی رکھے (ترمذی) حضرت زید بن اسلمؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' کبائر یہ ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا' اللہ کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے کفر کرنا' جادو کرنا' اولاد کو مار ڈالنا' اللہ تعالیٰ سے اولاد اور بیوی کو نسبت دینا اور اسی جیسے وہ اعمال اور وہ اقوال ہیں جن کے بعد کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔ ہاں کئی ایسے گناہ ہیں جن کے ساتھ دین رہ سکتا ہے اور عمل قبول کیا جا سکتا ہے۔ ایسے گناہوں کو نیکی کے بدلے اللہ عزوجل معاف فرما دیتا ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ ان سے کیا ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچیں اور ہم سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچو' ٹھیک ٹھاک اور درست رہو اور خوشخبری سنو۔ مسند عبدالرزاق میں بہ سند صحیح رسول کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا' میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے بھی ہے۔ امام ترمذیؒ بھی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں گو اس روایت کی اور سندیں ضعف سے خالی نہیں مگر اس کے جو شواہد ہیں' ان میں سے بھی صحیح روایات ہیں مثلاً ایک حدیث میں ہے' کیا تم یہ جانتے ہو کہ میری شفاعت صرف متقیوں اور مومنوں کے لئے ہے؟ نہیں نہیں بلکہ وہ خطاکاروں اور گناہوں سے آلودہ لوگوں کے لئے بھی ہے۔

اب علماء کرام کے اقوال سنئے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ کسے کہتے ہیں؟ بعض تو کہتے ہیں کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر حد شرعی ہو۔ بعض کہتے ہیں جس پر قرآن میں یا حدیث میں کسی سزا کا ذکر ہو۔ بعض کا قول ہے جس سے دین داری کم ہوتی ہو اور دیانت داری میں کمی واقع ہوتی ہو۔ قاضی ابو سعید ہرویؒ فرماتے ہیں' جس کا حرام ہونا لفظوں سے ثابت ہو اور جس نافرمانی پر کوئی حد ہو جیسے قتل وغیرہ۔ اسی طرح ہر فریضہ کا ترک اور جھوٹی گواہی اور جھوٹی روایت اور جھوٹی قسم۔ قاضی رویانیؒ فرماتے ہیں' کبائر سات ہیں۔ بے وجہ کسی کو مار ڈالنا' زنا' لواطت' شراب نوشی' چوری' غصب' تہمت۔ اور ایک آٹھویں جھوٹی گواہی اور اسی کے ساتھ یہ بھی شامل کئے گئے ہیں سود خواری' رمضان کے روزے کا بلاعذر ترک کر دینا' جھوٹی قسم' قطع رحمی' ماں باپ کی نافرمانی' جہاد سے بھاگنا' یتیم کا مال کھانا' ماپ تول میں خیانت کرنا' نماز وقت سے پہلے یا وقت گزار کر بے عذر ادا کرنا' مسلمان کو بے وجہ مارنا۔

رسول اللہ ﷺ پر جان کر جھوٹ باندھنا' آپ کے صحابیوںؓ کو گالی دینا اور بے سبب گواہی چھپانا' رشوت لینا' مردوں عورتوں میں ناچاقی کرا دینا' بادشاہ کے پاس چغل خوری کرنا' زکوٰۃ روک لینا' باوجود قدرت کے بھلی باتوں کا حکم نہ کرنا' بری باتوں سے نہ روکنا' قرآن سیکھ کر بھول جانا' جاندار چیز کو آگ سے جلانا' عورت کا اپنے خاوند کے پاس بے سبب نہ آنا' رب کی رحمت سے ناامید ہو جانا' اللہ کے مکر سے بے خوف ہو جانا' اہل علم اور عاملان قرآن کی برائیاں کرنا' ظہار کرنا' سور کا گوشت کھانا' مردار کھانا ہاں اگر بوجہ ضرورت اور اضطرار کے کھایا ہو تو اودیات کے مصداق ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں' ان میں سے بعض میں توقف کی گنجائش ہے؟ کبائر کے بارے میں بزرگان دین نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ ہمارے شیخ حافظ ابو عبداللہ ذہبیؒ نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس میں ستر کبیرہ گناہ گنوائے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر شارع علیہ السلام نے جہنم کی وعید سنائی ہو۔ اس قسم کے گناہ ہی اگر گنے جائیں تو بہت نکلیں گے اور اگر کبیرہ گناہ ہر اس کام کو کہا جائے جس سے شارع علیہ السلام نے روک دیا ہے تو بہت ہی ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِــيْمًا ﴿۳۲﴾

اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے' مردوں کا حصہ ہے جو ان کا کیا دھرا ہے' اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا' اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو' یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے ○

جائز رشک اور جواب باصواب: ☆☆ (آیت:۳۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ یا رسول اللہ مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم عورتیں اس ثواب سے محروم ہیں' اسی طرح میراث میں بھی ہمیں بہ نسبت مردوں کے آدھا ملتا ہے- اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ترمذی) اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد پھر آیت اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی الخ' اتری- اور یہ بھی روایت میں ہے کہ عورتوں نے یہ آرزو کی تھی کہ کاش کہ ہم بھی مرد ہوتے تو جہاد میں جاتے- اور روایت میں ہے کہ ایک عورت نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ دیکھئے مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملتا ہے- دو عورتوں کی شہادت مثل ایک مرد کے سمجھی جاتی ہے- گو پھر اس تناسب سے عملاً ایک نیکی کی آدھی نیکی رہ جاتی ہے- اس پر یہ آیت نازل ہوئی- سدیؒ فرماتے ہیں' مردوں نے کہا تھا کہ جب دوہرے حصے کے مالک ہم ہیں تو دوہرا اجر بھی ہمیں کیوں نہ ملے؟ اور عورتوں نے درخواست کی تھی کہ جب ہم پر جہاد فرض ہی نہیں ہمیں تو شہادت کا ثواب کیوں نہیں ملتا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے دونوں کو روکا اور حکم دیا کہ میرا فضل طلب کرتے رہو-

حضرت ابن عباسؓ سے یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان یہ آرزو نہ کرے کہ کاش کہ فلاں کا مال اور اولاد میرا ہوتا؟ اس پر حدیث سے کوئی اشکال ثابت نہیں ہوسکتا جس میں ہے کہ حسد کے قابل صرف دو ہیں- ایک مالدار جو راہ اللہ اپنا مال لٹاتا ہے اور دوسرا کہتا ہے کاش کہ میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی اسی طرح فی سبیل اللہ خرچ کرتا رہتا- پس یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر میں برابر ہیں اس لئے کہ یہ ممنوع نہیں یعنی ایسی نیکی کی حرص بری نہیں' کسی نیک کام حاصل ہونے کی تمنا یا حرص کرنا محمود ہے- اس کے برعکس کسی کی چیز اپنے قبضے میں لینے کی نیت کرنا ہر طرح مذموم ہے- جس طرح دینی فضیلت حاصل کرنے کی حرص جائز رکھی ہے اور دنیوی فضیلت کی تمنا ناجائز ہے- پھر فرمایا ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا- خیر کے بدلے خیر اور شر کے بدلے شر اور یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق ورثہ دیا جاتا ہے-

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم سے ہمارا فضل مانگتے رہا کرو- آپس میں ایک دوسرے کی فضیلت کی تمنا بے سود امر ہے- ہاں مجھ سے میرا فضل طلب کرو تو میں بخیل نہیں' کریم ہوں' وہاب ہوں' دوں گا اور بہت کچھ دوں گا- جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' لوگو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو- اللہ سے مانگنا اللہ کو بہت پسند ہے- یاد رکھو سب سے اعلیٰ عبادت کشادگی اور وسعت و رحمت کا انتظار کرنا اور اس کی امید رکھنا ہیں- اللہ علیم ہے- اسے خوب معلوم ہے کہ کون دیئے جانے کے قابل ہے اور کون فقیری کے لائق ہے اور کون آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہے اور کون وہاں کی رسوائیوں کا سزاوار ہے' اسے اس کے اسباب اور اسے اس کے وسائل وہ مہیا اور آسان کر دیتا ہے-

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ

عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ ع ۵

ماں باپ اور قرابت دار جو چھوڑ مریں اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیئے ہیں اور جن سے تم نے اپنے ہاتھوں گرہ باندھی انہیں ان کا حصہ دو حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے O

مسئلہ وراثت میں موالی؟ وارث اور عصبہ کی وضاحت و اصلاحات: ☆☆ (آیت:۳۳) بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں۔ بعض کہتے ہیں عصبہ مراد ہیں' چچا کی اولاد کو بھی موالی کہا جاتا ہے جیسے حضرت فضل بن عباس کے شعر میں ہے۔ پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اے لوگو! تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے عصبہ مقرر کر دیئے ہیں جو اس مال کے وارث ہوں گے جسے ان کے ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ مریں اور تمہارے منہ بولے بھائی ہیں۔ تم جن کی قسمیں کھا کر بھائی بنے ہو اور وہ تمہارے بھائی بنے ہیں' انہیں ان کی میراث کا حصہ دو جیسے کہ قسموں کے وقت تم میں عہد و پیمان ہو چکا تھا' یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا۔ پھر منسوخ ہو گیا اور حکم ہوا کہ جن سے عہد و پیمان ہوئے' وہ نبھائے جائیں اور بھولے نہ جائیں لیکن میراث انہیں نہیں ملے گی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں اور بعد کے جملہ سے مراد یہ ہے کہ مہاجرین جب مدینہ شریف میں تشریف لائے تو یہ دستور تھا کہ ہر مہاجر اپنے انصاری بھائی بند کا وارث ہوتا۔ اس کے ذو رحم رشتہ دار وارث نہ ہوتے۔ پس آیت نے اس طریقے کو منسوخ قرار دیا اور حکم ہوا کہ ان کی مدد کرو انہیں فائدہ پہنچاؤ' ان کی خیر خواہی کرو لیکن میراث انہیں نہیں ملے گی۔ ہاں وصیت کر جاؤ۔

قبل از اسلام یہ دستور تھا کہ دو شخصوں میں عہد و پیمان ہو جاتا تھا کہ میں تیرا وارث اور تو میرا وارث' اسی طرح قبائل عرب عہد و پیمان کر لیتے تھے۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا جاہلیت کی قسمیں اور اس قسم کے عہد اس آیت نے منسوخ قرار دے دیئے اور فرمایا' معاہدوں والوں کی بہ نسبت ذی رحم رشتہ دار کتاب اللہ کے حکم سے زیادہ ترجیح کے مستحق ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے جاہلیت کی قسموں اور عہدوں کے بارے میں یہاں تک تاکید فرمائی کہ اگر مجھے سرخ اونٹ دیئے جائیں اور اس قسم کے توڑنے کو کہا جائے جو دارالندوہ میں ہوئی تھی تو میں اسے بھی پسند نہیں کرتا۔ ابن جریرؒ میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' میں اپنے بچپنے میں اپنے ماموؤں کے ساتھ حلف مطیبین میں شامل تھا۔ میں اس قسم کو سرخ اونٹوں کے بدلے بھی توڑنا پسند نہیں کرتا۔ پس یاد رہے کہ قریش و انصار میں جو تعلق رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا' وہ صرف الفت و یگانگت پیدا کرنے کے لئے تھا۔ لوگوں کے سوال کے جواب میں بھی حضورؐ کا یہ فرمان مروی ہے کہ جاہلیت کے حلف نبھاؤ۔ لیکن اب اسلام میں رسم حلف کالعدم قرار دی گئی ہے۔ فتح مکہ والے دن بھی آپؐ نے کھڑے ہو کر اپنے خطبہ میں اسی بات کا اعلان فرمایا۔

داؤد بن حصین کہتے ہیں' میں حضرت ام سعد بنت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قرآن پڑھتا تھا' میرے ساتھ ان کے پوتے موسیٰ بن سعد بھی پڑھتے تھے جو حضرت ابوبکرؓ کی گود میں یتیمی کے ایام گزار رہے تھے' میں نے جب اس آیت میں عَاقَدَتْ پڑھا تو مجھے میری استانی جی نے روکا اور فرمایا عَقَدَتْ پڑھو اور یاد رکھو یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمانؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب عبدالرحمان اسلام کے منکر تھے' حضرت صدیقؓ نے قسم کھالی کہ انہیں وارث نہ کریں گے بالآخر جب یہ مسلمانوں کے بے انتہا حسن اعمال سے اسلام کی طرف آمادہ ہوئے اور مسلمان ہو گئے تو جناب صدیقؓ کو حکم ہوا کہ انہیں ان کے ورثے کے حصے سے محروم نہ فرمائیں لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے الغرض اس آیت اور ان احادیث سے ان کا قول رد ہوتا ہے جو قسم اور وعدوں کی

بناء پر آج بھی ورثہ پہنچنے کے قائل ہیں جیسے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کا خیال ہے اور امام احمدؒ سے بھی اس قسم کی ایک روایت ہے۔

جسے جمہور اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سے صحیح قرار دیا ہے اور مشہور قول کی بناء پر امام احمد بھی اسے صحیح مانتے ہیں۔ پس آیت میں ارشاد ہے کہ ہر شخص کے وارث اس کے قرابتی لوگ ہیں اور کوئی نہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' حصہ داروارثوں کو ان کے حصوں کے مطابق دے کر پھر جو بچ رہے تو عصبہ کو ملے اور وارث وہ ہیں جن کا ذکر فرائض کی دو آیتوں میں ہے اور جن سے تم نے مضبوط عہد و پیمان اور قسموں کا تبادلہ کیا ہے یعنی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ان کا حصہ یعنی میراث کا اور اس کے بعد جو حلف ہو وہ کالعدم ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خواہ اس سے پہلے کے وعدے اور قسمیں ہوں خواہ اس آیت کے اترنے کے بعد ہوں' سب کا یہی حکم ہے کہ ایسے حلف برداروں کو میراث نہ ملے۔ اور بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا حصہ نصرت' امداد' خیر خواہی اور وصیت ہے' میراث نہیں۔ آپ فرماتے ہیں لوگ عہد و پیمان کرلیا کرتے تھے کہ ان میں سے جو پہلے مرے گا' بعد والا اس کا وارث بنے گا۔ پس اللہ تعالیٰ تبارک تعالیٰ نے آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ الخ' نازل فرما کر حکم دیا کہ ذی رحم محرم ایک سے ایک اولی ہے البتہ اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرو یعنی اگر ان کو مال کا تیسرا حصہ دینے کی وصیت کر جاؤ تو جائز ہے۔ یہی معروف و مشہور امر اور بہت سے سلف سے بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت اُولُوا الْاَرْحَامِ والی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' انہیں ان کا حصہ دو یعنی میراث۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک صاحب کو اپنا مولی بنایا تھا تو انہیں وارث بنایا۔

ابن المسیب فرماتے ہیں' یہ آیت ان لوگوں کے حق میں اتری ہے جو اپنے بیٹوں کے سوا اوروں کو اپنا بیٹا بناتے تھے اور انہیں اپنی جائیداد کا جائز وارث قرار دیتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ وصیت میں تو برقرار رکھا' میراث کا مستحق موالی یعنی ذی رحم محرم رشتہ داروں اور عصبہ کو قرار دے دیا اور سابقہ رسم کو ناپسند فرمایا کہ صرف زبانی دعووں اور بنائے ہوئے بیٹوں کو ورثہ نہ دیا جائے۔ ہاں ان کے لئے وصیت میں سے دے سکتے ہو۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ انہیں حصہ دو یعنی نصرت' نصیحت اور معونت کا۔ یہ نہیں کہ انہیں ان کے ورثہ کا حصہ دو تو یہ معنی کرنے سے پھر آیت کو منسوخ بتلانے کی وجہ باقی نہیں رہتی نہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ حکم پہلے تھا۔ اب نہیں رہا۔ بلکہ آیت کی دلالت صرف اسی امر پر ہے کہ جو عہد و پیمان آپس کی امداد و اعانت کے خیر خواہی اور بھلائی کے ہوتے تھے' انہیں وفا کرو۔ پس یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے۔ لیکن امام صاحب کے قول میں ذرا اشکال ہے اس لئے کہ اس میں تو شک نہیں کہ بعض عہد و پیمان صرف نصرت و امداد کے ہی ہوتے تھے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بعض عہد و پیمان ورثے کے بھی ہوتے تھے جیسے کہ بہت سے سلف صالحین سے مروی ہے اور جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر بھی منقول ہیں۔ جس میں انہوں نے صاف فرمایا ہے کہ مہاجر انصار کا وارث ہوتا تھا۔ اس کے قرابتی لوگ وارث نہیں ہوتے تھے نہ ذی رحم رشتہ دار وارث ہوتے تھے یہاں تک کہ یہ منسوخ ہوگیا۔ پھر امام صاحب کیسے فرما سکتے ہیں کہ یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ

عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ

فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ
فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں' پس نیک عورتیں فرمانبردار خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں' اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمہیں خوف ہو' انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو' پھر اگر وہ تابعداری کرنے لگیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے O

مرد عورتوں سے افضل کیوں؟ ☆☆ (آیت: ۳۴) جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ مرد عورت کا حاکم' رئیس اور سردار ہے۔ ہر طرح سے اس کا محافظ و معاون ہے اسی لئے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں میں ہی رہی بعینہ شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ وہ لوگ کبھی نجات نہیں پا سکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں۔ (بخاری) اسی طرح ہر طرح کا منصب قضا وغیرہ بھی صرف مردوں کے لائق ہی ہیں۔ دوسری وجہ افضلیت کی یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں جو کتاب وسنت سے ان کے ذمہ ہے مثلاً مہر' نان ونفقہ اور دیگر ضروریات کا پورا کرنا۔ پس مرد فی نفسہ بھی افضل ہے اور بہ اعتبار نفع کے اور حاجت براری کے بھی اس کا درجہ بڑا ہے۔ اسی بناء پر مرد کو عورت پر سردار مقرر کیا گیا جیسے اور جگہ فرمان ہے وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ الخ' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ اس کے بال بچوں کی نگہداشت' اس کے مال کی حفاظت وغیرہ اس کا کام ہے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ایک عورت نے نبی ﷺ کے سامنے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے اسے تھپڑ مارا ہے' پس آپ نے بدلہ لینے کا حکم دیا ہی تھا جو یہ آیت اتری اور بدلہ نہ دلوایا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک انصاری اپنی بیوی صاحبہ کو لئے حاضر خدمت ہوئے۔ اس عورت نے حضور ﷺ سے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ' میرے اس خاوند نے مجھے تھپڑ مارا جس کا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے' آپؐ نے فرمایا' اسے حق نہ تھا۔ وہیں یہ آیت اتری کہ ادب سکھانے کے لئے مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا' میں نے اور چاہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اور چاہا۔ شعبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مال خرچ کرنے سے مراد مہر کا ادا کرنا ہے' دیکھو اگر مرد عورت پر زناکاری کی تہمت لگائے تو لعان کا حکم ہے اور اگر عورت اپنے مرد کی نسبت یہ بات کہے اور ثابت نہ کر سکے تو اسے کوڑے لگیں گے پس عورتوں میں سے نیک نفس وہ ہیں جو اپنے خاوندوں کی اطاعت گزار ہوں' اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت رکھنے والیاں ہوں جسے خود اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بہتر عورت وہ ہے کہ جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے اور جب حکم دے' بجا لائے اور جب کہیں باہر جائے تو اپنے نفس کو برائی سے محفوظ رکھے اور اپنے خاوند کے مال کی محافظت کرے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا' جب کوئی عورت پانچوں وقت کی نماز ادا کرے رمضان کے روزے رکھے' اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے' اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے' اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تو چاہ جنت میں چلی جا۔

پھر فرمایا' جن عورتوں کی سرکشی سے تم ڈرو یعنی جو تم سے بلند ہونا چاہتی ہو' نافرمانی کرتی ہو' بے پرواہی برتتی ہو' دشمنی رکھتی ہو تو پہلے تو اسے زبانی نصیحت کرو۔ ہر طرح سمجھاؤ' اتار چڑھاؤ بتاؤ' اللہ کا خوف دلاؤ' حقوق زوجیت یاد دلاؤ۔ اس سے کہو کہ دیکھو خاوند کے اتنے حقوق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' اگر میں کسی کو حکم کر سکتا کہ وہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ سب سے بڑا حق اس پر اسی کا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو

اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جس رات کوئی عورت روٹھ کر اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑے رہے تو صبح تک اللہ کی رحمت کے فرشتے اس پر لعنتیں نازل کرتے رہتے ہیں' تو یہاں ارشاد فرماتا ہے کہ ایسی نافرمان عورتوں کو پہلے تو سمجھاؤ بجھاؤ۔ پھر بستروں سے الگ کرو۔ ابن عباس فرماتے ہیں یعنی سلائے تو بستر ہی پر مگر خود اس سے کروٹ موڑ لے اور مجامعت نہ کرے۔ بات چیت اور کلام بھی ترک کر سکتا ہے اور یہ عورت کی بڑی بھاری سزا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں' ساتھ سلانا ہی چھوڑ دے۔ حضور علیہ السلام سے سوال ہوتا ہے کہ عورت کا حق اس کے میاں پر کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ جب تو کھا تو اسے بھی کھلا' جب تو پہن تو اسے بھی پہنا' اس کے منہ پر نہ مار' گالیاں نہ دے اور گھر سے الگ نہ کر غصہ میں اگر تو اس سے بطور سزا بات چیت ترک کرے تو بھی اسے گھر سے نہ نکال۔ پھر فرمایا اس سے بھی ٹھیک ٹھاک نہ ہو تو تمہیں اجازت ہے کہ یونہی سی ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ سے بھی راہ راست پر لاؤ۔

صحیح مسلم میں نبی ﷺ کے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہے کہ عورتوں کے بارے میں فرمایا' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ وہ تمہاری خدمت گزار اور ماتحت ہیں۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ جس کے آنے جانے سے تم خفا ہو اسے نہ آنے دیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں یونہی سی تنبیہ بھی تم کر سکتے ہو لیکن سخت مار جو ظاہر ہو' نہیں مار سکتے۔ تم پر ان کا حق یہ ہے کہ انہیں کھلاتے' پلاتے' پہناتے اوڑھاتے رہو۔ ہو پس ایسی مار نہ مارنی چاہئے جس کا نشان باقی رہے' جس سے کوئی عضو ٹوٹ جائے یا کوئی زخم آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر بھی اگر وہ باز نہ آئے تو فدیہ لو اور طلاق دے دو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' اللہ کی لونڈیوں کو مارو نہیں' اس کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کرنے لگے' یارسول اللہ عورتیں آپ کے اس حکم کو سن کر اپنے مردوں پر دلیر ہو گئیں۔ اس پر حضورؐ نے انہیں مارنے کی اجازت دی۔ اب مردوں کی طرف سے دھڑا دھڑ مار پیٹ شروع ہوئی اور بہت سی عورتیں شکایتیں لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تو آپؐ نے لوگوں سے فرمایا' سنو میرے پاس عورتوں کی فریاد پہنچی۔ یاد رکھو تم میں سے جو اپنی عورتوں کو زدوکوب کرتے ہیں' وہ اچھے آدمی نہیں (ابوداؤد وغیرہ)۔ حضرت اشعثؓ فرماتے ہیں' ایک مرتبہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کا مہمان ہوا۔ اتفاقاً اس روز میاں بیوی میں کچھ ناچاقی ہو گئی اور حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو مارا۔ پھر مجھ سے فرمانے لگے' اشعث تین باتیں یاد رکھ جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سن کر یاد رکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرد سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ اس نے اپنی عورت کو کس بناء پر مارا؟ دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر سونا مت اور تیسری بات راوی کے ذہن سے نکل گئی (نسائی)۔ پھر فرمایا اگر اب بھی عورتیں تمہاری فرمانبردار بن جائیں تو تم ان پر کسی قسم کی سختی نہ کرو نہ مارو پیٹو نہ بیزاری کا اظہار کرو۔ اللہ بلندیوں اور بڑائیوں والا ہے یعنی اگر عورتوں کی طرف سے قصور سرزد ہوئے بغیر یا قصور کے بعد ٹھیک ہو جانے کے باوجود بھی تم نے انہیں ستایا تو یاد رکھو ان کی مدد پر اور ان کا انتقام لینے کے لئے اللہ تعالیٰ ہے اور یقیناً وہ بہت زور آور اور زبردست ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝۳۵

اگر تمہیں میاں بیوی کی آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مردوالوں میں سے ایک عورت کی طرف والوں میں سے مقرر کرو اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں ملاپ کرا دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ پورے علم والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے ○

میاں بیوی مصالحت کی کوشش اور اصلاح کے اصول: ☆☆ (آیت:۳۵) اوپر اس صورت کو بیان فرمایا کہ اگر نافرمانی اور کج بحثی عورتوں کی جانب سے ہو اب یہاں اس صورت کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے سے نالاں ہوں تو کیا کیا جائے؟ پس علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں حاکم ثقہ اور سمجھدار شخص کو مقرر کرے جو یہ دیکھے کہ ظلم وزیادتی کس طرف سے ہے؟ پس ظالم کو ظلم سے روکے۔ اگر اس پر بھی کوئی بہتری کی صورت نہ نکلے تو عورت والوں میں سے ایک اس کی طرف سے اور مرد والوں میں سے ایک بہتر شخص اس کی جانب سے منصف مقرر کر دے اور دونوں مل کر تحقیقات کریں اور جس امر میں مصلحت سمجھیں اس کا فیصلہ کر دیں یعنی خواہ الگ کرا دیں خواہ میل ملاپ کرا دیں۔ لیکن شارع نے تو اسی امر کی طرف ترغیب دلائی ہے کہ جہاں تک ہو سکے کوشش کریں کہ کوئی شکل نباہ کی نکل آئے۔ اگر ان دونوں کی تحقیق میں خاوند کی طرف سے برائی بہت ہو تو اس کی عورت کو اس سے الگ کر لیں اور اسے مجبور کریں گے کہ اپنی عادت ٹھیک ہونے تک اس سے الگ رہے اور اس کے خرچ اخراجات ادا کرتا رہے اور اگر شرارت عورت کی طرف سے ثابت ہو تو اسے نان ونفقہ نہیں دلائیں اور خاوند سے ہنسی خوشی بسر کرنے پر مجبور کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ طلاق کا فیصلہ دیں تو خاوند کو طلاق دینی پڑے گی۔ اگر وہ آپس میں بسنے کا فیصلہ کریں تو بھی انہیں ماننا پڑے گا بلکہ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں اگر دونوں پنچ اس امر پر متفق ہوں گے کہ انہیں رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے اپنے تعلقات نباہنے چاہئیں اور اس فیصلہ کے بعد ایک کا انتقال ہو گیا تو جو راضی تھا وہ اس کی جائیداد کا وارث بنے گا لیکن جو ناراض تھا اسے اس کا ورثہ نہیں ملے گا (ابن جریرؒ)۔

ایک ایسے ہی جھگڑے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو منصف مقرر کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر تم ان میں میل ملاپ کرانا چاہو تو میل ہو گا اور اگر جدائی کرانا چاہو تو جدائی ہو جائے گی ایک روایت ہے کہ عقیل بن ابو طالبؓ نے فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ سے نکاح کیا تو اس نے کہا تو میرے پاس آئے گا بھی اور میں ہی تیرا خرچ بھی برداشت کروں گی؟ اب یہ ہونے لگا کہ جب عقیل ان کے پاس آنا چاہتے تو وہ پوچھتی عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کہاں ہیں؟ یہ فرماتے تیری بائیں جانب جہنم میں۔ اس پر وہ بگڑ کر اپنے کپڑے ٹھیک کر لیتیں۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور یہ واقعہ بیان کیا۔ خلیفۃ المسلمین اس پر ہنسے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کا پنچ مقرر کیا۔ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے تھے ان دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے لیکن حضرت معاویہؓ فرماتے تھے بنو عبد مناف میں یہ علیحدگی میں ناپسند کرتا ہوں۔ اب یہ دونوں حضرات حضرت عقیل کے گھر آئے دیکھا تو دروازہ بند ہے اور دونوں میاں بیوی اندر ہیں۔ یہ دونوں لوٹ گئے۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک میاں بیوی اپنی ناچاقی کا جھگڑا لے کر آئے اس کے ساتھ اس کی برادری کے لوگ تھے اور اس کے ہمراہ اس کے گھرانے کے لوگ بھی علیؓ نے دونوں جماعتوں میں سے ایک ایک کو چنا اور انہیں منصف مقرر کر دیا اور پھر دونوں پنچوں سے کہا جانتے بھی ہو تمہارا کام کیا ہے؟ تمہارا منصب یہ ہے کہ اگر چاہو دونوں میں اتفاق کرا دو۔ اگر چاہو تو الگ الگ کرا دو۔ یہ سن کر عورت نے کہا۔ میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوں خواہ ملاپ کی صورت میں ہو خواہ جدائی کی صورت میں مرد کہنے لگا مجھے جدائی نامنظور ہے۔ اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ نہیں نہیں اللہ کی قسم تجھے دونوں صورتیں منظور کرنی پڑیں گی۔

پس علماء کا اجماع ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں منصفوں کو دونوں اختیار ہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں دو اور تین طلاقیں بھی دے سکتے ہیں۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ہاں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ انہیں اجتماع کا اختیار ہے تفریق کا نہیں حضرت قتادہ اور زین بن اسلم کا بھی یہی قول ہے امام احمد اور ابو ثور اور داؤد رحمھم اللہ علیہم کا بھی یہی

مذہب ہے۔ ان کی دلیل اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا الخ والا جملہ ہے کہ ان میں تفریق کا ذکر نہیں۔ ہاں اگر یہ دونوں دونوں جانب سے وکیل ہیں تو بے شک ان کا حکم جمع اور تفریق دونوں میں نافذ ہوگا۔ اس میں کسی کو پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ دونوں حاکم کی جانب سے مقرر ہوں گے اور فیصلہ کریں گے چاہے ان سے فریقین ناراض ہوں یا یہ دونوں میاں بیوی کی طرف سے ان کو بنائے ہوئے وکیل ہوں گے۔ جمہور کا مذہب تو پہلا ہے اور دلیل یہ ہے کہ ان کا نام قرآن حکیم نے حکم رکھا ہے اور حکم کے فیصلے سے کوئی خوش ہو یا ناخوش بہر صورت اس کا فیصلہ قطعی ہوگا' آیت کے ظاہری الفاظ بھی جمہور کے ساتھ ہی ہیں۔ امام شافعیؒ کا نیا قول بھی یہی ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے لیکن مخالف گروہ کہتا ہے کہ اگر یہ حکم کی صورت میں ہوتے تو پھر حضرت علیؓ اس خاوند کو کیوں فرماتے کہ جس طرح عورت نے دونوں صورتوں کو ماننے کا اقرار کیا ہے اور اسی طرح تو بھی نہ مانے تو تو جھوٹا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ابن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' علماء کرام کا اجماع ہے کہ دونوں پنچوں کا قول جب مختلف ہو تو دوسرے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور اس امر پر بھی اجماع ہے کہ یہ اتفاق کرانا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہے۔ ہاں اگر وہ جدائی کرانا چاہیں تو بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اس میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے گو انہیں وکیل نہ بنایا گیا ہو۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا
وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى
وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝۳۶

اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' ماں باپ سے سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں' یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا ۝

حقوق العباد اور حقوق اللہ: ☆☆ (آیت:۳۶) اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے اور اپنی توحید کے ماننے کو فرماتا ہے اور اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے روکتا ہے اس لئے کہ جب خالق رزاق نعمتیں دینے والا' تمام مخلوق پر ہر وقت اور ہر حال میں انعام کی بارش برسانے والا صرف وہی ہے تو لائق عبادت بھی صرف وہی ہوا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جانتے ہو اللہ عزوجل کا حق بندوں پر کیا ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول بہت زیادہ جاننے والے ہیں آپؐ نے فرمایا' یہ کہ وہ اسی کی عبادت کریں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں' پھر فرمایا جانتے ہو جب بندے یہ کریں تو ان کا حق اللہ تعالیٰ کے ذمہ کیا ہے؟ یہ کہ انہیں وہ عذاب نہ کرے۔ پھر فرماتا ہے۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کرتے رہو' وہی تمہارے عدم سے وجود میں آنے کا سبب بنے ہیں۔ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ہی ماں باپ سے سلوک و احسان کرنے کا حکم دیا ہے جیسے فرمایا اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اور وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا یہاں بھی یہ بیان فرما کر پھر حکم دیتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں سے بھی سلوک و احسان کرتے رہو۔ حدیث میں ہے' مسکین کو صدقہ دینا اور صلہ رحمی کرنا بھی اسی حسن

سلوک کی شاخ ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ بھی سلوک واحسان کرو اس لئے کہ ان کی خبر گیری کرنے والا ان کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے والا ان کے ناز لاڈ اٹھانے والا انہیں محبت کے ساتھ کھلانے پلانے والا ان کے سر سے اٹھ گیا ہے۔ پھر مسکینوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ارشاد کیا کہ وہ حاجت مند ہیں' خالی ہاتھ ہیں محتاج ہیں' ان کی ضرورتیں تم پوری کرو' ان کی احتیاج تم رفع کرو' ان کے کام تم کر دیا کرو' فقیر و مسکین کا پورا بیان سورہ برأۃ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پڑوسیوں کے حقوق: ☆☆ اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو اور ان کے ساتھ بھی برتاؤ اور نیک سلوک رکھو خواہ وہ قرابت دار ہوں یا نہ ہوں۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہود و نصرانی ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جَارِ ذِی الْقُرْبٰی سے مراد بیوی ہے اور جَارِ الْجُنُبِ سے مراد مرد رفیق سفر ہے۔ پڑوسیوں کے حق میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں' کچھ سن لیجئے۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مجھے حضرت جبرائیل پڑوسیوں کے بارے میں یہاں تک وصیت و نصیحت کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ پڑوسیوں کو وارث بنا دیں گے' فرماتے ہیں بہتر ساتھی اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خوش سلوک زیادہ ہو اور پڑوسیوں میں سے سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو ہمسایوں سے نیک سلوک میں زیادہ ہو' فرماتے ہیں انسان کو نہ چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی آسودگی کے بغیر خود شکم سیر ہو جائے۔ ایک مرتبہ آپ ؐ نے صحابہ سے سوال کیا' زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا' وہ حرام ہے' اللہ نے اور اس کے رسول ؐ نے اسے حرام کیا ہے اور قیامت تک وہ حرام ہی رہے گا' آپ ؐ نے فرمایا سنو دس عورتوں سے زنا کاری کرنے والا اس شخص کے گناہ سے کم گنہگار ہے جو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے' پھر دریافت فرمایا تم چوری کی نسبت کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ؐ نے حرام کیا ہے اور وہ بھی قیامت تک حرام ہے' آپ ؐ نے فرمایا' سنو' دس گھروں سے چوری کرنے والے کا گناہ اس شخص کے گناہ سے ہلکا ہے جو اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرائے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے' حضرت ابن مسعودؓ سوال کرتے ہیں کہ یارسول اللہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا یہ کہ تو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی ایک نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے زنا کاری کرے۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے چلا وہاں پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب کھڑے ہیں اور حضور ؐ ان کی طرف متوجہ ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ شاید انہیں آپ ؐ سے کچھ کام ہوگا۔ حضور کھڑے ہیں اور ان سے باتیں ہو رہی ہیں' بڑی دیر ہوگئی' یہاں تک کہ مجھے آپ ؐ کے تھک جانے کے خیال نے بے چین کر دیا' بہت دیر کے بعد آپ ؐ لوٹے اور میرے پاس آئے' میں نے کہا' حضور ؐ اس شخص نے تو آپ کو بہت دیر کھڑا رکھا۔ میں تو پریشان ہوگیا' آپ ؐ کے پاؤں تھک گئے ہوں گے' آپ ؐ نے فرمایا' اچھا تم نے انہیں دیکھا۔ میں نے کہا' ہاں خوب اچھی طرح دیکھا' فرمایا جانتے ہو' وہ کون تھے؟ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے مجھے پڑوسیوں کے حقوق کی تاکید کرتے رہے یہاں تک ان کے حقوق بیان کئے کہ مجھے کھٹکا ہوا کہ غالباً آج تو پڑوسی کو وارث ٹھہرا دیں گے (مسند احمد)۔ مسند عبد بن حمید میں ہے' حضرت جابر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایک شخص عوالی مدینہ سے آیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے جہاں جنازوں کی نماز پڑھی جاتی تھی جب آپ ؐ فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا' حضور ؐ کے ساتھ یہ دوسرا شخص کون نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ ؐ نے فرمایا۔ تم نے انہیں دیکھا؟ اس نے کہا ہاں' فرمایا' تو نے بہت بڑی بھلائی دیکھی' یہ جبرائیل ؑ تھے' مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے

دیکھا کہ عنقریب اسے وارث بنا دیں گے۔ آٹھویں حدیث بزار میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا پڑوسی تین قسم کے ہیں ایک حق والے یعنی ادنیٰ، دو حق والے اور تین حق والے یعنی اعلیٰ ایک حق والا وہ ہے جو مشرک ہو اور اس سے رشتہ داری نہ ہو، دو حق والا وہ ہے جو مسلمان ہو اور رشتہ دار نہ ہو۔ ایک حق اسلام، دوسرا حق پڑوس، تین حق والا وہ ہے جو مسلمان بھی ہو، پڑوسی بھی ہو اور رشتے ناتے کا بھی ہو تو حق اسلام، حق ہمسائیگی، حق صلہ رحمی تین تین حق اس کے ہو گئے۔ نویں حدیث مسند احمد میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں، میں ایک کو ہدیہ بھیجنا چاہتی ہوں تو کسے بھجواؤں؟ آپؐ نے فرمایا، جس کا دروازہ قریب ہو۔ دسویں حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا لوگوں نے آپ کے وضو کے پانی کو لینا اور ملنا شروع کیا آپ نے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں آپ نے فرمایا جسے یہ خوش لگے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب بات کرے سچ کرے اور جب امانت دیا جائے تو ادا کرے (تفسیر ابن کثیر میں یہ حدیث یہیں پر ختم ہے لیکن شاید اگلا جملہ اس کا سہواً رہ گیا ہے جس کا صحیح تعلق اس مسئلہ سے ہے وہ یہ کہ اسے چاہئے، پڑوسی کے ساتھ سلوک واحسان کرے۔ مترجم) گیارہویں حدیث مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو جھگڑا اللہ کے سامنے پیش ہوگا، وہ پڑوسیوں کا ہوگا۔

پھر حکم ہوتا ہے صَاحِبِ بِالْجَنْبِ کے ساتھ سلوک کرنے کا۔ اس سے مراد بہت سے مفسرین کے نزدیک عورت ہے اور بہت سے فرماتے ہیں، مراد سفر کا ساتھی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد دوست اور ساتھی ہے۔ عام اس سے کہ سفر میں ہو یا قیام کی حالت میں، ابن سبیل سے مراد مہمان ہے اور یہ بھی کہ جو سفر میں کہیں ٹھہر گیا ہو، اگر مہمان بھی یہاں مراد لیا جائے کہ سفر میں جاتے جاتے مہمان بنا تو دونوں ایک ہو گئے، اس کا پورا بیان سورہ براۃ کی تفسیر میں آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

غلاموں کے بارہ میں احکامات: ☆☆ پھر غلاموں کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے ساتھ بھی نیک سلوک رکھو اس لئے کہ وہ غریب تمہارے ہاتھوں اسیر ہے۔ اس پر تو تمہارا کامل اختیار ہے، تو تمہیں چاہئے کہ اس پر رحم کھاؤ اور اس کی ضروریات کا اپنے امکان بھر خیال رکھو رسول کریم ﷺ تو اپنے آخری مرض الموت میں بھی اپنی امت کو اس کی وصیت فرما گئے۔ فرماتے ہیں، لوگو نماز کا اور غلاموں کا خوب خیال رکھنا۔ بار بار اسی کو فرماتے رہے یہاں تک کہ زبان رکنے لگی۔

مسند کی حدیث میں ہے، آپؐ فرماتے ہیں تو جو خود کھائے، وہ بھی صدقہ ہے، جو اپنے بچوں کو کھلائے، وہ بھی صدقہ ہے، جو اپنی بیوی کو کھلائے، وہ بھی صدقہ ہے، جو اپنے خادم کو کھلائے، وہ بھی صدقہ ہے۔ مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک مرتبہ داروغہ سے فرمایا کہ کیا غلاموں کو تم نے ان کی خوراک دے دی؟ اس نے کہا، اب تک نہیں دی، فرمایا جاؤ دے کر آؤ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، انسان کو یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی خوراک کا وہ مالک ہے، ان سے روک رکھے۔ مسلم میں ہے مملوک ماتحت کا حق ہے کہ اسے کھلایا پلایا پہنایا اڑھایا جائے اور اس کی طاقت سے زیادہ کام اس سے نہ لیا جائے۔ بخاری شریف میں ہے جب تم میں سے کسی کا خادم اس کا کھانا لے کر آئے تو تمہیں چاہئے کہ اگر ساتھ بٹھا کر نہیں کھلاتے تو کم از کم اسے لقمہ دو لقمہ دے دو۔ خیال کرو کہ اس نے پکانے کی گرمی اور تکلیف اٹھائی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ چاہئے تو یہ کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے اور اگر کھانا کم ہو تو لقمہ دو لقمے ہی دے دیا کرو، آپؐ فرماتے ہیں، تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ پس جس کے ہاتھ تلے اس کا بھائی ہو، اسے اپنے کھانے سے کھلائے اور اپنے پہننے میں سے پہنائے اور ایسا کام نہ کرے کہ وہ عاجز ہو جائے، اگر کوئی ایسا ہی مشکل کام آ پڑے تو خود بھی اس کا

ساتھ دے۔ (بخاری ومسلم)

پھر فرمایا کہ خود بین' معجب' متکبر' خود پسند' لوگوں پر اپنی فوقیت جتانے والا' اپنے آپ کو تولنے والا' اپنے تئیں دوسروں سے بہتر جاننے والا' اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ نہیں۔ وہ گو اپنے آپ کو بڑا سمجھے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ذلیل ہے' لوگوں کی نظروں میں وہ حقیر ہے۔ بھلا کتنا اندھیر ہے کہ خود تو اگر کسی سے سلوک کرے تو اپنا احسان اس پر رکھے لیکن رب کی نعمتوں کا جو اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھی ہیں' شکر بجا نہ لائے' لوگوں میں بیٹھ کر فخر کرے کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں' میرے پاس یہ بھی ہے اور وہ بھی ہے۔ حضرت ابورجاہروی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر بدخلق' متکبر اور خود پسند ہوتا ہے۔ پھر اسی آیت کو تلاوت کیا اور فرمایا' ہر ماں باپ کا نافرمان سرکش اور بدنصیب ہوتا ہے۔ پھر آپ نے آیت وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا پڑھی' حضرت عوام بن حوشبؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں' مجھے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ملی تھی' میرے دل میں تمنا تھی کہ کسی وقت خود حضرت ابوذرؓ سے مل کر اس روایت کو انہی کی زبانی سنوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ملاقات ہوگئی تو میں نے کہا' مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا' ہاں یہ سچ ہے۔ میں بھلا اپنے خلیل ﷺ پر بہتان کیسے باندھ سکتا ہوں؟ آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا' اسے تو تم کتاب اللہ میں پاتے بھی ہو' بنو ہجیم کا ایک شخص رسول مقبول ﷺ سے کہتا ہے' مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا' کپڑا ٹخنے سے نیچا نہ لٹکاؤ' کیونکہ یہ تکبر اور خود پسندی ہے جسے اللہ ناپسند رکھتا ہے۔

الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ﴿٣٨﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ﴿٣٩﴾

جو لوگ خود بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں اور اللہ نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے' اسے چھپاتے ہیں' ہم نے ان کافروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے ○ اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے' اور جس کا ہمنشین اور ساتھی شیطان ہو' پس وہ بدترین ساتھی ہے ○ بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ نے انہیں جو دے رکھا ہے' اس کے نام پر دیتے' اللہ خوب جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ سے کترانے والے بخیل لوگ: ☆☆ (آیت: ۳۷-۳۹) ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے موقعہ پر مال خرچ کرنے سے جی چراتے ہیں مثلاً ماں باپ کو دینا' قرابت داروں سے اچھا سلوک نہیں کرتے' یتیم' مسکین' پڑوسی' رشتہ دار

غیر رشتہ دار پڑوسی' ساتھی' مسافر غلام اور ماتحت کو ان کی محتاجی کے وقت فی سبیل اللہ نہیں دیتے - اتنا ہی نہیں بلکہ لوگوں کو بھی بخل اور فی سبیل اللہ خرچ نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں - حدیث شریف میں ہے' کون سی بیماری بخل کی بیماری سے بڑھ کر ہے؟ اور حدیث میں ہے' لوگو بخیلی سے بچو' اسی نے تم سے اگلوں کو تاخت وتاراج کیا' اسی کے باعث ان سے قطع رحمی اور فسق وفجور جیسے برے کام نمایاں ہوئے - پھر فرمایا' یہ لوگ ان دونوں برائیوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک تیسری برائی کے بھی مرتکب ہیں یعنی اللہ کی نعمتوں کو چھپاتے ہیں - انہیں ظاہر نہیں کرتے نہ ان کے کھانے پینے میں وہ ظاہر ہوتی ہیں نہ پہننے اوڑھنے میں نہ دینے لینے میں - جیسے اور جگہ ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ یعنی انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور وہ خود ہی اپنی اس حالت اور خصلت پر گواہ ہے - پھر وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ وہ مال کی محبت میں مست ہے - پس یہاں بھی فرمان ہے کہ اللہ کے فضل کو یہ چھپاتا رہتا ہے -

پھر انہیں دھمکایا جاتا ہے کہ کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھے ہیں - کفر کے معنی ہیں پوشیدہ رکھنا اور چھپالینا - پس بخیل بھی اللہ کی نعمتوں کا چھپانے والا' ان پر پردہ ڈال رکھنے والا بلکہ ان کا انکار کرنے والا قرار دیا ہے - پس وہ نعمتوں کا کافر ہوا' حدیث شریف میں ہے اللہ جب کسی بندے پر اپنی نعمت وانعام فرماتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کا اثر اس پر ظاہر ہو - دعا نبویؐ میں ہے' وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا اے اللہ ہمیں اپنی نعمتوں پر شکر گزار بنا اور ان کی وجہ سے ہمیں اپنا ثنا خوان بنا - ان کا قبول کرنے والا بنا اور ان کی نعمتوں کو ہمیں بھرپور عطا فرما - بعض سلف کا قول ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے اس بخل کے بارے میں ہے جو وہ اپنی کتاب میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات کے چھپانے میں کرتے تھے - اسی لئے اس کے آخر میں ہے کہ کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہم نے تیار کر رکھے ہیں - کوئی شک نہیں کہ اس آیت کا اطلاق ان پر بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ بظاہر یہاں مال کا بخل بیان ہو رہا ہے - گو علم کا بخل بھی اس میں بطور اولیٰ داخل ہے - خیال کیجئے کہ بیان آیت اقربا ضعفا کو مال دینے کے بارے میں ہے' اسی طرح اس کے بعد والی آیت میں ریاکاری کے طور پر فی سبیل اللہ مال دینے کی مذمت بھی بیان کی جا رہی ہے - پہلے ان کا بیان ہوا جو مسک اور بخیل ہیں' کوڑی کوڑی کو دانتوں سے تھام رکھتے ہیں -

پھر ان کا بیان ہوا جو دیتے تو ہیں لیکن بدنیتی اور دنیا میں اپنی واہ واہ ہونے کی خاطر دیتے ہیں - چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جن تین قسم کے لوگوں سے جہنم کی آگ سلگائی جائے گی' وہ یہی ریاکار ہوں گے - ریاکار عالم' ریاکار غازی' ریاکار سخی - ایسا سخی کہے گا' باری تعالیٰ تیری ہر ہر راہ میں میں نے اپنا مال خرچ کیا تو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جواب ملے گا کہ تو جھوٹا ہے' تیرا ارادہ تو صرف یہ تھا کہ تو سخی اور جواد مشہور ہو جائے سو وہ ہو چکا یعنی تیرا مقصود دنیا کی شہرت تھی' وہ میں نے تجھے دنیا میں ہی دے دی' پس تیری مراد حاصل ہو چکی - اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تیرے باپ نے اپنی سخاوت سے جو چاہا تھا' وہ اسے مل گیا - حضورؐ سے سوال ہوتا ہے کہ عبداللہ بن جدعان تو بڑا سخی تھا جس نے مساکین وفقراء کے ساتھ بڑے سلوک کئے اور نام الٰہ بہت سے غلام آزاد کئے تو کیا اسے ان کا نفع نہ ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا نہیں - اس نے تو عمر بھر میں ایک دن بھی نہ کہا کہ اے اللہ میرے گناہوں کو قیامت کے دن معاف فرما دینا - اسی لئے یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان کا ایمان اللہ اور قیامت پر نہیں ورنہ شیطان کے پھندے میں نہ پھنس جاتے اور بد کو بھلا نہ سمجھ بیٹھتے - یہ شیطان کے ساتھی ہیں اور شیطان ان کا ساتھی ہے - ساتھی کی برائی پر ان کی برائی بھی سوچ لو - عرب شاعر کہتا ہے ؎

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْاَلْ وَسَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ

''انسان کے بارے میں نہ پوچھ۔ اس کے ساتھیوں کا حال دریافت کرلے۔ ہر ساتھی اپنے ساتھی کا ہی پیروکار ہوتا ہے''۔

پھر ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں اللہ پر ایمان لانے اور صحیح راہ پر چلنے اور ریاکاری کو چھوڑ دینے اور اخلاص ویقین پر قائم ہو جانے سے کون سی چیز مانع ہے؟ ان کا اس میں کیا نقصان ہے؟ بلکہ سراسر فائدہ ہے کہ ان کی عاقبت سنور جائے گی۔ یہ کیوں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے تنگ دلی کر رہے ہیں۔ اللہ کی محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ اللہ انہیں خوب جانتا ہے' ان کی بھلی اور بری نیتوں کا اسے علم ہے۔ اہل توفیق اور غیر اہل توفیق سب اس پر ظاہر ہیں۔ وہ بھلوں کو عمل صالح کی توفیق عطا فرما کر' اپنی خوشنودی کے کام ان سے لے کر' اپنی قربت انہیں عطا فرماتا ہے اور بروں کو اپنی عالی جناب اور زبردست سرکار سے دھکیل دیتا ہے جس سے ان کی دنیا اور آخرت برباد ہوتی ہے' عَیَاذًا بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع

بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرے برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے دوگنی کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے ○ پس کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے ○ جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش کہ انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے ○

بے مثال خریدار؟ ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۲) باری تعالیٰ رب العالمین فرماتا ہے کہ میں کسی پر ظلم نہیں کرتا' کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا' بلکہ بڑھا چڑھا کر قیامت کے روز اس کا اجر وثواب عطا فرماؤں گا جیسے اور آیت میں ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ الخ ہم عدل کی ترازو رکھیں گے اور فرمایا کہ حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا تھا یٰبُنَیَّ اِنَّھَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ الخ' اے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانے برابر ہو' گو وہ کسی پتھر میں یا آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو' اللہ اسے لا حاضر کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین خبردار ہے۔ اور جگہ فرمایا یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ الخ' اس دن لوگ اپنے مختلف احوال پر لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی۔ وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی۔ وہ اسے دیکھ لے گا۔

بخاری ومسلم کی شفاعت کے ذکر والی مطول حدیث میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' لوٹ کر جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانے برابر ایمان دیکھو اسے جہنم سے نکال لاؤ۔ پس بہت سی مخلوق جہنم سے آزاد ہوگی' حضرت ابوسعیدؓ یہ حدیث بیان فرما کر فرماتے' اگر تم چاہو تو آیت قرآنی کے اس جملے کو پڑھ لو اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ الخ' ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مروی ہے کہ قیامت کے دن کسی اللہ کے بندے یا بندی کو لایا جائے گا اور ایک پکارنے والا سب اہل محشر کو با آواز بلند سنا کر کہے گا' یہ

فلاں کا بیٹا یا بیٹی ہے۔ اس کا نام یہ ہے' جس کسی کا کوئی حق اس کے ذمہ باقی ہو وہ آئے اور لے جائے۔ اس وقت یہ حالت ہو گی کہ عورت چاہے گی کہ اس کا کوئی حق اس کے باپ پر یا ماں پر یا بھائی پر یا شوہر پر ہو تو دوڑ کر آئے اور لے آئے رشتے ناطے کٹ جائیں گے۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنا جو حق چاہے' معاف فرمادے گا لیکن لوگوں کے حقوق میں سے کوئی حق معاف نہ فرمائے گا۔ اسی طرح جب کوئی حقدار آئے گا تو فریق ثانی سے کہا جائے گا کہ ان کے حق ادا کر' یہ کہے گا' دنیا تو ختم ہو چکی' آج میرے ہاتھ میں کیا ہے جو میں دوں؟ پس اس کے نیک اعمال لئے جائیں گے اور حقداروں کو دیئے جائیں گے اور ہر ایک کا حق اسی طرح ادا کیا جائے گا۔ اب یہ شخص اگر اللہ کا دوست ہے تو اس کے پاس ایک رائی کے دانے برابر نیکی بچ رہے گی جسے بڑھا چڑھا کر صرف اسی کی بناء پر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں لے جائے گا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور اگر وہ بندہ اللہ کا دوست نہیں ہے بلکہ بد بخت اور سرکش ہے تو یہ حال ہو گا کہ فرشتہ کہے گا کہ باری تعالیٰ اس کی سب نیکیاں ختم ہو گئیں اور ابھی حقدار باقی رہ گئے۔ حکم ہو گا کہ ان کی برائیاں لے کر اس پر لادو۔ پھر اسے جہنم واصل کرو اعاذنا اللہ منہا۔ اس موقوف اثر کے بعض شواہد مرفوع احادیث میں بھی موجود ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ آیت مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اعراب کے بارے میں اتری ہے۔ اس پر ان سے سوال ہوا کہ پھر مہاجرین کے بارے میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس سے بہت ہی اچھی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ الخ۔

حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مشرک کے بھی عذابوں میں اس کے باعث کمی کر دی جاتی ہے۔ ہاں جہنم سے نکلے گا تو نہیں' چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہؐ سے پوچھا' یا رسول اللہ آپ کے چچا ابو طالب آپؐ کے پشت پناہ بنے ہوئے تھے۔ آپ کو لوگوں کی ایذاؤں سے بچاتے رہتے تھے۔ آپ کی طرف سے ان سے لڑتے تھے تو کیا انہیں کچھ نفع بھی پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ بہت تھوڑی سی آگ میں ہے اور اگر میرا یہ تعلق نہ ہوتا تو جہنم کے نیچے کے طبقے میں ہوتا۔ لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ یہ فائدہ صرف ابو طالب کے لئے ہی ہو یعنی اور کفار اس حکم میں نہ ہوں اس لئے کہ مسند طیالسی کی حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ مومن کی کسی نیکی پر ظلم نہیں کرتا۔ دنیا میں روزی رزق وغیرہ کی صورت میں اس کا بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں جزا اور ثواب کی شکل میں بدلہ ملے گا۔ ہاں کافر تو اپنی نیکی دنیا میں ہی کھا جاتا ہے' قیامت میں اس کے پاس کوئی نیکی نہ ہو گی۔ اجر عظیم سے مراد اس آیت میں جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم لطف و رحم سے اپنی رضامندی عطا فرمائے اور جنت نصیب کرے۔ آمین۔

مسند احمد کی ایک غریب حدیث میں ہے' حضرت ابو عثمان فرماتے ہیں' مجھے خبر ملی کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو ایک نیکی کے بدلے ایک لاکھ نیکی کا ثواب دے گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے کہا حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں سب سے زیادہ میں رہا ہوں' میں نے تو کبھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اب میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جاؤں حضرت ابو ہریرہؓ سے مل کر ان سے خود پوچھ آؤں چنانچہ میں نے سامان سفر درست کیا اور اس روایت کی چھان بین کے لئے روانہ ہوا' معلوم ہوا کہ وہ تو حج کو گئے ہیں تو میں بھی حج کی نیت سے وہاں پہنچا' ملاقات ہوئی تو میں نے کہا ابو ہریرہؓ میں نے سنا ہے' آپ نے ایسی حدیث بیان کی ہے؟ کیا یہ سچ ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تمہیں تعجب معلوم ہے؟ تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص اللہ کو اچھا قرض دے اللہ اسے بہت بہت بڑھا کر عنایت فرماتا ہے اور دوسری آیت میں ساری دنیا کو کم کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کو بڑھا کر اس کے بدلے دو لاکھ ملیں گی۔ یہ حدیث اور طریقوں سے بھی مروی ہے۔

پھر قیامت کے دن کی سختی اور ہولناکی بیان فرمارہا ہے کہ اس دن انبیاء علیہ السلام کو بطور گواہ کے پیش کیا جائے گا جیسے اور آیت میں ہے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ زمین اپنے رب کے نور سے چمکنے لگی گی۔ نامہ اعمال دیئے جائیں گے اور نبیوں اور گواہوں کو لا کھڑا کیا جائے گا۔ اور جگہ فرمان ہے وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ الخ' ہر امت پر انہی میں سے ہم گواہ کھڑا کریں گے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' مجھے کچھ قرآن پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عبداللہ نے کہا' یارسول اللہ میں آپ کو پڑھ کر کیا سناؤں گا؟ آپ پر تو اترا ہی ہے' فرمایا' ہاں لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں' پس میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی' پڑھتے پڑھتے جب میں نے اس آیت فَكَیْفَ کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا بس کرو' میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت محمد بن فضالہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی ظفر کے پاس رسول اللہ ﷺ آئے اور اس چٹان پر بیٹھ گئے جو اب تک ان کے محلے میں ہے۔ آپ کے ساتھ ابن مسعودؓ معاذ بن جبلؓ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تھے۔ آپ نے ایک قاری سے فرمایا' قرآن پڑھو' وہ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت فَكَیْفَ تک پہنچا تو آپ اس قدر روئے کہ دونوں رخسار اور داڑھی تر ہوگئی اور عرض کرنے لگے' یارب جو موجود ہیں ان پر تو خیر میری گواہی ہوگی لیکن جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہی نہیں' ان کی بابت کیسے؟ (ابن ابی حاتم)۔

ابن جریرؒ میں ہے کہ آپ نے فرمایا' میں ان پر گواہ ہوں جب تک کہ ان میں ہوں پس جب تو مجھے فوت کرے گا تب تو تو ہی ان پر نگہبان ہے۔ ابوعبداللہ قرطبیؒ نے اپنی کتاب تذکرہ میں باب باندھا ہے کہ نبی ﷺ کی اپنی امت پر شہادت کے بارے میں کیا آیا ہے؟ اس میں حضرت سعید بن مسیبؒ کا یہ قول لائے ہیں کہ ہر دن صبح شام نبی ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں مع ناموں کے۔ پس آپ قیامت کے دن ان سب پر گواہی دیں گے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی لیکن اولاً تو یہ حضرت سعید کا خود کا قول ہے' دوسرے یہ کہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ اس میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام ہی نہیں۔ تیسرے یہ حدیث مرفوع کر کے بیان ہی نہیں کرتے' ہاں امام قرطبیؒ اسے قبول کرتے ہیں۔ وہ اس کے لانے کے بعد فرماتے ہیں' پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر پیر اور ہر جمعرات کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ پس وہ انبیاء پر اور ماں باپ پر ہر جمعہ کو پیش کئے جاتے ہیں اور اس میں کوئی تعارض نہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے نبیؐ پر ہر جمعہ کو بھی پیش ہوتے ہوں اور ہر دن بھی۔ (ٹھیک یہی ہے کہ یہ بات صحت کے ساتھ ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

پھر فرماتا ہے کہ اس دن کافر کہے گا' کاش میں کسی زمین میں سما جاؤں' پھر زمین برابر ہو جائے گی۔ کافر ناقابل برداشت ہولناکیوں' رسوائیوں اور ڈانٹ ڈپٹ سے گھبرا اٹھے گا' جیسے اور آیت میں ہے یَوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ الخ' جس دن انسان اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور کافر کہے گا' کاش کہ میں مٹی ہو گیا ہوتا۔ پھر فرمایا یہ ان تمام بدافعالیوں کا اس دن اقرار کریں گے جو انہوں نے کی تھیں اور ایک چیز بھی پوشیدہ نہ رکھیں گے۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا' حضرت ایک جگہ تو قرآن میں ہے کہ مشرکین قیامت کے دن کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ اللہ کی قسم رب کی قسم ہم نے شرک نہیں کیا' اور دوسری جگہ ہے کہ لَا یَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا اللہ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے۔ پھر ان دونوں آیتوں کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا' اس کا اور وقت ہے۔ اس کا وقت اور ہے' جب موحدوں کو جنت میں جاتے ہوئے دیکھیں گے تو کہیں گے' آؤ تم بھی اپنے شرک کا انکار کرو' کیا عجب کام چل جائے۔ پھر ان کے منہ پر مہریں لگ جائیں گی اور ہاتھ پاؤں بولنے لگیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے (ابن جریرؒ)

مسند عبدالرزاق میں ہے کہ اس شخص نے آن کر کہا تھا' بہت سی چیزیں مجھ پر قرآن میں مختلف ہوتی ہیں تو آپ نے فرمایا' کیا مطلب تجھے کیا

قرآن میں شک ہے؟ اس نے کہا شک تو نہیں۔ ہاں میری سمجھ میں اختلاف نظر آ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جہاں جہاں اختلاف تجھے نظر آیا ہو ان مقامات کو پیش کر تو اس نے یہ دو آیتیں پیش کیں کہ ایک سے چھپانا ثابت ہوتا ہے دوسرے سے نہ چھپانا پایا جاتا ہے تو آپ نے اسے یہ جواب دے کر دونوں آیتوں کی تطبیق سمجھا دی۔ ایک اور روایت میں سائل کا نام بھی آیا ہے کہ وہ حضرت نافع بن ارزق تھے۔ یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ شاید تم کسی ایسی مجلس سے آ رہے ہو جہاں ان کا تذکرہ ہو رہا ہوگا یا تم نے کیا ہوگا کہ میں جاتا ہوں اور ابن عباسؓ سے دریافت کرتا ہوں۔ اگر میرا یہ گمان صحیح ہے تو تمہیں لازم ہے کہ جواب سن کر انہیں بھی جا کر سنا دو۔ پھر یہی جواب دیا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

اے ایمان والو تم جب نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو اور نہ جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو۔ ہاں اگر راہ چلتے مسافر ہو تو اور بات ہے اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانے سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے منہ اور ہاتھ مل لو بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے اور بخشنے والا ہے ○

بتدریج حرمت شراب اور پس منظر: ☆☆ (آیت:۴۳) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ایمان دار بندوں کو نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے روک رہا ہے کیونکہ اس وقت نمازی کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور ساتھ ہی محل نماز یعنی مسجد میں آنے سے روکا جا رہا ہے اور ساتھ ہی جنبی شخص جسے نہانے کی حاجت ہو محل نماز یعنی مسجد میں آنے سے روکا جا رہا ہے۔ ہاں ایسا شخص کسی کام کی وجہ سے مسجد کے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائے تو جائز ہے نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کا حکم شراب کی حرمت سے پہلے تھا جیسے اس حدیث سے ظاہر ہے جو ہم نے سورہ بقرہ کی آیت يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ الخ[1] کی تفسیر میں بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے جب وہ آیت حضرت عمرؓ کے سامنے تلاوت کی تو آپ نے دعا مانگی کہ اے اللہ شراب کے بارے میں اور صاف صاف بیان نازل فرما۔ پھر نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کی یہ آیت اتری۔ اس پر نمازوں کے وقت اس کا پینا لوگوں نے چھوڑ دیا۔ اسے سن کر بھی جناب فاروقؓ نے یہی دعا مانگی تو آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ سے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تک نازل ہوئی جس میں شراب سے بچنے کا حکم صاف موجود ہے۔ اسے سن کر فاروق اعظمؓ نے فرمایا' ہم باز آئے۔ اسی روایت کی ایک سند میں ہے کہ جب سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی اور نشے کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہوئی اس وقت یہ دستور تھا کہ جب نماز کھڑی ہوتی تو ایک شخص آواز لگاتا کہ کوئی نشہ والا نماز کے قریب نہ آئے۔

ابن ماجہ شریف میں ہے' حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میرے بارے میں چار آیتیں نازل ہوئی ہیں- ایک انصاری نے بہت سے لوگوں کی دعوت کی- ہم سب نے خوب کھایا پیا' پھر شرابیں پیں اور مخمور ہو گئے' پھر آپس میں فخر جتانے لگے- ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر حضرت سعد کو ماری جس سے ناک پر زخم آیا اور اس کا نشان باقی رہ گیا- اس وقت تک شراب کو اسلام نے حرام نہیں کیا تھا پس یہ آیت نازل ہوئی' یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی پوری مروی ہے- ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ عبدالرحمان بن عوفؓ نے دعوت کی' سب نے کھانا کھایا' پھر شراب پی اور مست ہو گئے- اتنے میں نماز کا وقت آ گیا ایک شخص کو امام بنایا اس نے نماز میں سورۂ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ میں اس طرح پڑھا مَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ - اس پر یہ آیت اتری اور نشے کی حالت میں نماز کا پڑھنا منع کیا گیا- یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے- ابن جریرؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمانؓ اور تیسرے ایک اور صاحب نے شراب پی اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نماز میں امام بنائے گئے اور قرآن کی قرات خلط ملط کر دی' اس پر یہ آیت اتری' ابوداؤد اور نسائی میں بھی یہ روایت ہے- ابن جریرؒ کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے امامت کی اور جس طرح پڑھنا چاہئے تھا' نہ پڑھ سکے- اس پر یہ آیت نازل ہوئی- اور ایک روایت میں مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت کرائی اور اس طرح پڑھا قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَاَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ وَ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ پس یہ آیت نازل ہوئی اور اس حالت میں نماز پڑھنا حرام کر دیا گیا- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شراب کی حرمت سے پہلے لوگ نشہ کی حالت میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے- پس اس آیت سے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا (ابن جریرؒ)-

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' اس کے نازل ہونے کے بعد لوگ اس سے رک گئے- پھر شراب کی مطلق حرمت نازل ہونے کے بعد لوگ اس سے بالکل تائب ہو گئے- پھر شراب کی مطلق حرمت نازل ہوئی- حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں' اس سے شراب کا نشہ مراد نہیں بلکہ نیند کا خمار مراد ہے' امام ابن جریر فرماتے ہیں ٹھیک یہی ہے کہ مراد اس سے شراب کا نشہ ہے اور یہاں خطاب ان سے کیا گیا ہے جو نشہ میں ہیں لیکن اتنے نشہ میں بھی نہیں کہ احکام شرع ان پر جاری ہی نہ ہو سکیں کیونکہ نشے کی ایسی حالت والا شخص مجنون کے حکم میں ہے- بہت سے اصولی حضرات کا قول ہے کہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو کلام کو سمجھ سکیں- ایسے نشہ والوں کی طرف نہیں جو سمجھتے ہی نہیں کہ ان سے کیا کہا جا رہا ہے اس لئے کہ خطاب کا تکلیف کی سمجھنا شرط ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گو الفاظ یہ ہیں کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو لیکن مراد یہ ہے کہ نشے کی چیز کھاؤ پیو بھی نہیں اس لئے کہ دن رات میں پانچ وقت نماز فرض ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ایک شرابی ان پانچوں وقت کی نمازیں ٹھیک وقت پر ادا کر سکے حالانکہ شراب برابر پی رہا ہے- واللہ اعلم' پس یہ حکم بھی اسی طرح ہو گا جس طرح یہ حکم ہے کہ ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرنا تم مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو- تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی تیاری ہر وقت رکھو اور ایسے پاکیزہ اعمال ہر وقت کرتے رہو کہ جب تمہیں موت آئے تو اسلام پر دم نکلے- یہ جو اس آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ یہاں تک کہ تم معلوم کر سکو جو تم کہہ رہے ہو' یہ نشہ کی حد ہے یعنی نشہ کی حالت میں اس شخص کو سمجھا جائے گا جو اپنی بات نہ سمجھ سکے- نشہ والا انسان قرات میں خلط ملط کر دے گا- اسے سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کا موقعہ نہ ملے گا نہ ہی اسے عاجزی اور خشوع و خضوع حاصل ہو سکتا ہے' مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب تم میں سے اگر کوئی نماز میں اونگھنے لگے تو اسے چاہئے کہ وہ نماز چھوڑ کر سو جائے جب تک کہ وہ جاننے لگے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے- بخاری اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے اور اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ممکن ہے کہ وہ اپنے لئے استغفار کرے لیکن اس کی

زبان سے اس کے خلاف نکلے۔

آداب مسجد اور مسائل تیمم: ☆☆ پھر فرمان ہے کہ جنبی نماز کے قریب نہ جائے جب تک غسل نہ کر لے۔ ہاں بطور گزر جانے کے مسجد میں سے گزرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایسی ناپاکی کی حالت میں مسجد میں جانا ناجائز ہے ہاں مسجد کے ایک طرف سے نکل جانے میں کوئی حرج نہیں۔ مسجد میں بیٹھے نہیں اور بھی بہت سے صحابہؓ اور تابعین کا یہی قول ہے' حضرت یزید بن ابو حبیب فرماتے ہیں بعض انصار جو مسجد کے گرد رہتے تھے اور جنبی ہوتے تھے' گھر میں پانی نہیں ہوتا تھا اور گھر کے دروازے مسجد سے متصل تھے انہیں اجازت مل گئی کہ مسجد سے اسی حالت میں گزر سکتے ہیں۔ بخاری شریف کی ایک حدیث سے بھی یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کے گھروں کے دروازے مسجد میں تھے چنانچہ حضورؐ نے اپنے آخری مرض الموت میں فرمایا تھا کہ مسجد میں جن جن لوگوں کے دروازے پڑتے ہیں' سب کو بند کر دو۔ حضرت ابو بکرؓ کا دروازہ رہنے دو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے بعد آپ کے جانشین حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے تو انہیں ہر وقت بکثرت مسجد میں آنے جانے کی ضرورت رہے گی تاکہ مسلمانوں کے اہم امور کا فیصلہ کر سکیں اس لئے آپ نے سب کے دروازے بند کرنے اور صدیق اکبرؓ کا دروازہ کھلا رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ بعض سنن کی اس حدیث میں بجائے حضرت ابو بکرؓ کے حضرت علیؓ کا نام ہے' وہ بالکل غلط ہے' صحیح یہی ہے جو صحیح میں ہے' اس آیت سے اکثر ائمہ نے دلیل پکڑی ہے کہ جنبی شخص کو مسجد میں ٹھہرانا حرام ہے۔ ہاں گزر جانا جائز ہے۔ اسی طرح حیض و نفاس والی عورتوں کو بھی اور بعض کہتے ہیں ان دونوں کو گزرنا بھی جائز نہیں' ممکن ہے مسجد میں آلودگی ہو اور بعض کہتے ہیں اگر اس بات کا خوف نہ ہو تو ان کا گزرنا بھی جائز ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ مسجد سے مجھے بوریا اٹھا دو تو ام المومنین نے عرض کیا' حضورؐ میں حیض سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حائضہ مسجد میں آ جا سکتی ہے اور نفاس والی کے لئے بھی یہی حکم ہے یہ دونوں بطور راستہ چلنے کے جا آ سکتی ہیں۔ ابوداؤد میں فرمان رسولؐ ہے کہ میں حائض اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ امام ابو مسلم خطابیؒ فرماتے ہیں' اس حدیث کو ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے کیونکہ "افلت" اس کا راوی مجہول ہے۔ لیکن ابن ماجہ میں یہ روایت ہے' اس میں "افلت" کی جگہ معدوم ذہلی ہیں۔ پہلی حدیث بروایت حضرت عائشہؓ اور یہ دوسری بروایت حضرت ام سلمہؓ ہے لیکن ٹھیک نام حضرت عائشہؓ کا ہی ہے۔ ایک اور حدیث ترمذی میں ہے جس میں ہے کہ اے علیؓ اس مسجد میں جنبی ہونا میرے اور تیرے سوا کسی کو حلال نہیں۔ یہ حدیث بالکل ضعیف ہے اور ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس میں سالم راوی ہے جو متروک ہے اور ان کے استاد عطیہ بھی ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ جنبی شخص بغیر غسل کئے نماز نہیں پڑھ سکتا لیکن اگر وہ مسافر ہو اور پانی نہ ملے تو پانی کے ملنے تک پڑھ سکتا ہے۔ ابن عباس' سعید بن جبیر اور ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت مجاہد' حسن' حکم' زید اور عبدالرحمان رحمھم اللہ علیھم سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ عبداللہ بن کثیرؒ فرماتے ہیں' ہم سنا کرتے تھے کہ یہ آیت سفر کے حکم میں ہے۔ اس حدیث سے بھی مسئلہ کی شہادت ہو سکتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' پاک مٹی مسلمان کی طہارت ہے گو دس سال تک پانی نہ ملے اور جب مل جائے تو اسی کو استعمال کرے یہ تیرے لئے بہتر ہے (سنن اور احمد)۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں' ان دونوں قولوں میں اولیٰ قول انہی لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں اس سے مراد صرف گزر جانا ہے کیونکہ جس مسافر کو جنب کی حالت میں پانی نہ ملے' اس کا حکم تو آگے صاف بیان ہوا ہے۔ پس اگر یہی مطلب یہاں بھی لیا جائے تو پھر دوسرے جملہ میں

اسے لوٹانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی- پس معنی آیت کے اب یہ ہوئے کہ ایمان والو! نماز کے لئے مسجد میں نہ جاؤ جبکہ تم نشے میں ہو جب تک اپنی بات کو آپ نہ سمجھنے لگو- اسی طرح جنب کی حالت میں بھی مسجد میں نہ جاؤ جب تک نہا نہ لو- ہاں صرف گزر جانا جائز ہے- عَابِرٌ کے معنی آنے جانے یعنی گزر جانے والے ہیں- اس کا مصدر عَبْرًا اور عُبُوْرًا آتا ہے جب کوئی نہر سے گزرے تو عرب کہتے ہیں عَبَرًا فُلَانُ النَّهْرَ فلاں شخص نے نہر سے عبور کر لیا اسی طرح قوی اونٹنی کو جو سفر کاٹتی ہو عَبْرَ الْاَسْفَارَ کہتے ہیں- امام ابن جریرؒ جس قول کی تائید کرتے ہیں' یہی قول جمہور کا ہے اور آیت سے ظاہر بھی یہی ہے- یعنی اللہ تعالیٰ اس ناقص حالت میں نماز سے منع فرما رہا ہے جو مقصود نماز کے خلاف ہے اسی طرح نماز کی جگہ میں بھی ایسی حالت میں آنے کو روکتا ہے جو اس جگہ کی عظمت اور پاکیزگی کے خلاف ہے- واللہ اعلم-

پھر جو فرمایا کہ یہاں تک کہ تم غسل کر لو' امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم اسی دلیل کی روشنی میں کہتے ہیں کہ جنبی کو مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے جب تک غسل نہ کر لے یا اگر پانی نہ ملے یا پانی ہو لیکن اس کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو تیمم کر لے- حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں' جب جنبی نے وضو کر لیا تو اسے مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن سعید بن منصور میں مروی ہے حضرت عطا بن یسار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کو دیکھا کہ وہ جنبی ہوتے اور وضو کر کے مسجد میں بیٹھے رہتے- واللہ اعلم-

پھر تیمم کے مواقع بیان فرمائے- جس بیماری کی وجہ سے تیمم جائز ہو جاتا ہے وہ وہ بیماری ہے کہ اس وقت پانی کے استعمال سے عضو کے فوت ہو جانے یا اس کے خراب ہو جانے یا مرض کی مدت کے بڑھ جانے کا خوف ہو- بعض علماء نے ہر مرض پر تیمم کی اجازت کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ آیت میں عموم ہے' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری بیمار تھے' نہ تو کھڑے ہو کر وضو کر سکتے تھے نہ ان کا کوئی خادم تھا جو انہیں پانی دے- انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا' اس پر یہ حکم اترا یہ روایت مرسل ہے' دوسری حالت میں تیمم کا جواز سفر ہے خواہ لمبا سفر ہو خواہ چھوٹا- غَآئِطْ نرم زمین کو یہاں سے کنایہ کیا گیا ہے پاخانہ پیشاب سے لٰمَسْتُمْ کی دوسری قرات لَمَسْتُمْ ہے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں- ایک یہ کہ مراد جماع ہے جیسے اور آیت میں ہے وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ الخ' یعنی اگر تم اپنی بیویوں کو مجامعت سے پہلے طلاق دو اور ان کا مہر مقرر ہو تو جو مقرر ہوا اس سے آدھا دے دو' اور آیت میں ہے اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو' پھر مجامعت سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو ان کے ذمہ عدت نہیں یہاں بھی لفظ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ہے- حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ سے مراد مجامعت ہے- حضرت علیؓ' حضرت ابی ابن کعبؓ حضرت مجاہدؒ حضرت طاؤسؒ حضرت حسنؒ' حضرت عبید بن عمیرؒ حضرت سعید بن جبیرؒ' حضرت شعبیؒ' حضرت قتادہؒ' حضرت مقاتل بن حیان رحمھم اللہ سے بھی یہی مروی ہے- سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ایک مرتبہ اس لفظ پر مذاکرہ ہوا تو چند موالی نے کہا' یہ جماع نہیں اور چند عرب نے کہا جماع ہے- میں نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا ذکر کیا- آپ نے پوچھا' تم کن کے ساتھ تھے' میں نے کہا موالی کے' فرمایا موالی مغلوب ہو گئے- لمس اور مس اور مباشرت کا معنی جماع ہے' اللہ تعالیٰ نے یہاں کنایہ کیا ہے' بعض اور حضرات نے اس سے مراد مطلق چھونا لیا ہے خواہ جسم کے کسی حصہ کو عورت کے کسی حصہ سے ملایا جائے تو وضو واجب ہو جاتا ہے- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' لمس جماع کے ہم معنی نہیں- آپؓ فرماتے ہیں' بوسہ بھی لمس میں داخل ہے اور اس سے بھی وضو کرنا پڑے گا- فرماتے ہیں مباشرت سے' ہاتھ لگانے سے' بوسہ لینے سے وضو کرنا پڑے گا- لمس سے مراد چھونا ہے- ابن عمرؓ بھی عورت کا بوسہ لینے سے وضو کرنے کے قائل تھے اور اسے لمس میں داخل جانتے تھے- عبیدہؒ' ابوعثمانؒ' ثابت' ابراہیم' زید رضوان اللہ عنہم بھی کہتے ہیں' لمس سے مراد جماع کے علاوہ ہے' حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے

ہیں' انسان کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے ہاتھ لگانا ملامست ہے' اس سے وضو کرنا پڑے گا (موطا مالک) دارقطنی میں خود حضرت عمرؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے لیکن دوسری روایت آپ سے اس کے خلاف بھی پائی جاتی ہے۔ آپ باوضو تھے۔ آپ نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا۔ پھر وضو نہ کیا اور نماز ادا کی۔ پس دونوں روایتوں کو صحیح ماننے کے بعد یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آپ وضو کو مستحب جانتے تھے۔ واللہ اعلم۔

مطلق چھونے سے وضو کے قائل امام شافعیؒ اور ان کے ساتھی امام مالکؒ ہیں اور مشہور امام احمد بن حنبلؒ سے بھی یہی روایت ہے۔ اس قول کے قائل کہتے ہیں کہ یہاں دو قراتیں ہیں لَامَسْتُمْ اور لَمَسْتُمْ اور لمس کا اطلاق ہاتھ لگانے پر بھی قرآن کریم میں آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ ظاہر ہے کہ یہاں ہاتھ لگانا ہی مراد ہے۔ اسی طرح حضرت ماغر بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ شاید تم نے بوسہ لیا ہو گا یا ہاتھ لگایا ہو گا' وہاں بھی لفظ لَمَسْتَ ہے اور صرف ہاتھ لگانے کے معنی میں ہے' اور حدیث میں ہے وَالْيَدُ زِنَاهَا اللَّمْسُ ہاتھ کا زنا' چھونا اور ہاتھ لگانا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں' بہت کم دن ایسے گزرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آ کر بوسہ نہ لیتے ہوں یا ہاتھ نہ لگاتے ہوں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بیع ملامست سے منع فرمایا۔ یہ بھی ہاتھ لگانے کی بیع ہے۔ پس یہ لفظ جس طرح جماع پر بولا جاتا ہے' ہاتھ سے چھونے پر بھی بولا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے وَلَمَسْتُ كَفِّيْ كَفَّهٗ اَطْلُبُ الْغِنٰى میرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ملا۔ میں تونگری چاہتا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص سرکار محمدؐ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ حضورؐ اس شخص کے بارے میں کیا فیصلہ ہے جو ایک اجنبیہ عورت کے ساتھ تمام وہ کام کرتا ہے جو میاں بیوی میں ہوتے ہیں سوائے جماع کے تو آیت اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ نازل ہوتی ہے اور حضورؐ فرماتے ہیں' وضو کر کے نماز ادا کر لے۔ اس پر حضرت معاذؓ پوچھتے ہیں' کیا یہ اسی کے لئے خاص ہے یا سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ آپ جواب دیتے ہیں تمام ایمان والوں کے لئے ہے' امام ترمذیؒ اسے زائدہ کی حدیث سے روایت کر کے فرماتے ہیں' اس کی سند متصل نہیں۔ امام نسائی اسے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ الغرض اس قول کے قائل اس حدیث سے یہ کہتے ہیں کہ اسے وضو کا حکم اسی لئے دیا کہ اس نے عورت کو چھوا تھا۔ جماع نہیں کیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اولاً تو یہ منقطع ہے۔ ابن ابی لیلا اور معاذ کے درمیان ملاقات کا ثبوت نہیں دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے اسے وضو کا حکم فرض نماز کی ادائیگی کے لئے دیا ہو جیسے کہ حضرت صدیقؓ والی حدیث ہے کہ جو بندہ کوئی گناہ کرے' پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ یہ پوری حدیث سورۂ آل عمران میں آیت ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ان دونوں قولوں میں سے اولیٰ قول ان کا ہے جو کہتے ہیں کہ مراد اس سے جماع ہے نہ کہ اور کیونکہ صحیح مرفوع حدیث میں آ چکا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی کسی بیوی صاحبہ کا بوسہ لیا اور بغیر وضو کئے نماز پڑھی' حضرت مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' آنحضرت رسول مقبول ﷺ وضو کرتے بوسہ لیتے پھر بغیر وضو کئے نماز پڑھتے۔

حضرت حبیبؒ فرماتے ہیں' مائی عائشہ نے فرمایا' حضورؐ اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیتے' نماز کو جاتے میں نے کہا وہ آپ ہی ہوں گی تو آپ مسکرا دیں' اس کی سند میں کلام ہے لیکن دوسری سندوں سے بغیر وضو کئے ثابت ہے کہ اوپر کے راوی یعنی حضرت صدیقہ سے سننے والے حضرت عروہ بن زبیر ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ وضو کے بعد حضورؐ نے میرا بوسہ لیا اور پھر وضو کئے بغیر نماز ادا کی' حضرت ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ بوسہ لیتے حالانکہ آپ روزے سے ہوتے۔ پھر نہ تو روزہ جاتا نہ نیا وضو کرتے (ابن جریر) حضرت زینب بنت خزیمہؓ فرماتی ہیں' حضورؐ بوسہ لینے کے بعد وضو نہ کرتے اور نماز پڑھتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو اس سے اکثر فقہا نے استدلال کیا ہے کہ پانی نہ پانے والے کے لئے

تیمم کی اجازت پانی کی تلاش کے بعد ہے۔ کتب فروع میں تلاش کی کیفیت بھی لکھی ہے۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ الگ تھلگ ہے اور لوگوں کے ساتھ اس نے نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی تو آپؐ نے اس سے پوچھا' تو نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھی؟ کیا تو مسلمان نہیں؟ اس نے کہا' یارسول اللہ ہوں تو مسلمان لیکن جنبی ہو گیا اور پانی نہ ملا۔ آپؐ نے فرمایا' پھر اس صورت میں تجھے مٹی کافی تھی۔ تیمم کے لفظی معنی قصد کرنے کے ہیں' عرب کہتے ہیں تَیَمَّمَكَ اللّٰهُ بِحِفْظِهٖ یعنی اللہ اپنی حفاظت کے ساتھ تیرا قصد کرے' امراء القیس کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ صعید کے معنی میں کہا گیا ہے کہ ہر وہ چیز جو زمین میں سے اوپر کو چڑھے' پس اس میں مٹی' ریت' درخت' پتھر' گھاس بھی داخل ہو جائیں گے۔ امام مالکؒ کا قول یہی ہے اور کہا گیا ہے کہ جو چیز مٹی کی جنس سے ہو جیسے ریت' ہڑتال اور چونا' یہ مذہب ابو حنیفہؒ کا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف مٹی ہے مگر یہ قول ہے حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ان کے تمام ساتھیوں کا ہے۔ اس کی دلیل ایک تو قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا یعنی ہو جائے وہ مٹی پھسلتی۔ دوسری دلیل صحیح مسلم شریف کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ہمیں تمام لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں۔ ہماری صفیں مثل فرشتوں کی صفوں کے ترتیب دی گئیں۔ ہمارے لئے تمام زمین مسجد بنائی گئی اور زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک اور پاک کرنے والی بنائی گئی جبکہ ہم پانی نہ پائیں۔ اور ایک سند سے بجائے تربت کے تراب کا لفظ مروی ہے۔ پس اس حدیث میں احسان کے جتاتے وقت مٹی کی تخصیص کی گئی۔ اگر کوئی اور چیز بھی وضو کے قائم مقام کام آنے والی ہوتی تو اس کا ذکر بھی ساتھ ہی کر دیتے۔ یہاں یہ لفظ طیب اسی کے معنی میں آیا ہے۔ مراد حلال ہے اور کہا گیا ہے کہ مراد پاک ہے جیسے حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' پاک مٹی مسلمانوں کا وضو ہے گو دس سال تک پانی نہ پائے۔ پھر جب پانی ملے تو اسے اپنے جسم سے بہائے۔ یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں' حافظ ابوالحسن قطانؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' سب سے زیادہ پاک مٹی کھیت کی زمین کی مٹی ہے بلکہ تفسیر ابن مردویہ میں تو اسے مرفوعاً وارد کیا ہے۔

پھر فرمان ہے کہ اسے اپنے چہرے پر اور ہاتھ پر ملو' تیمم وضو کا بدل ہے۔ صرف پاکیزگی حاصل کرنے میں نہ کہ تمام اعضاء کے بارے میں' تو صرف منہ اور دونوں ہاتھوں پر ملنا کافی ہے اور اس پر اجماع ہے لیکن کیفیت تیمم میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ جدید مذہب شافعی یہ ہے کہ دو دفعہ کر کے منہ اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا واجب ہے اس لئے کہ یدین کا اطلاق بغلوں تک اور کہنیوں تک ہوتا ہے جیسے آیت وضو میں اسی لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور مراد صرف ہتھیلیاں ہی ہوتی ہیں جیسے کہ چور کی حد کے بارے میں فرمایا فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا کہتے ہیں یہاں تیمم کے حکم میں ہاتھ کا ذکر مطلق ہے اور وضو کے حکم سے مشروط ہے۔ اس لئے اس مطلق کو اس مشروط پر محمول کیا جائے گا کیونکہ طہوریت جامع موجود ہے اور بعض لوگ اس کی دلیل میں دارقطنی والی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا' تیمم کی دو ضربیں ہیں' ایک مرتبہ ہاتھ مار کر منہ پر ملنا اور ایک مرتبہ ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک ملنا لیکن یہ حدیث صحیح نہیں اس لئے کہ اس کی اسناد میں ضعف ہے حدیث ثابت نہیں۔ ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ ایک دیوار پر مارے اور منہ پر ملے۔

پھر دوبارہ ہاتھ مار کر اپنے دونوں بازوؤں پر ملے۔ لیکن اس کی اسناد میں محمد بن ثابت عبدی ضعیف ہیں۔ انہیں بعض حافظان حدیث نے ضعیف کہا ہے اور یہی حدیث بعض ثقہ راویوں نے بھی روایت کی ہے لیکن وہ مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فعل بتاتے ہیں۔ امام بخاری' امام ابو زرعہؒ اور امام ابن عدیؒ کا فیصلہ ہے کہ یہ موقوف ہی ہے اور امام بیہقیؒ فرماتے ہیں' اس حدیث کو مرفوع کرنا منکر ہے' امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیمم کیا اور اپنے چہرے اور اپنے دونوں بازوؤں پر ہاتھ پھیرا' حضرت ابو جہیمؓ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے ہیں۔ میں نے آپ کو سلام کیا لیکن آپؐ نے جواب نہ دیا۔ فارغ ہو کر آپؐ ایک دیوار

کے پاس گئے اور آپنے دونوں ہاتھ اس پر مار کر اپنے منہ پر ملے۔ پھر میرے سلام کا جواب دیا (ابن جریر)۔

یہ تو تھا امام شافعیؒ کا جدید مذہب۔ آپ کا خیال یہ ہے کہ ضربیں تو تیمم میں دو ہی ہیں لیکن دوسری ضرب میں ہاتھوں کو پہنچوں تک ملنا چاہئے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک ہی ضرب یعنی ایک ہی مرتبہ دونوں ہاتھوں کا مٹی پر مار لینا کافی ہے ان گرد آلود ہاتھوں کو منہ پر پھیر لے اور دونوں ہاتھوں پر پہنچے تک۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا کہ میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہ ملا تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟ آپ نے فرمایا' نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ دربار میں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ فرمانے لگے۔ امیر المومنین آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک لشکر میں تھے اور ہم جنبی ہوئے گئے اور ہمیں پانی نہ ملا تو آپ نے نماز نہ پڑھی اور میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ کر نماز ادا کر لی۔ جب ہم واپس پلٹے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو میں نے اس واقعہ کا بیان حضورؐ سے کیا تو آپ نے فرمایا مجھے اتنا کافی تھا۔ پھر حضورؐ نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونک ماردی اور اپنے منہ کو ملا اور ہتھیلیوں کو ملا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' تیمم میں ایک ہی مرتبہ ہاتھ مارنا جو چہرے کے لئے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے لئے ہے۔ مسند احمد میں ہے' حضرت شقیق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو حضرت ابو لیلیٰؓ نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ اگر کوئی شخص پانی نہ پائے تو نماز نہ پڑھے۔ اس پر حضرت عبداللہ نے فرمایا۔ کیا تمہیں یاد نہیں جبکہ مجھے اور آپ کو رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے بارے میں بھیجا تھا۔ وہاں میں جنبی ہو گیا اور مٹی میں لوٹ پوٹ لیا۔ واپس آ کر حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ہنس دیئے اور فرمایا۔ تجھے اس طرح کرنا ہی کافی تھا۔ پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ایک ساتھ مل لیا اور اپنے چہرے پر ایک بار ہاتھ پھیر لئے اور ضرب ایک ہی رہی' تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا لیکن حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہیں کی۔ یہ سن کر حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا' پھر تم اس آیت کا کیا کرو گے جو سورۂ نساء میں ہے کہ پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ اس کا جواب حضرت عبداللہ نہ دے سکے اور فرمانے لگے سنو' اگر ہم نے لوگوں کو تیمم کی رخصت دے دی تو بہت ممکن ہے کہ پانی جب انہیں ٹھنڈا معلوم ہو گا تو وہ تیمم کرنے لگیں گے۔ سورہ مائدہ میں فرمان ہے فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ مِّنۡهُ اس سے اپنے چہرے اور ہاتھ پر ملو۔ اس سے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے دلیل پکڑی ہے کہ تیمم کا پاک مٹی سے ہونا اور اس کا بھی غبار آلود ہونا جس سے ہاتھوں پر غبار لگے اور وہ منہ اور ہاتھ پر ملا جائے ضروری ہے جیسے کہ حضرت ابو جہیمؓ والی حدیث میں گزرا ہے کہ انہوں نے حضورؐ کو استنجا کرتے ہوئے دیکھا اور سلام کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ فارغ ہو کر ایک دیوار کے پاس گئے اور اپنی لکڑی سے کھرچ کر ہاتھ مار کر تیمم کیا۔

پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے دین میں تنگی اور سختی کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تمہیں پاک صاف کرنا چاہتا ہے اسی لئے پانی نہ پانے کے وقت مٹی کے ساتھ تیمم کر لینے کو مباح قرار دے کر تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمایا تاکہ تم شکر کرو۔ پس یہ امت اس نعمت کے ساتھ مخصوص ہے جیسے کہ بخاری و مسلم میں ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں' مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ مہینے بھر کی راہ تک میری مدد رعب سے کی گئی ہے' میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے۔ میرے جس امتی کو جہاں نماز کا وقت آ جائے' وہ وہیں پڑھ لے۔ اس کی مسجد اور اس کا وضو وہیں اس کے پاس موجود ہے' میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے۔ مجھے شفاعت دی گئی۔ تمام انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے رہے لیکن میں تمام دنیا کی طرف بھیجا گیا۔ اور صحیح مسلم کے حوالے سے وہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ تمام لوگوں پر ہمیں تین فضیلتیں عنایت کی گئیں۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح

بنائی گئیں۔ ہمارے لیئے زمین مسجد بنائی گئی اور اس کی مٹی وضو بنائی گئی جب ہمیں پانی نہ ملے' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر حکم دیتا ہے کہ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ پر مسح کر' پانی نہ ملنے کے وقت' اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اس کی عفو و درگزر شان ہے کہ اس نے تمہارے لئے پانی نہ ملنے کے وقت تیمم کو مشروع کر کے نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اگر یہ رخصت نہ ہوتی تو تم ایک گونہ مشکل میں پڑ جاتے کیونکہ اس آیہ کریمہ میں نماز کو ناقص حالت میں ادا کرنا منع کیا گیا ہے مثلاً نشے کی حالت میں ہو یا جنابت کی حالت میں ہو یا بے وضو ہو تو جب تک اپنی باتیں خود سمجھنے جتنا ہوش اور باقاعدہ غسل اور شرعی طریق پر وضو نہ ہو' نماز نہیں پڑھ سکتے لیکن بیماری کی حالت میں اور پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل اور وضو کے قائم مقام تیمم کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے احسان پر ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ الحمد للہ۔

تیمم کی رخصت نازل ہونے کا واقعہ بھی سن لیجئے۔ ہم اس واقعہ کو سورۂ نساء کی اس آیت کی تفسیر میں اس لئے بیان کرتے ہیں کہ سورہ مائدہ میں جو تیمم کی آیت ہے' وہ نازل ہوئی یہ اس کے بعد کی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ واضح ہے کہ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی تھی اور شراب جنگ احد کے کچھ عرصہ کے بعد جبکہ نبی ﷺ بنو نضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے' حرام ہوئی اور سورہ مائدہ قرآن میں نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ہے بالخصوص اس سورت کا ابتدائی حصہ لہذا مناسب یہی ہے کہ تیمم کا شان نزول یہیں بیان کیا جائے۔ اللہ نیک توفیق دے' اسی کا بھروسہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک ہار واپس کر دینے کے وعدے پر مستعار لیا تھا' وہ سفر میں کہیں گم ہو گیا حضورؐ نے اسے ڈھونڈنے کے لئے آدمی بھیجے انہیں ہار مل گیا لیکن نماز کا وقت اس کی تلاش میں فوت ہو گیا اور ان کے ساتھ پانی نہ تھا انہوں نے بے وضو نماز ادا کی اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر اس کی شکایت کی اس پر تیمم کا حکم نازل ہوا۔ حضرت اسید بن حضیرؓ کہنے لگے' اے ام المومنین عائشہؓ اللہ آپ کو جزائے خیر دے' اللہ کی قسم جو تکلیف آپ کو پہنچی ہے' اس کا انجام ہم مسلمانوں کے لئے خیر ہی خیر ہوتا ہے۔

بخاری میں ہے' حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' ہم اپنے کسی سفر میں تھے بیداء میں یا ذات الجیش میں' میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا جس کے ڈھونڈنے کے لئے حضورؐ مع قافلہ ٹھہر گئے۔ اب نہ تو ہمارے پاس پانی تھا نہ وہاں میدان میں کہیں پانی تھا۔ لوگ میرے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس میری شکایتیں کرنے لگے کہ دیکھو ہم ان کی وجہ سے کیسی مصیبت میں پڑ گئے چنانچہ میرے والد صاحب میرے پاس آئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے تھے آتے ہی مجھے کہنے لگے' تو نے حضورؐ کو اور لوگوں کو روک دیا۔ اب نہ تو ان کے پاس پانی ہے نہ یہاں اور کہیں پانی نظر آتا ہے۔ الغرض مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور اللہ جانے کیا کیا کہا اور میرے پہلو میں اپنے ہاتھ سے کچوکے بھی مارتے رہے لیکن میں نے ذرا سی بھی جنبش نہ کی کہ ایسا نہ ہو کہ حضورؐ کے آرام میں خلل واقع ہو۔ ساری رات گزر گئی۔ صبح کو لوگ جاگے لیکن پانی نہ تھا۔ اللہ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی اور سب نے تیمم کیا۔ حضرت اسید بن حضیرؓ کہنے لگے' اے ابوبکر کے گھرانے والو' یہ کچھ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں' اب جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر یہ سوار تھیں تو اس کے نیچے سے ہی ہار مل گیا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ذات الجیش سے گزرے۔ ام المومنینؓ کا یمنی خر مہروں کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا تھا اور گم ہو گیا تھا۔ اس کی تلاش میں یہاں ٹھہر گئے۔ ساری رات آپ کے ہم سفر مسلمانوں نے اور آپؐ نے یہیں گزاری۔ صبح اٹھے تو پانی بالکل نہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر پاک مٹی سے تیمم کر کے پاکی حاصل کرنے کی رخصت کی آیت اتاری اور مسلمانوں نے حضورؐ کے ساتھ کھڑے ہو کر زمین پر اپنے ہاتھ مارے اور جو مٹی ان سے لت پت ہوئی اسے جھاڑے بغیر اپنے چہرے پر اور اپنے ہاتھوں پر مونڈھوں تک اور ہاتھوں کے نیچے سے بغل تک مل لی۔

ابن جریر کی روایت میں ہے کہ اس سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر غصہ ہو کر گئے تھے لیکن تیمم کی رخصت کے حکم کو سن کر خوشی خوشی اپنی صاحبزادی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور کہنے لگے تم بڑی مبارک ہو۔ مسلمانوں کو اتنی بڑی رخصت ملی پھر مسلمانوں نے زمین پر ایک ضرب سے چہرے ملے اور دوسری ضرب سے کہنیوں اور بغلوں تک ہاتھ لے گئے۔ ابن مردویہ میں روایت ہے حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کو چلا رہا تھا جس پر حضورؐ سوار تھے جاڑوں کا موسم تھا رات کا وقت تھا سخت سردی پڑ رہی تھی اور میں جنبی ہو گیا۔ ادھر حضورؐ نے کوچ کا ارادہ کیا۔ تو میں نے اپنی اس حالت میں حضورؐ کی اونٹنی کو چلانا پسند نہ کیا ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ اگر سرد پانی سے نہاؤں گا تو مر جاؤں گا یا بیمار پڑ جاؤں گا تو میں نے چپکے سے ایک انصاری کو کہا کہ آپ اونٹنی کی نکیل تھام لیجئے چنانچہ وہ چلاتے رہے اور میں نے آگ سلگا کر پانی گرم کر کے غسل کیا پھر دوڑ بھاگ کر قافلہ میں پہنچ گیا۔ آپؐ نے مجھے فرمایا' اسلع کیا بات ہے؟ اونٹنی کی چال کیسے بگڑی ہوئی ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہؐ میں اسے نہیں چلا رہا تھا بلکہ فلاں انصاری صاحب چلا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا' یہ کیوں؟ تو میں نے سارا واقعہ کہہ سنایا اور اللہ عزوجل نے آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ سے غَفُوْرًا تک نازل فرمائی۔ یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ڭ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے' وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ ○ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے اور اللہ کا دوست ہونا کافی ہے اور اللہ کا مددگار ہونا بس ہے ○ بعض یہود باتوں کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن تجھے تیرے خلاف نہ سنایا جائے اور ہماری رعایت کر (لیکن اس کہنے میں) اپنی زبان کو پیچ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور آپ سنئے اور ہمیں دیکھئے تو یہ ان کے لیے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے انہیں لعنت کی ہے پس یہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں ○

یہودیوں کی ایک مذموم خصلت: ☆☆ (آیت: ۴۴-۴۶) اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہودیوں کی ایک مذموم خصلت یہ بھی ہے کہ وہ گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دیتے ہیں' نبی آخر الزماںؐ پر جو کتاب نازل ہوئی' اس سے بھی روگردانی کرتے ہیں اور اللہ کا دیا ہوا علم ان کے

پاس ہے' اسے بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں خود اپنی کتابوں میں نبی موعود کی بشارتیں پڑھتے ہیں لیکن اپنے مریدوں سے چڑھاوا لینے کے لالچ میں ظاہر نہیں کرتے بلکہ ساتھ ہی یہ چاہتے ہیں کہ خود مسلمان بھی راہ راست سے بھٹک جائیں۔ اللہ کی کتاب کے مخالف ہو جائیں۔ ہدایت کو اور سچے علم کو چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے خوب باخبر ہے۔ وہ تمہیں ان سے مطلع کر رہا ہے کہ کہیں تم ان کے دھوکے میں نہ آ جاؤ۔ اللہ کی حمایت کافی ہے۔ تم یقین رکھو کہ وہ اپنی طرف جھکنے والوں کی ضرور حمایت کرتا ہے۔ وہ اس کا مددگار بن جاتا ہے۔ تیسری آیت جو لفظ من سے شروع ہوئی ہے' اس میں من بیان جنس کے لئے ہے جیسے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ میں۔ پھر یہودیوں کے اس فرقے کی جس تحریف کا ذکر ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کلام اللہ کے مطلب کو بدل دیتے ہیں اور خلاف منشائے الٰہی تفسیر کرتے ہیں اور ان کا یہ فعل جان بوجھ کر ہوتا ہے۔ قصداً افترا پردازی کے مرتکب ہوتے ہیں' پھر کہتے ہیں کہ اے پیغمبرؐ جو آپ نے کہا' ہم نے سنا لیکن ہم ماننے کے نہیں' خیال کیجئے' ان کے کفر و الحاد کو دیکھئے کہ جان کر' سن کر' سمجھ کر کھلے لفظوں میں اپنے ناپاک خیال کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ سنئے' اللہ کرے آپ نہ سنیں یا یہ مطلب کہ آپ سنئے' آپ کی نہ سنی جائے لیکن پہلا مطلب زیادہ اچھا ہے۔ یہ کہنا ان کا بطور تمسخر اور مذاق کے تھا اور اللہ انہیں لعنت کرے' علاوہ ازیں راعنا کہتے جس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا کہ یہ لوگ کہتے ہیں ہماری طرف کان لگائیے لیکن وہ اس لفظ سے مراد یہ لیتے تھے کہ تم بڑی رعونت والے ہو۔ اس کا پورا مطلب یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا الخ[1] کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جو ظاہر کرتے تھے' اس کے خلاف اپنی زبانوں کو موڑ کر طعن آمیز لہجہ میں کہتے اور حقیقی مفہوم اپنے دل میں مخفی رکھتے تھے۔ دراصل یہ لوگ حضور علیہ السلام کی بے ادبی اور گستاخی کرتے تھے۔ پس انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ان دو معنی والے الفاظ کا استعمال چھوڑ دیں اور صاف صاف کہیں کہ ہم نے سنا' مانا' آپ ہماری عرض سنئے! آپ ہماری طرف دیکھئے! یہ کہنا ہی ان کے لئے بہتر ہے اور یہی صاف سیدھی سچی اور مناسب بات ہے لیکن ان کے دل بھلائی سے دور ڈال دیئے گئے ہیں۔ ایمان' کامل طور سے ان کے دلوں میں جگہ ہی نہیں پاتا' اس جملے کی تفسیر بھی پہلے گزر چکی ہے مطلب یہ ہے کہ نفع دینے والا ایمان ان میں نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝47 اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝48

اے اہل کتاب جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اسے بھی سچا کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے' اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انہیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں یا ان پر لعنت بھیج دیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کر دی۔ اللہ کا امر ہوا ہی ہے ○ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے' اس نے بڑا طوفان باندھا ○

قرآن حکیم کا اعجاز تاثیر: ☆ ☆ اللہ عزوجل یہود ونصاری کو حکم دیتا ہے کہ میں نے اپنی زبردست کتاب اپنے بہترین نبی کے ساتھ نازل فرمائی ہے جس میں خود تمہاری اپنی کتاب کی تصدیق بھی ہے اس پر ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ ہم تمہاری صورتیں مسخ کر دیں یعنی منہ بگاڑ دیں۔ آنکھیں بجائے ادھر کے ادھر ہو جائیں یا یہ مطلب کہ تمہارے چہرے مٹا دیں۔ آنکھیں کان ناک سب مٹ جائیں۔ پھر یہ مسخ چہرہ بھی الٹا ہو جائے یہ عذاب ان کے بداعمال کا بدلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حق سے ہٹ کر باطل کی طرف ہدایت سے پھر کر ضلالت کی جانب بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ انہیں احساس دلا رہے ہیں کہ اب بھی باز آ جاؤ اور اپنے سے پہلے ایسی حرکت کرنے والوں کی صورتوں کے مسخ ہونے کو یاد کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی طرح تمہارا منہ الٹ دوں۔ تاکہ تمہیں پچھلے پیروں چلنا پڑے۔ تمہاری آنکھیں گدی کی طرف کر دوں اور اسی جیسی تفسیر بعض نے اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ الخ' کی آیت میں بھی کی ہے' غرض یہ ان کی گمراہی اور ہدایت سے دور پڑ جانے کی بری مثال بیان ہوئی ہے۔ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں سچ مچ حق کے راستے سے ہٹا دیں اور گمراہی کی طرف متوجہ کر دیں۔ ہم تمہیں کافر بنا دیں اور تمہارے چہرے بندروں جیسے کر دیں۔ ابوزیدؒ فرماتے ہیں' لوٹا دینا یہ تھا کہ ارض حجاز سے بلاد شام میں پہنچا دیا۔ یہ بھی مذکور ہے کہ اسی آیت کو سن کر حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابراہیمؒ کے سامنے حضرت کعبؓ کے اسلام کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا' حضرت کعبؓ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسلمان ہوئے۔ یہ بیت المقدس جاتے ہوئے مدینہ میں آئے۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس گئے اور فرمایا اے کعبؓ مسلمان ہو جاؤ انہوں نے جواب دیا' تم تو قرآن میں پڑھ چکے ہو کہ جنہیں توراۃ کا حامل بنایا گیا' انہوں نے اسے کما حقہ قبول نہ کیا۔ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بوجھ لادے ہوئے ہو اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جو توراۃ اٹھوائے گئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اسے چھوڑ دیا یہ یہاں سے چل کر حمص پہنچے۔ وہاں سنا کہ ایک شخص جو ان کے گھرانے میں سے تھا' اس آیت کی تلاوت کر رہا ہے جب اس نے آیت ختم کی' انہیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں سچ مچ اس آیت کی وعید مجھ پر صادق نہ آ جائے اور میرا منہ مسخ کر پلٹ نہ جائے' یہ جھٹ سے کہنے لگے یَارَبِّ اَسۡلَمۡتُ میرے اللہ میں ایمان لایا پھر حمص سے ہی واپس اپنے وطن یمن میں آئے اور یہاں سے اپنے تمام گھر والوں کو لے کر سارے کنبے سمیت مسلمان ہو گئے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کا واقعہ اس طرح مروی ہے کہ ان کے استاد ابو مسلم جلیلی ان کے حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے میں دیر لگانے کی وجہ سے ہر وقت انہیں ملامت کرتے رہتے تھے۔ پھر انہیں بھیجا کہ یہ دیکھیں کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جن کی خوشخبری اور اوصاف توراۃ میں ہیں؟ یہ آئے تو فرماتے ہیں' جب میں مدینہ شریف پہنچا تو ایک شخص قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا کہ اے اہل کتاب ہماری نازل کردہ کتاب تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔ بہتر ہے کہ اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم تمہارے منہ بگاڑ دیں اور انہیں الٹا کر دیں۔ میں چونک اٹھا اور جلدی جلدی غسل کرنے بیٹھ گیا اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا جاتا تھا کہ کہیں مجھے ایمان لانے میں دیر نہ لگ جائے اور میرا چہرہ الٹا نہ ہو جائے۔ پھر میں بہت جلد آ کر مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' یا ہم ان پر لعنت کریں جیسے کہ ہفتہ والوں پر ہم نے لعنت نازل کی یعنی جن لوگوں نے ہفتہ والے دن حیلے کر کے شکار کھیلا حالانکہ انہیں اس کام سے منع کیا گیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے ان کا مفصل واقعہ سورہ اعراف میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ارشاد ہوتا ہے' الٰہی کام پورے ہو کر ہی رہتے ہیں۔ وہ جب کوئی حکم کر دے تو کوئی نہیں جو اس کی مخالفت یا ممانعت کر سکے۔ پھر خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کے گناہ کو نہیں بخشتا' یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ مشرک ہو اس پر بخشش کے دروازے بند ہیں۔ اس جرم کے سوا اور گناہوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں چاہے تو بخش

دیتا ہے' اس آیۃ کریمہ کے متعلق بہت سی حدیثیں ہیں۔ ہم یہاں بقدر آسانی ذکر کرتے ہیں۔

گناہوں کے تین دیوان: ☆☆ پہلی حدیث بحوالہ مسند احمد۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہوں کے تین دیوان ہیں۔ ایک تو وہ جس کی اللہ تعالیٰ کچھ پرواہ نہیں کرتا' دوسرا وہ جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہیں چھوڑتا۔ تیسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشتا۔ پس جسے وہ بخشتا نہیں' وہ شرک ہے' اللہ عزوجل خود فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو معاف نہیں فرماتا۔ اور جگہ ارشاد ہے' جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرلے اللہ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔ اور جس دیوان میں اللہ کے ہاں کوئی وقعت نہیں' وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے اور جس کا تعلق اس سے اور اللہ کی ذات سے ہے مثلاً کسی دن کا روزہ جسے اس نے چھوڑ دیا یا نماز چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور جس دیوان (اعمالنامہ) میں سے موجود کسی فرد کو اللہ نہیں چھوڑتا' وہ بندوں کے آپس کے مظالم ہیں جن کا بدلہ اور قصاص ضروری ہے۔

دوسری حدیث بحوالہ مسند بزار۔ الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مطلب وہی ہے۔ تیسری حدیث بحوالہ مسند احمد۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو بخش دے مگر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا۔ دوسرا وہ جس نے کسی ایماندار کو جان بوجھ کر قتل کیا۔ چوتھی حدیث بحوالہ مسند احمد۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے میرے بندے تو جب تک میری عبادت کرتا رہے گا اور مجھ سے نیک امید رکھے گا' میں بھی تیری جتنی خطائیں ہیں' انہیں معاف فرماتا رہوں گا۔ میرے بندے اگر تو ساری زمین بھر کی خطائیں بھی لے کر میرے پاس آئے گا تو میں بھی زمین کی وسعتوں جتنی مغفرت کے ساتھ تجھ سے ملوں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔

پانچویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ جو بندہ لا الٰہ الا اللہ کہے' پھر اسی پر اس کا انتقال ہو' وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ یہ سن کر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ اگر اس نے زنا اور چوری بھی کی ہو' آپؐ نے فرمایا' گو اس نے زنا کاری اور چوری بھی کی ہو۔ تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوا۔ چوتھے سوال پر آپؐ نے فرمایا' چاہے ابوذر کی ناک خاک آلود ہو پس حضرت ابوذرؓ وہاں سے اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے یہ فرماتے ہوئے نکلے کہ چاہے ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔ اور اس کے بعد جب کبھی آپ یہ حدیث بیان فرماتے یہ جملہ ضرور کہتے۔ یہ حدیث دوسری سند سے قدرے زیادتی کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس میں ہے حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں' میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے میدان میں چلا جا رہا تھا' احد پہاڑ کی طرف ہماری نگاہیں تھیں کہ حضورؐ نے فرمایا' اے ابوذر میں نے کہا' لبیک یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا' سنو میرے پاس اگر اس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میں نہ چاہوں گا کہ تیسری شام کو اس میں سے کچھ بھی باقی رہ جائے بجز اس دینار کے جسے میں قرضہ چکانے کے لئے رکھ لوں۔ باقی تمام مال میں اس طرح راہ اللہ اس کے بندوں کو دے ڈالوں اور آپؐ نے دائیں بائیں اور سامنے لپیں پھینکیں۔ پھر کچھ دیر ہم چلتے رہے۔ پھر حضورؐ نے مجھے پکارا اور فرمایا' جن کے پاس یہاں زیادتی ہے وہی وہاں کمی والے ہوں گے مگر جو اس طرح اور اس طرح کرے یعنی آپؐ نے اپنے دائیں' سامنے اور بائیں لپیں (ہتھیلیاں) بھر کر دیتے ہوئے اس عمل کی وضاحت کی۔

پھر کچھ دیر چلنے کے بعد فرمایا' ابوذر میں ابھی آتا ہوں' تم یہیں ٹھہرو' آپؐ تشریف لے گئے اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور مجھے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دل بے چین ہو گیا کہ کہیں تنہائی میں کوئی دشمن آ گیا ہو میں نے قصد کیا وہاں پہنچوں لیکن ساتھ ہی حضورؐ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ میں جب تک نہ آؤں تم یہیں ٹھہرے رہنا چنانچہ میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ آپؐ تشریف لے آئے تو میں نے کہا حضورؐ یہ آوازیں کیسی آ رہی تھیں' آپؐ نے فرمایا' میرے پاس حضرت جبرائیل آئے تھے اور فرما رہے تھے کہ آپ کی امت میں سے وفات پانے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے تو وہ جنت میں جائے گا۔ میں نے کہا گو زنا اور چوری بھی اس سے سرزد ہوئی ہو تو فرمایا' ہاں گو زنا اور چوری بھی ہوئی ہو۔

یہ حدیث بخاری ومسلم میں بھی ہے اور بخاری ومسلم میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رات کے وقت نکلا' دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تنہا تشریف لے جا رہے ہیں تو مجھے خیال ہوا کہ شاید اس وقت آپ کسی کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تو میں چاند کی چاندنی میں حضورؐ کے پیچھے ہولیا- آپؐ نے جب مڑ کر مجھے دیکھا تو پوچھا کون ہے میں نے کہا ابوذرؓ اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے تو آپ نے فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو- تھوڑی دیر ہم چلتے رہے- پھر آپؐ نے فرمایا' زیادتی والے ہی قیامت کے دن کمی والے ہوں گے مگر وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا- پھر وہ دائیں بائیں' آگے پیچھے نیک کاموں میں خرچ کرتے رہے- پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپؐ نے مجھے ایک جگہ بٹھا کر جس کے اردگرد پتھر تھے' فرمایا میری واپسی تک یہیں بیٹھے رہو- پھر آپ آگے نکل گئے یہاں تک کہ میری نظر سے پوشیدہ ہو گئے- آپ کو زیادہ دیر لگ گئی- پھر میں نے دیکھا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں اور زبان مبارک سے فرماتے آ رہے ہیں گو زنا کیا ہو یا چوری کی ہو- جب میرے پاس پہنچے تو میں رک نہ سکا- پوچھا کہ اے نبی اللہ اللہ مجھے آپ پر قربان کرے' اس میدان کے کنارے آپ کس سے باتیں کر رہے تھے- میں نے سنا کوئی آپ کو جواب بھی دے رہا تھا- آپؐ نے فرمایا وہ جبرائیل تھے- یہاں میرے پاس آئے اور فرمایا' اپنی امت کو خوشخبری سنا دو کہ جو مرے اور اللہ کے ساتھ اس نے کسی کو شریک نہ کیا ہو وہ جنتی ہوگا- میں نے کہا اے جبرائیل گو اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو- فرمایا ہاں' میں نے پھر یہی سوال کیا جواب دیا- ہاں- میں نے پھر یہی سوال کیا- فرمایا ہاں اور اگرچہ اس نے شراب پی ہو-

چھٹی حدیث بحوالہ مسند عبد بن حمید- ایک شخص حضورؐ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہؐ' جنت واجب کر دینے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' جو شخص بغیر شرک کئے مرا' اس کے لئے جنت واجب ہے اور جو شرک کرتے ہوئے مرا' اس کے لئے جہنم واجب ہے' یہی حدیث اور طریق سے مروی ہے جس میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہوا مرا' اس کے لئے بخشش حلال ہے' اگر اللہ چاہے اسے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے' اللہ اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے کو نہیں بخشتا- اس کے سوا جسے چاہے بخش دے (ابن ابی حاتم)- اور سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا' بندے پر مغفرت ہمیشہ رہتی ہے جب تک کہ پردے نہ پڑ جائیں- دریافت کیا گیا کہ حضورؐ پردے پڑ جانا کیا ہے؟ فرمایا شرک' جو شخص شرک نہ کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے' اس کے لئے بخشش الٰہی حلال ہو گئی اگر چاہے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے پھر آپؐ نے آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ الخ' تلاوت فرمائی (مسند ابو یعلی) ساتویں حدیث بحوالہ مسند احمد' جو شخص مرے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو' وہ جنت میں داخل ہوگا-

آٹھویں حدیث بحوالہ مسند احمد- رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ صحابہؓ کے پاس آئے اور فرمایا' تمہارے رب عزوجل نے مجھے اختیار دیا کہ میری امت میں سے ستر ہزار کا بے حساب جنت میں جانا پسند کروں یا اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز میرے لئے میری امت کی بابت پوشیدہ محفوظ ہے' اسے قبول کر لوں تو بعض صحابہؓ نے کہا' کیا اللہ تعالیٰ آپ کے لئے یہ محفوظ چیز بچا کر بھی رکھے گا؟ آپؐ یہ سن کر اندر تشریف لے گئے' پھر تکبیر پڑھتے ہوئے باہر آئے اور فرمانے لگے' میرے رب نے مجھے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کو جنت عطا کرنا مزید عطا فرمایا اور وہ پوشیدہ حصہ بھی' حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یہ حدیث بیان فرما چکے تو حضرت ابو رہم نے سوال کیا کہ وہ پوشیدہ محفوظ چیز کیا ہے؟ اس پر لوگوں نے انہیں کچھ کچھ کہنا شروع کر دیا کہ کہاں تم اور کہاں حضورؐ کے لئے اختیار کردہ چیز؟ حضرت ایوبؓ نے فرمایا' سنو جہاں تک ہمارا گمان ہے جو بالکل یقین کے قریب ہے یہ ہے کہ وہ چیز جنت میں جانا ہے ہر اس شخص کا جو سچے دل سے گواہی دے کہ اللہ ایک ہے- اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں-

نویں حدیث بحوالہ ابن ابی حاتم - ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یارسول اللہؐ میرا بھتیجا حرام سے باز نہیں آتا - آپؐ نے فرمایا' اس کی دینداری کیسی ہے' کہا نمازی ہے اور توحید والا ہے - آپؐ نے فرمایا' جاؤ اور اس سے اس کا دین بطور ہبہ کے طلب کرو اگر انکار کرے تو اس سے خرید لو' اس نے جا کر اس سے طلب کیا تو اس نے انکار کردیا - اس نے آ کر حضورؐ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا' میں نے اسے اپنے دین پر چمٹا ہوا پایا - اس پر یہ آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ الخ' نازل ہوئی -

دسویں حدیث بحوالہ حافظ ابویعلیٰ - ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یارسول اللہ میں نے کوئی حاجت یا حاجت والا نہیں چھوڑا یعنی زندگی میں سب کچھ کر چکا - آپؐ نے فرمایا - کیا تو یہ گواہی نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں' تین مرتبہ اس نے کہا ہاں' آپؐ نے فرمایا' یہ ان سب پر غالب آ جائے گا - گیارہویں حدیث بحوالہ مسند احمد - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضمضم بن جوش یمامیؒ سے کہا کہ اے یمامی کسی شخص سے ہرگز یہ نہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نہیں بخشے گا یا تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا - یمامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا' حضرت یہ بات تو ہم لوگ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے بھی غصے غصے میں کہہ جاتے ہیں - آپ نے فرمایا خبردار ہرگز نہ کہنا - سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے - آپؐ نے فرمایا' بنی اسرائیل میں دو شخص تھے - ایک تو عبادت میں بہت چست چالاک اور دوسرا اپنی جان پر زیادتی کرنے والا اور دونوں میں دوستانہ اور بھائی چارہ تھا - عابد بسا اوقات اس دوسرے کو کسی نہ کسی گناہ میں دیکھتا رہتا تھا اور کہتا رہتا تھا' اے شخص باز رہ - وہ جواب دیتا' تو مجھے میرے رب پر چھوڑ دے' کیا تو مجھ پر نگہبان بنا کر بھیجا گیا ہے؟ ایک مرتبہ عابد نے دیکھا کہ وہ پھر کسی گناہ کے کام کو کر رہا ہے' جو گناہ اسے بہت بڑا معلوم ہوا تو کہا' افسوس تجھ پر' باز آ - اس نے وہی جواب دیا تو عابد نے کہا اللہ کی قسم اللہ تجھے ہرگز نہ بخشے گا یا جنت نہ دے گا -

اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس فرشتہ بھیجا جس نے ان کی روحیں قبض کرلیں - جب دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار سے فرمایا جا اور میری رحمت کی بناء پر جنت میں داخل ہو جا اور اس عابد سے فرمایا' کیا تجھے حقیقی علم تھا؟ کیا تو میری چیز پر قادر تھا؟ اسے جہنم کی طرف لے جاؤ' حضورؐ نے یہ بیان فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوالقاسم کی جان ہے' اس نے ایک کلمہ زبان سے ایسا نکال دیا جس نے اس کی دنیا اور آخرت برباد کردی -

بارہویں حدیث بحوالہ طبرانی - جس نے اس بات کا یقین کرلیا کہ میں گناہوں کی بخشش پر قادر ہوں تو میں اسے بخش ہی دیتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا جب تک کہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے - تیرہویں حدیث بحوالہ بزار' ابویعلیٰ - جس عمل پر اللہ تعالیٰ نے ثواب کا وعدہ کیا ہے' اسے تو مالک ضرور پورا فرمائے گا اور جس پر سزا کا فرمایا ہے' وہ اس کے اختیار میں ہے بخش دے یا سزا دے - حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں' ہم صحابہ قاتل کے بارے میں اور یتیم کا مال کھا جانے والے کے بارے میں اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کے بارے میں اور جھوٹی گواہی دینے والے کے بارے میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ الخ' اتری اور اصحابؓ رسول گواہی سے رک گئے (ابن ابی حاتم)

ابن جریر کی یہ روایت اس طرح پر ہے کہ جن گناہوں پر جہنم کا ذکر کتاب اللہ میں ہے' اسے کرنے والے کے جہنمی ہونے میں ہمیں کوئی شک ہی نہیں تھا یہاں تک کہ ہم پر یہ آیت اتری - جب ہم نے اسے سنا تو ہم شہادت کے لئے رک گئے اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دیئے - بزار میں آپ ہی کی ایک روایت ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے استغفار کرنے سے ہم رکے ہوئے تھے یہاں تک کہ ہم نے حضور ﷺ سے یہ آیت سنی اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں

کے لئے موخر کر رکھا ہے۔

ابوجعفر رازی کی روایت میں آپ کا یہ فرمان ہے کہ جب آیت یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الخ' نازل ہوئی یعنی اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا' حضور' شرک کرنے والا بھی؟ آپ کو اس کا یہ سوال ناپسند آیا۔ پھر آپ نے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ الخ' پڑھ کر سنائی۔ سورۂ تنزیل کی یہ آیت مشروط ہے توبہ کے ساتھ۔ پس جو شخص جس گناہ سے توبہ کرے' اللہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے گو بار بار کرے۔ پس مایوس نہ ہونے کی آیت میں توبہ کی شرط ضرور ہے ورنہ اس میں شرک بھی آ جائے گا اور پھر مطلب صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس آیت میں وضاحت کے ساتھ یہاں موجود ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے کی بخشش نہیں ہے ہاں اس کے سوا جسے چاہے یعنی اگر اس نے توبہ بھی نہ کی ہو۔ اس مطلب کے ساتھ اس آیت میں جو امید دلانے والی ہے اور زیادہ امید کی آس پیدا ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے اللہ کے ساتھ جو شرک کرے' اس نے بڑے گناہ کا افترا باندھا۔ جیسے اور آیت میں ہے' شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اللہ کا کسی کو شریک بنائے حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔ پھر پوری حدیث بیان فرمائی۔ ابن مردویہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ بتاتا ہوں' وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کا یہ آخری حصہ تلاوت فرمایا۔ پھر ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا شکر یہ کر۔ میری طرف لوٹنا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ کَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ ؕ وَکَفٰی بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ؕ ﴿۵۲﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی اور ستائش خود کرتے ہیں' بلکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے۔ کسی پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا O دیکھو تو یہ لوگ کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں؟ یہ صریح گناہ اسے کافی ہے O کیا تو نے انہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے۔ جو بتوں کا اور باطل معبودوں کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست والے ہیں O یہی ہیں جنہیں اللہ نے لعنت کی اور جسے اللہ لعنت کر دے تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا O

منہ پر تعریف و توصیف کی ممانعت: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۲) یہود و نصاریٰ کا قول تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے چہیتے ہیں اور

کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہود جائیں گے یا نصرانی- ان کے اس قول کی تردید میں یہ آیت اَلَمْ تَرَ الخ' نازل ہوئی اور یہ قول حضرت مجاہد ؒ کے خیال کے مطابق اس آیت کا شان نزول ہی ہے کہ یہ لوگ اپنے بچوں کو امام بناتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بے گناہ ہیں- یہ بھی مروی ہے کہ ان کا خیال تھا کہ ہمارے جو بچے فوت ہو گئے ہیں' وہ ہمارے لئے قربت الٰہ کا ذریعہ ہیں- ہمارے سفارشی ہیں اور ہمیں وہ بچا لیں گے- پس یہ آیت اتری- حضرت ابن عباسؓ یہودیوں کا اپنے بچوں کا آگے کرنے کا واقعہ بیان کر کے فرماتے ہیں' وہ جھوٹے ہیں- اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کو بے گناہ کی وجہ سے چھوڑ نہیں دیتا' یہ کہتے تھے کہ جیسے ہمارے بچے بے خطا ہیں' ایسے ہی ہم بھی بے گناہ ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت دوسروں کی بڑھی چڑھی مدح وثناء بیان کرنے کے رد میں اتری ہے- صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم مدح کرنے والوں کے منہ مٹی سے بھر دیں-

بخاری ومسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دوسرے کی مدح وستائش کرتے ہوئے سن کر فرمایا' افسوس تو نے اپنے ساتھی کی گردن توڑ دی- پھر فرمایا اگر تم میں سے کسی کو ایسی ہی ضرورت کی وجہ سے کسی کی تعریف کرنی بھی ہو تو یوں کہے کہ فلاں شخص کے بارے میں میری رائے یہ ہے- اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل یہی ہے کہ کسی کی منہ پر تعریف نہ کی جائے-

مسند احمد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ جو کہے میں مومن ہوں' وہ کافر ہے اور جو کہے کہ میں عالم ہوں' وہ جاہل ہے اور جو کہے میں جنتی ہوں جہنمی ہے- ابن مردویہ میں آپؓ کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ کوئی شخص خود پسندی کرنے لگے اور اپنی سمجھ پر آپ فخر کرنے بیٹھ جائے- مسند احمد میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی کم حدیث بیان فرماتے اور بہت کم جمعے ایسے ہوں گے جن میں آپ نے یہ چند حدیثیں نہ سنائی ہوں کہ جس کے ساتھ اللہ کا ارادہ بھلائی کا ہوتا ہے' اسے اپنے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے' اور یہ مال میٹھا اور سبز رنگ ہے جو اسے اس کے حق کے ساتھ لے گا- اسے اس میں برکت دی جائے گی' تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدح وستائش سے پرہیز کرو اس لئے کہ یہ دوسرے پر چھری پھیرنا ہے' یہ پچھلا جملہ ان سے ابن ماجہ میں مروی ہے- حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کے پاس ایک صبح کو اپنے دین میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا (اس کی وجہ یہ ہوتی ہے) کہ وہ صبح کسی سے اپنا کام نکالنے کے لئے ملا- اس کی تعریف شروع کر دی اور اس کی مدح سرائی شروع کی اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا' آپ ایسے ہیں اور ایسے ہیں حالانکہ نہ وہ اس کے نقصان کا مالک ہے نہ نفع کا اور بسا ممکن ہے کہ ان تعریف کلمات کے بعد بھی اس سے اس کا کام نہ نکلے لیکن اس نے تو اللہ کو ناخوش کر دیا- پھر آپ نے آیت تزکیہ کی تلاوت فرمائی (ابن جریر) اور اس کا تفصیلی بیان آیت فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ- پس یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جسے چاہے پاک کر دے کیونکہ تمام چیزوں کی حقیقت اور اصلیت کا عالم وہی ہے- پھر فرمایا کہ اللہ ایک دھاگے کے وزن کے برابر بھی کسی کی نیکی نہ چھوڑے گا' فتیل کے معنی ہیں کھجور کی گٹھلی کے درمیان کا دھاگہ اور مروی ہے کہ وہ دھاگہ جسے کوئی اپنی انگلیوں سے بٹ لے-

پھر فرماتا ہے' ان کی افتراپردازی تو دیکھو کہ کس طرح اللہ عزوجل کی اولاد اور اس کے محبوب بننے کے دعویدار ہیں؟ اور کیسی باتیں کر رہے ہیں کہ ہمیں تو صرف چند دن آگ میں رہنا ہوگا- کس طرح اپنے بڑوں کے نیک اعمال پر اعتماد کئے بیٹھے ہیں؟ حالانکہ ایک کا عمل دوسرے کو کچھ نفع نہیں دے سکتا جیسے ارشاد ہے تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ الخ' یہ ایک گروہ ہے جو گزر چکا- ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ- پھر فرماتا ہے ان کا یہ کھلا کذب وافترا ہی ان کے لئے کافی ہے- جِبْت کے معنی حضرت فاروق اعظمؓ وغیرہ سے جادو اور طاغوت کے معنی شیطان کے مروی ہیں- یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جِبْت حبش کا لفظ ہے اس کے معنی شیطان کے ہیں- شرک' بت

اور کاہن کے معنی بھی بتائے گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد حی بن اخطب ہے' بعض کہتے ہیں کعب بن اشرف ہے۔ ایک حدیث میں ہے' فال اور پرندوں کو ڈانٹنا یعنی ان کے نام یا ان کے اڑنے یا بولنے یا ان کے نام سے شگون لینا اور زمین پر لکیریں کھینچ کر معاملہ طے کرنا' یہ جبت ہے' حسن کہتے ہیں جبت شیطان کی غنغناہٹ ہے۔ طاغوت کی نسبت پہلے سورۂ بقرہ میں تفصیل سے ذکر گذر چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت جابرؓ سے جب طاغوت کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا کہ یہ کاہن لوگ ہیں جن کے پاس شیطان آتے تھے' مجاہدؒ فرماتے ہیں انسانی صورت کے یہ شیاطین ہیں جن کے پاس لوگ اپنے جھگڑے لے کر جاتے ہیں اور انہیں حاکم مانتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی عبادت اللہ کے سوا کی جائے۔ پھر فرمایا کہ ان کی جہالت' بے دینی اور خود اپنی کتاب کے ساتھ کفر کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح اور افضلیت دیتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حی بن اخطب اور کعب بن اشرف مکہ والوں کے پاس آئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا' تم اہل کتاب اور صاحب علم ہو' بھلا بتاؤ تو ہم بہتر ہیں یا محمد (ﷺ) انہوں نے کہا تم کیا ہو؟ اور وہ کیا ہیں؟ تو اہل مکہ نے کہا' ہم صلہ رحمی کرتے ہیں' تیار اونٹنیاں ذبح کر کے دوسروں کو کھلاتے ہیں' لسی پلاتے ہیں' غلاموں کو آزاد کرتے ہیں' حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور محمد (ﷺ) تو صنبور ہیں' ہمارے رشتے ناطے تڑوا دیئے' ان کا ساتھ حاجیوں کے چوروں نے دیا ہے جو قبیلہ غفار میں سے ہیں۔ اب بتاؤ ہم اچھے یا وہ؟ تو ان دونوں نے کہا' تم بہتر ہو اور تم زیادہ سیدھے راستے پر ہو اس پر یہ آیت اتری دوسری روایت میں ہے کہ انہی کے بارے میں اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ اتری ہے۔

بنو وائیل اور بنو نضیر کے چند سردار جب عرب میں حضورؐ کے خلاف آگ لگا رہے تھے اور جنگ عظیم کی تیاری میں تھے' اس وقت جب یہ قریش کے پاس آئے تو قریشیوں نے انہیں عالم و درویش جان کر ان سے پوچھا کہ بتاؤ ہمارا دین اچھا ہے یا محمد کا؟ تو ان لوگوں نے کہا' تم اچھے دین والے اور ان سے زیادہ صحیح راستے پر ہو۔ اس پر یہ آیت اتری اور خبر دی گئی کہ یہ لعنتی گروہ ہے اور ان کا مدد و معاون دنیا اور آخرت میں کوئی نہیں۔ اس لئے کہ صرف کفار کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے بطور چاپلوسی اور خوشامد کے یہ کلمات اپنی معلومات کے خلاف کہہ رہے ہیں لیکن یاد رکھیں کہ یہ کامیاب نہیں ہو سکتے چنانچہ یہی ہوا۔ زبردست لشکر لے کر سارے عرب کو اپنے ساتھ ملا کر تمام تر قوت و طاقت اکٹھی کر کے ان لوگوں نے مدینہ شریف پر چڑھائی کی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کے اردگرد خندق کھودنی پڑی لیکن بالآخر دنیا نے دیکھ لیا' ان کی ساری سازشیں ناکام ہوئیں یہ خائب و خاسر رہے' نامراد و ناکام پلٹے' دامن مراد خالی رہا بلکہ نامرادی' مایوسی اور نقصان عظیم کے ساتھ لوٹنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد آپ کی اور اپنی قوت و عزت سے (کافروں کو) اوندھے منہ گرا دیا۔ فالحمد للہ الکبیر المتعال

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ
نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ
فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ
وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ
وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾

کیا ان کا کوئی حصہ سلطنت میں ہے؟ اگر ایسا ہو تو پھر تو کسی کو ایک کھجور کے شگاف برابر بھی کچھ نہ دیں گے ۞ یا یہ لوگوں کا حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے

فضل سے انہیں دیا ہے۔ پس ہم نے تو آل ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے ○ پھر ان میں سے بعض نے تو اس کتاب کو مانا اور بعض اس سے رک گئے اور کافی ہے جہنم کا جلانا ○

یہودیوں کی دشمنی کی انتہا اور اس کی سزا: ☆☆ (آیت: ۵۳-۵۵) یہاں بطور انکار کے سوال ہوتا ہے کہ کیا وہ ملک کے کسی حصہ کے مالک ہیں؟ یعنی نہیں ہیں۔ پھر ان کی بخیلی بیان کی جاتی ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کسی کو ذرا سا بھی نفع پہنچانے کے روادار نہ ہوتے خصوصاً اللہ کے اس آخری پیغمبر کو اتنا بھی نہ دیتے جتنا کھجور کی گٹھلی کے درمیان کا پردہ ہوتا ہے' جیسے اور آیت میں ہے قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ الخ یعنی اگر تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم تو خرچ ہو جانے کے خوف سے بالکل ہی روک لیتے گو ظاہر ہے کہ وہ کم نہیں ہو سکتے تھے لیکن تمہاری کنجوسی تمہیں ڈرا دیتی۔ اسی لئے فرما دیا کہ انسان بڑا ہی بخیل ہے۔

ان کے ان بخیلانہ مزاج کے بعد ان کا حسد واضح کیا جا رہا ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو نبوت کا عظیم تر منصب بخشا ہے چونکہ وہ عرب میں سے ہیں' بنی اسرائیل سے نہیں' اس لئے ان سے حسد کی آگ میں جل رہے ہیں اور لوگوں کو آپؐ کی تصدیق سے روک رہے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہاں اَلنَّاس سے مراد ہم ہیں' کوئی اور نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے آل ابراہیمؑ کو جو بنی اسرائیل کے قبائل میں اولاد ابراہیم سے ہیں' نبوۃ دی' کتاب نازل فرمائی' جینے مرنے کے آداب سکھائے' بادشاہت بھی دی' اس کے باوجود ان میں سے بعض تو مومن ہوئے۔ اس انعام واکرام کو مانا لیکن بعض نے خود بھی کفر کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے روکا حالانکہ وہ بھی بنی اسرائیل ہی تھے تو جبکہ یہ اپنے والوں سے بھی منکر ہو چکے ہیں تو پھر اے نبی آخر الزماں آپ کا انکار ان سے کیا دور ہے؟ جبکہ آپ ان میں سے بھی نہیں۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ بعض اس پر یعنی محمد ﷺ پر ایمان لائے اور بعض نہ لائے۔ پس یہ کافر اپنے کفر میں بہت سخت اور نہایت پکے ہیں اور ہدایت وحق سے بہت ہی دور ہیں۔ پھر انہیں ان کی سزا سنائی جا رہی ہے کہ جہنم کا جلنا انہیں بس ہے' ان کے کفر وعناد کی' ان کی تکذیب اور سرکشی کی یہ سزا کافی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ
جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے' جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تا کہ عذاب چکھتے رہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور شائستہ اعمال کئے' ہم انہیں عنقریب ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے' ان کے لئے وہاں صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنی چھاؤں اور پوری راحت میں لے جائیں گے ○

عذاب کی تفصیل اور نیک لوگوں کا انجام بالخیر: ☆☆ (آیت: ۵۶-۵۷) اللہ کی آیتوں کے نہ ماننے اور رسولوں سے لوگوں کو برگشتہ کرنے والوں کی سزا اور ان کے بدانجام کا ذکر ہوا۔ انہیں اس آگ میں دھکیلا جائے گا جو انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی اور ان کے

روم روم کو سلگا دے اور یہی نہیں بلکہ یہ عذاب دائمی ایسا ہوگا کہ ایک چمڑا جل گیا تو دوسرا بدل جائے گا جو سفید کاغذ کی مثال ہوگا۔ ایک ایک کافر کی سو سو کھالیں ہوں گی ہر ہر کھال پر قسم قسم کے علیحدہ علیحدہ عذاب ہوں گے' ایک ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ کھال الٹ پلٹ ہوگی۔ یعنی کہہ دیا جائے گا کہ جلد لوٹ آئے۔ وہ پھر لوٹ آئے گی۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوتی تو آپ پڑھنے والے سے اسے دوبارہ سنانے کی فرمائش کرتے وہ دوبارہ پڑھتا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں آپ کو اس کی تفسیر سناؤں۔ ایک ایک ساعت میں سو سو بار بدلی جائے گی' اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سنا ہے (ابن مردویہ وغیرہ) دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت کعب نے کہا تھا کہ مجھے اس آیت کی تفسیر یاد ہے۔ میں نے اسے اسلام لانے سے پہلے پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا' اچھا بیان کرو اگر وہ وہی ہوئی جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے تو ہم اسے قبول کریں گے ورنہ ہم اسے قابل التفات نہ سمجھیں گے تو آپ نے فرمایا' ایک ساعت میں ایک سو بیس مرتبہ۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' میں نے اسی طرح حضورؐ سے سنا ہے۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں' پہلی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ان کی کھالیں چالیس ہاتھ یا چھہتر (۷۶) ہاتھ ہوں گی اور ان کے پیٹ اتنے بڑے ہوں گے کہ اگر ان میں پہاڑ رکھا جائے تو سما جائے۔ جب ان کھالوں کو آگ کھا لے گی تو اور کھالیں آ جائیں گی۔

ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جہنمی جہنم میں اس قدر بڑے بڑے بنا دیئے جائیں گے کہ ان کے کان کی نوک سے کندھا سات سو سال کی راہ پر ہوگا اور ان کی کھال کی موٹائی ستر ذراع ہوگی اور کچلی مثل احد پہاڑ کے ہوگی [1] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد کھال سے لباس ہے لیکن یہ ضعیف ہے اور ظاہر لفظ کے خلاف ہے۔ اس کے مقابلے میں نیک لوگوں کے انجام کو بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جنت میں عدن میں ہوں گے جس کے چپے چپے پر نہریں جاری ہوں گی۔ جہاں چاہیں انہیں لے جائیں۔ اپنے محلات میں' باغات میں' راستوں میں غرض جہاں ان کے جی چاہیں' وہیں وہ پاک نہریں بہنے لگیں گی۔ پھر سب سے اعلیٰ لطف یہ ہے کہ یہ تمام نعمتیں ابدی اور ہمیشہ رہنے والی ہوں گی نہ انہیں زوال آئے گا نہ ان میں کمی ہوگی نہ وہ واپس لے لی جائیں گی نہ فنا ہوں گی نہ سڑیں نہ بگڑیں نہ خراب ہوں گی نہ ختم ہوں گی۔ پھر ان کے لئے وہاں حیض و نفاس سے' گندگی اور پلیدی سے' میل کچیل اور بو باس سے' رذیل صفتوں اور بے ہودہ اخلاق سے پاک بیویاں ہوں گی اور گھنے لمبے چوڑے سائے ہوں گے جو بہت فرحت بخش' بہت ہی سرور انگیز' راحت افزا' دل خوش کن ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے تلے ایک سو سال تک بھی ایک سوار چلا جائے تو اس کا سایہ ختم نہ ہو۔ یہ شجرۃ الخلد ہے (ابن جریر)

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ
بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ
بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو' یقیناً وہ بہتر چیز ہے' جس کی نصیحت تمہیں اللہ کر رہا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ سنتا دیکھتا ہے ○

امانت اور عدل و انصاف: ☆☆ (آیت:۵۸) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو تیرے ساتھ امانت داری کا برتاؤ کرے تو اس کی امانت

ادا کر اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس سے خیانت مت کر (مسند احمد وسنن) آیت کے الفاظ وسیع المعنی ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ عزوجل کے حقوق کی ادائیگی بھی شامل ہے جیسے روزہ' نماز' زکوٰۃ' کفارہ' نذر وغیرہ' اور بندوں کے آپس کے کل حقوق بھی شامل ہیں جیسے امانت دی ہوئی چیزیں وغیرہ۔ پس جس حق کو جو ادا نہ کرے گا اس کی پکڑ قیامت کے دن ہوگی' صحیح حدیث میں ہے' قیامت کے دن ہر حق دار کا حق اسے دلوایا جائے گا یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگوں والی بکری نے مارا ہے تو اس کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شہادت کی وجہ سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں مگر امانت نہیں مٹنے لگی۔ کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید بھی ہوا تو اسے بھی قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اپنی امانت ادا کر۔ وہ جواب دے گا کہ دنیا تو اب ہے نہیں۔ میں کہاں سے ادا کروں؟ فرماتے ہیں۔ پھر وہ چیز اسے جہنم کی تہہ میں نظر آئے گی اور کہا جائے گا کہ جا اسے لے آ۔ وہ اسے اپنے کندھے پر لاد کر لے چلے گا لیکن وہ گر پڑے گی۔ وہ پھر اسے لینے جائے گا بس اسی عذاب میں وہ مبتلا رہے گا۔ حضرت زاذان اس روایت کو سن کر حضرت براءؓ کے پاس آ کر بیان فرماتے ہیں' وہ کہتے ہیں میرے بھائی نے سچ کہا۔ پھر قرآن کی اس آیت کو پڑھتے ہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں' ہر نیک و بد کے لئے یہی حکم ہے' ابوالعالیہ فرماتے ہیں جس چیز کا حکم دیا گیا اور جس چیز سے منع کیا گیا' وہ سب امانت ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں عورت اپنی شرم گاہ کی امانت دار ہے' ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں' جو جو معاملات تیرے اور دوسرے لوگوں کے درمیان ہوں' وہ سب اسی میں شامل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ سلطان عید والے دن عورتوں کو خطبہ سنائے۔

اس آیت کی شان نزول میں مروی ہے جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور اطمینان کے ساتھ بیت اللہ شریف میں آئے تو اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا' حجر اسود کو اپنی لکڑی سے چھوتے تھے۔ اس کے بعد عثمان بن طلحہؓ کو جو کعبہ کے کنجی بردار تھے بلایا ان سے کنجی طلب کی انہوں نے دینا چاہی اتنے میں حضرت عباسؓ نے کہا' یارسول اللہ اب یہ مجھے سونپئے تا کہ میرے گھرانے میں زمزم کا پانی پلانا اور کعبہ کی کنجی رکھنا دونوں ہی باتیں رہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت عثمان بن طلحہؓ نے اپنا ہاتھ روک لیا حضورؐ نے دوبارہ طلب کی پھر وہی واقعہ ہوا آپ نے سہ بارہ طلب کی حضرت عثمانؓ نے یہ کہہ کر دے دی کہ اللہ کی امانت آپ کو دیتا ہوں۔ حضورؐ کعبہ کا دروازہ کھول کر اندر گئے' وہاں جتنے بت اور تصویریں تھیں' سب توڑ کر پھینک دیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا بت بھی تھا جس کے ہاتھ فال کے تیر تھے۔ آپؐ نے فرمایا' اللہ ان مشرکین کو غارت کرے بھلا خلیل اللہ کو ان تیروں سے کیا سروکار؟ پھر ان تمام چیزوں کو برباد کر کے ان کی جگہ پانی ڈال کر ان کے نام ونشان مٹا کر آپ باہر آئے' کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ نے کہا' کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے' وہ اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اسی اکیلے نے شکست دی۔ پھر آپؐ نے ایک لمبا خطبہ دیا جس میں یہ بھی فرمایا کہ جاہلیت کے تمام جھگڑے اب میرے پاؤں تلے کچل دیئے گئے خواہ مالی ہوں خواہ جانی ہوں۔ بیت اللہ کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب جوں کا توں باقی رہے گا۔ اس خطبہ کو پورا کر کے آپ بیٹھے ہی تھے جو حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر کہا' حضورؐ چابی مجھے عنایت فرمائی جائے تا کہ بیت اللہ کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا منصب دونوں یکجا ہو جائیں لیکن آپؐ نے انہیں نہ دی۔ مقام ابراہیم کو کعبہ کے اندر سے نکال کر آپؐ نے کعبہ کی دیوار سے ملا کر رکھ دیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ تمہارا قبلہ یہی ہے۔ پھر آپؐ طواف میں مشغول ہو گئے' ابھی وہ چند پھیرے ہی پھرے تھے کہ حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور آپؐ نے اپنی زبان مبارک سے اس آیت کی تلاوت شروع کی' اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا' میرے ماں باپ حضورؐ پر فدا ہوں۔ میں نے تو اس سے پہلے آپ کو اس آیت کی تلاوت کرتے نہیں سنا۔ اب آپؐ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ کو بلایا اور انہیں کنجی سونپ دی اور فرمایا آج کا دن وفا کا' نیکی اور سلوک کا دن ہے۔ یہ عثمان بن طلحہؓ ہیں جن کی نسل میں آج تک کعبۃ اللہ

کی کنجی چلی آتی ہے۔ یہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان اسلام لائے۔ جب ہی خالد بن ولید اور عمرو بن عاص بھی مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا چچا عثمان بن طلحہ احد کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ تھا بلکہ ان کا جھنڈا بردار تھا اور وہیں بہ حالت کفر مارا گیا تھا۔ الغرض مشہور تو یہی ہے کہ یہ آیت اسی بارے میں اتری ہے۔ اب خواہ اس بارے میں نازل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو بہرصورت اس کا حکم عام ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن حنفیہ کا قول ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کی ہر امانت کی ادائیگی کا حکم ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ فیصلے عدل کے ساتھ کرو۔ حاکموں کو احکم الحاکمین کا حکم ہو رہا ہے کہ کسی حالت میں عدل کا دامن نہ چھوڑو۔ حدیث میں ہے اللہ حاکم کے ساتھ ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے۔ جب ظلم کرتا ہے تو اسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے' ایک اثر میں ہے ایک دن کا عدل چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔

پھر فرماتا ہے یہ ادائیگی امانت اور عدل وانصاف کا حکم اور اسی طرح شریعت کے تمام احکام اور تمام ممنوعات تمہارے لئے بہترین اور نافع چیزیں ہیں جن کا امر پروردگار نے تمہیں دیا ہے (ابن ابی حاتم) اور روایت میں ہے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے آخری الفاظ پڑھتے ہوئے اپنا انگوٹھا اپنے کان میں رکھا اور شہادت کی انگلی اپنی آنکھ پر رکھی (یعنی اشارے سے سننا دیکھنا' کان اور آنکھ پر انگلی رکھ کر بتا کر) فرمایا میں نے اسی طرح پڑھتے اور کرتے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث حضرت ابوزکریاؒ فرماتے ہیں ہمارے استاد مقریؒ نے بھی اسی طرح پڑھ کر اشارہ کر کے ہمیں بتایا۔ اپنے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا اپنی دائیں آنکھ پر رکھا اور اس کے پاس کی انگلی اپنے داہنے کان پر رکھی (ابن ابی حاتم) یہ حدیث اسی طرح امام ابوداؤدؒ نے بھی روایت کی ہے اور امام ابن حبانؒ نے بھی اپنی صحیح میں اسے نقل کیا ہے۔ اور حاکمؒ نے مستدرک میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے وارد کیا ہے۔ اس کی سند میں جو ابویونس ہیں جو حضرت ابوہریرہؓ کے مولیٰ ہیں اور ان کا نام سلیم بن جبیرؒ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسولؐ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی' پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے رجوع کرو اللہ کی طرف اور رسولؐ کی طرف اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے' یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے ○

مشروط اطاعت امیر: ☆☆ (آیت:۵۹) صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹے سے لشکر میں حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیسؓ کو بھیجا تھا۔ ان کے بارے میں یہ آیت اتری ہے' بخاری ومسلم میں ہے کہ حضورؐ نے ایک لشکر بھیجا جس کی سرداری ایک انصاری کو دی۔ ایک مرتبہ وہ لوگوں پر سخت غصہ ہو گئے اور فرمانے لگے کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے میری فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا؟ سب نے کہا ہاں بے شک دیا ہے۔ فرمانے لگے' اچھا لکڑیاں جمع کرو' پھر آگ منگوا کر لکڑیاں جلائیں۔ پھر حکم دیا کہ تم اس آگ میں کود پڑو۔ ایک نوجوان نے کہا' لوگو سنو آگ سے بچنے کے لئے ہی تو ہم نے دامن رسولؐ میں پناہ لی ہے۔ تم جلدی نہ کرو جب تک کہ حضورؐ سے ملاقات نہ ہو جائے' پھر اگر آپؐ بھی یہی فرمائیں تو بے جھجک اس آگ میں کود پڑنا چنانچہ یہ لوگ واپس حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا' آپ نے فرمایا اگر تم اس آگ میں کود پڑتے تو ہمیشہ آگ ہی میں جلتے رہتے۔ سنو

فرمانبرداری صرف معروف میں ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ مسلمان پر سننا اور ماننا فرض ہے۔ جی چاہے یا طبیعت رو کے لیکن اس وقت تک کہ (اللہ تعالیٰ اور رسول کی) نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے' جب نافرمانی کا حکم ملے تو نہ سنے نہ مانے۔

بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہم سے رسول اللہ ﷺ نے بیعت لی۔ سننے اور ماننے کی گو ہماری خوشی ہو یا ہماری ناخوشی ہو۔ ہمارے لئے سختی ہو یا آسانی ہو' چاہے ہم پر دوسرے کو ترجیح دی جارہی ہو۔ ہم سے بیعت لی کہ کام کے اہل سے کام کو نہ چھینیں لیکن جب تم ان کا کھلا کفر دیکھو جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی واضح الٰہی دلیل بھی ہو۔ بخاری شریف میں ہے' سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنایا گیا ہو چاہے اس کا سر کشمش ہے۔ مسلم شریف میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مجھے میرے خلیل (یعنی رسالت مآبؐ) نے سننے کی اور ماننے کی وصیت کی اگرچہ ناقص ہاتھ پاؤں والا حبشی غلام ہی ہو' مسلم کی ہی اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا' چاہے تم پر غلام عامل بنایا جائے جو تم سے کتاب اللہ کے مطابق تمہارا ساتھ چاہے تو تم اس کی سنو اور مانو۔ ایک روایت میں غلام حبشی اعضاء کٹا کے الفاظ ہیں۔ ابن جریر میں ہے نیکوں اور بدوں سے بد تم ہر ایک اس امر میں جو مطابق ہو ان کی سنو اور مانو کہ میرے بعد نیک سے نیک اور بد سے بد۔ تم کو ملیں گے۔ تم پر ایک میں سے جو حق پر ہو اس کا سننا اور ماننا تم سے اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہو اگر وہ نیکی کریں گے تو ان کے لئے نفع ہے اور تمہارے لئے بھی اور اگر وہ بدی کریں گے تو تمہارے لئے تمہاری اچھائی ہے اور ان پر گناہوں کا بوجھ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' بنو اسرائیل میں مسلسل لگاتار رسول آیا کرتے تھے ایک کے بعد ایک اور۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر خلفا بکثرت ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا پھر حضور ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا پہلے کی بیعت پوری کرو۔ پھر اس کے بعد آنے والے کی۔ ان کا حق انہیں دے دو' اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں سوال کرنے والا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں' جو شخص اپنے امیر کا کوئی ناپسندیدہ کام دیکھے' اسے صبر کرنا چاہئے' جو شخص جماعت سے بالشت بھر جدا ہو گیا پھر وہ جاہلیت کی موت مرے گا (بخاری و مسلم) ارشاد ہے جو شخص اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے حجت و دلیل کے بغیر ملاقات کرے گا اور جو اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو' وہ جاہلیت کی موت مرے گا (مسلم)

حضرت عبدالرحمانؒ فرماتے ہیں' میں بیت اللہ شریف میں گیا' دیکھا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما ہیں اور لوگوں کا ایک مجمع جمع ہے۔ میں بھی اس مجلس میں ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس وقت حضرت عبداللہ نے یہ حدیث بیان کی۔ فرمایا ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ایک منزل میں اترے' کوئی اپنا خیمہ ٹھیک کرنے لگا' کوئی اپنے تیر سنبھالنے لگا کوئی اور کام میں مشغول ہو گیا۔ اچانک ہم نے سنا کہ منادی والا ندا دے رہا ہے' ہم ہمہ تن گوش ہو گئے اور سنا کہ رسول کریم ﷺ فرما رہے ہیں' ہر نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتا ہے کہ اپنی امت کو تمام نیکیاں جو وہ جانتا ہے' ان کی تربیت انہیں دے اور تمام برائیوں سے جو اس کی نگاہ میں ہیں انہیں آگاہ کر دے۔ سنو میری امت کی عافیت کا زمانہ اول کا زمانہ ہے۔ آخر زمانے میں بڑی بڑی بلائیں آئیں گی اور ایسے ایسے امور نازل ہوں گے جنہیں مسلمان ناپسند کریں گے اور ایک پر ایک فتنہ برپا ہوگا۔ ایک ایسا وقت آئے گا کہ مومن سمجھ لے گا' اسی میں میری ہلاکت ہے' پھر وہ ہٹے گا تو دوسرا اس سے بھی بڑا آئے گا جس میں اسے اپنی ہلاکت کا کامل یقین ہوگا بس یونہی لگاتار فتنے اور زبردست آزمائشیں اور کامل تکلیفیں آتی رہیں گی۔ پس جو شخص بات کو پسند کرے کہ جہنم سے بچ جائے اور جنت کا مستحق ہو' اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ سنو جس نے امام سے بیعت کر لی'

اس نے اپنا ہاتھ اس کے قبضہ میں اور دل کی تمنائیں اسے دے دیں۔ اور اپنے دل کا پھل اسے دے دیا۔ اب اسے چاہئے کہ اس کی اطاعت کرے۔ اگر کوئی دوسرا اس سے خلافت چھیننا چاہے تو اس کی گردن اڑا دو۔

عبدالرحمن فرماتے ہیں میں یہ سن کر قریب گیا اور کہا آپ کو میں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں' کیا خود آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ کی زبانی سنا ہے؟ تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کان اور دل کی طرف بڑھا کر فرمایا' میں نے حضورؐ سے اپنے ان دو کانوں سے سنا اور میں نے اسے اپنے اس دل میں محفوظ رکھا ہے مگر آپ کے چچازاد بھائی حضرت معاویہؓ ہمیں ہمارے اپنے مال بطریق باطل سے کھانے اور آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کرنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کاموں سے ممانعت فرمائی ہے۔ ارشاد ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ الخ' اسے سن کر حضرت عبداللہؓ ذرا سی دیر خاموش رہے' پھر فرمایا اللہ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اگر اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو اسے نہ مانو۔ اس بارے میں حدیثیں اور بھی بہت سی ہیں۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت سدیؒ سے مروی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ایک لشکر بھیجا جس کا امیر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا۔ اس لشکر میں حضرت عمار بن یاسر بھی تھے۔ یہ لشکر جس قوم کی طرف جانا چاہتا تھا' چلا۔ رات کے وقت اس کی بستی کے پاس پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ ان لوگوں کو اپنے جاسوسوں سے پتہ چل گیا اور چھپ چھپ کر سب راتوں رات بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف ایک شخص رہ گیا اس نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کیا۔ انہوں نے اس کا سب اسباب جلا دیا۔ یہ شخص رات کے اندھیرے میں حضرت خالدؓ کے لشکر میں آیا اور حضرت عمار سے ملا اور ان سے کہا کہ اے ابوالیقظان میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور گواہی دے چکا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میری ساری قوم تمہارا آنا سن کر بھاگ گئی ہے۔ صرف میں باقی رہ گیا ہوں تو کیا کل میرا یہ اسلام مجھے نفع دے گا؟ اگر نفع نہ دے تو میں بھی بھاگ جاؤں۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا' یقیناً یہ اسلام تمہیں نفع دے گا۔ تم نہ بھاگو۔ ٹھہرے رہو۔ صبح کے وقت جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کشی کی تو سوائے اس شخص کے وہاں کسی کو نہ پایا۔ اسے اس کے مال سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ جب حضرت عمارؓ کو معلوم ہوا تو آپ حضرت خالد کے پاس آئے اور کہا اسے چھوڑ دیجئے' یہ اسلام لا چکا ہے اور میری پناہ میں ہے۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا۔ تم کون ہو جو کسی کو پناہ دے سکو؟ اس پر دونوں بزرگوں میں کچھ تیز کلامی ہوگئی اور قصہ بڑھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کیا گیا۔ آپؐ نے حضرت عمار کی پناہ کو جائز قرار دیا اور فرمایا آئندہ امیر کی طرف سے پناہ نہ دینا پھر دونوں میں کچھ تیز کلامی ہونے لگی اس پر حضرت خالدؓ نے حضورؐ سے کہا' اس ناک کٹے غلام کو آپؐ کچھ نہیں کہتے؟ دیکھئے تو یہ مجھے برا بھلا کہہ رہا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا' خالد عمار کو برا نہ کہو۔ عمار کو گالیاں دینے والے کو اللہ گالیاں دے گا۔ عمار سے دشمنی کرنے والے سے اللہ دشمنی رکھے گا۔ عمارؓ پر جو لعنت بھیجے گا' اس پر اللہ کی لعنت نازل ہوگی۔ اب تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ حضرت عمارؓ غصہ میں چلا رہے تھے۔ آپ دوڑ کر ان کے پاس گئے۔ دامن تھام لیا۔ معذرت کی اور اپنی تقصیر معاف کرائی۔ تب تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک کہ حضرت عمار راضی نہ ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (امر امارت و خلافت کے متعلق شرائط وغیرہ کا بیان آیت وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔ مترجم) حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ روایت مروی ہے (ابن جریر اور ابن مردویہ) حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں' اولی الامر سے مراد سمجھ بوجھ والے اور دین والے ہیں یعنی علماء کی۔ ظاہر بات تو یہ معلوم ہوتی ہے۔ آگے حقیقی علم اللہ کو ہے کہ یہ لفظ عام ہیں۔ امراء علماء دونوں اس سے مراد ہیں جیسے کہ پہلے گزرا' قرآن فرماتا ہے' لَوْ لَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ الخ' یعنی ان کے علماء نے انہیں جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہ روکا؟ اور جگہ ہے

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ الخ' حدیث کے جاننے والوں سے پوچھ لیا کرو۔ اگر تمہیں علم نہ ہو۔

صحیح حدیث میں ہے میری اطاعت کرنے والا اللہ کی اطاعت کرنے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی' اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ پس یہ ہیں احکام علماء امراء کی اطاعت کے۔ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو یعنی اس کی کتاب کی اتباع کرو۔ اللہ کے رسول کی اطاعت کرو یعنی اس کی سنتوں پر عمل کرو اور حکم والوں کی اطاعت کرو یعنی اس چیز میں جو اللہ کی اطاعت ہو۔ اللہ کے فرمان کے خلاف اگر ان کا کوئی حکم ہو تو اطاعت نہ کرنی چاہئے کیونکہ ایسے وقت علماء یا امراء کی ماننا حرام ہے جیسے کہ پہلی حدیث گزر چکی ہے کہ اطاعت صرف معروف میں ہے یعنی فرمان اللہ و فرمان رسولؐ کے دائرے میں' مسند احمد میں اس سے بھی زیادہ صاف حدیث ہے جس میں ہے' کسی کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف جائز نہیں۔ آگے چل کر فرمایا کہ اگر تم میں کسی بارے میں جھگڑا پڑے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹاؤ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف جیسے کہ حضرت مجاہد کی تفسیر ہے' پس یہاں صریح اور صاف لفظوں میں اللہ عزوجل کا حکم ہو رہا ہے کہ لوگ جس مسئلہ میں اختلاف کریں خواہ وہ مسئلہ اصول دین سے متعلق ہو خواہ فروع دین سے متعلق' اس کے تصفیہ کی صرف یہی صورت ہے کہ کتاب و سنت کو حکم مان لیا جائے۔ جو اس میں ہو' وہ قبول کیا جائے جیسے اور آیت قرآنی میں ہے وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُکْمُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ یعنی اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے' اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے' پس کتاب و سنت جو حکم دے اور جس مسئلہ کی صحت کی شہادت دے' وہی حق ہے۔ باقی سب باطل ہے۔ قرآن فرماتا ہے حق کے بعد جو ہے ضلالت و گمراہی ہے اسی لئے یہاں بھی اس حکم کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو' یعنی اگر تم ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو جس مسئلہ کا تمہیں علم نہ ہو یعنی جس مسئلہ میں اختلاف ہو' جس امر میں جدا جدا آراء ہوں' ان سب کا فیصلہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہؐ سے کیا کرو' جو ان دونوں میں ہو مان لیا کرو' پس ثابت ہوا کہ جو شخص اختلافی مسائل کا تصفیہ کتاب و سنت کی طرف نہ لے جائے' وہ اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جھگڑوں میں اور اختلافات میں کتاب اللہ و سنت رسولؐ کی طرف فیصلہ لانا اور ان کی طرف رجوع کرنا ہی بہتر ہے اور یہی نیک انجام خوش آئند ہے اور یہی اچھے بدلے دلانے والا کام ہے' بہت اچھی جزا اسی کا ثمرہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ تجھ پر اور جو کچھ تجھ سے پہلے اتارا گیا ہے' اس پر ایمان ہے (لیکن) اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دے دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں' شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے ○ ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول کی طرف آؤ تو تو دیکھ لے گا کہ یہ منافق تجھ سے منہ پھیر کر اٹک جاتے ہیں ○

حسن سلوک اور دوغلے لوگ: ☆☆ (آیت: ۶۰-۶۳) اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دعوے کو جھٹلایا ہے جو زبانی تو اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام اگلی کتابوں پر اور اس قرآن پر بھی ایمان ہے لیکن جب کبھی کسی مسئلہ کی تحقیق کرنی ہو' جب کبھی کسی اختلاف کو سمیٹنا ہو جب کبھی کسی جھگڑے کا فیصلہ کرنا ہو تو قرآن وحدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ کسی اور طرف لے جاتے ہیں چنانچہ یہ آیت ان دو شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی جن میں کچھ اختلاف تھا۔ ایک تو یہودی تھا' دوسرا انصاری۔ یہودی تو کہتا تھا کہ چل محمد (ﷺ) سے فیصلہ کرالیں اور انصاری کہتا تھا کعب بن اشرف کے پاس چلو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے' بظاہر مسلمان کہلاتے ہیں۔ ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن درپردہ احکام جاہلیت کی طرف جھکنا چاہتے تھے اس کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ آیت اپنے حکم اور الفاظ کے اعتبار سے عام سے عام ہے۔ ان تمام واقعات پر مشتمل ہے۔ ہر اس شخص کی مذمت اور برائی کا اظہار کرتی ہے جو کتاب وسنت سے ہٹ کر کسی اور باطل کی طرف اپنا فیصلہ لے جائے اور یہی مراد یہاں طاغوت سے ہے (یعنی قرآن وحدیث کے سوا کی چیز یا شخص) صدود سے مراد تکبر سے منہ موڑ لینا جیسے اور آیت میں ہے وَاِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا یعنی جب ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی وحی کی فرمانبرداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا کی پیروی پر ہی اڑے رہیں گے۔ ایمان والوں کا جواب یہ نہیں ہوتا بلکہ ان کا جواب دوسری آیت میں اس طرح مذکور ہے اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ یعنی ایمان والوں کو جب اللہ رسول کے فیصلے اور حکم کی طرف بلایا جائے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے تہہ دل سے قبول کیا۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ
يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۞ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ
لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا ۢ بَلِيْغًا ۞

پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کرتوت کے باعث کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو پھر یہ تیرے پاس آ کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا یہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا بھید اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے' تو ان سے چشم پوشی کر' انہیں نصیحت کرتا رہ اور انہیں وہ بات کہہ جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو ○

(آیت: ۶۲-۶۳) پھر منافقوں کی مذمت میں بیان ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں کے باعث جب تکلیفیں پہنچتی ہیں اور تیری ضرورت محسوس ہوتی ہے تو دوڑے بھاگے آتے ہیں اور تمہیں خوش کرنے کے لئے عذر معذرت کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور قسمیں کھا کر اپنی نیکی اور صلاحیت کا یقین دلانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کے سوا دوسروں کی طرف ان مقدمات کے لے جانے سے ہمارا مقصود

صرف یہی تھا کہ ذرا دوسروں کا دل رکھا جائے آپس کا میل جول نبھ جائے ورنہ دل سے کچھ ہم ان کی اچھائی کے معتقد نہیں جیسے اور آیت میں فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ سے نٰدِمِيْنَ تک بیان ہوا ہے یعنی تو دیکھے گا کہ بیمار دل یعنی منافق یہود و نصاریٰ کی باہم دوستی کی تمام تر کوششیں کرتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں ان سے اختلاف کی وجہ سے آفت میں پھنس جانے کا خطرہ ہے۔ بہت ممکن ہے ان سے دوستی کے بعد اللہ تعالیٰ فتح دیں یا اپنا کوئی حکم نازل فرمائیں اور یہ لوگ ان ارادوں پر پشیمان ہونے لگیں جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ابو برزہ اسلمی ایک کاہن شخص تھا' یہود اپنے بعض فیصلے اس سے کراتے تھے۔ ایک واقعہ میں مشرکین بھی اس کی طرف دوڑے۔ اس میں یہ آیتیں اَلَمْ تَرَ سے تَوْفِيْقًا تک نازل ہوئیں' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے لوگ یعنی منافقین کے دلوں میں جو کچھ ہے' اس کا علم اللہ تعالیٰ کو کامل ہے۔ اس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مخفی نہیں۔ ان کے ظاہر باطن کا اسے علم ہے' تو ان سے چشم پوشی کر' ان کے باطنی ارادوں پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کر' ہاں انہیں نفاق اور دوسروں سے شر و فساد میں وابستہ رہنے سے باز رہنے کی نصیحت کر اور دل میں اترنے والی باتیں ان سے کہہ بلکہ ان کے لئے دعا بھی کر۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ
ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ
الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے اور اگر یہ لوگ جب کبھی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تیرے پاس آجاتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتا تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے ○ سو قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ ایماندار نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے تمام آپس کے اختلافات میں تجھ ہی کو حاکم نہ مان لیں۔ پھر تو جو فیصلے ان میں کر دے' ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں ○

اطاعت رسول اللہ ﷺ ہی ضامن نجات ہے: ☆☆ (آیت: ۶۴-۶۵) مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ کے رسول کی تابعداری اس کی امت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتی ہے۔ منصب رسالت یہی ہے کہ اس کے سبھی احکامات کو اللہ کے احکام سمجھا جائے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' بِاِذْنِ اللّٰهِ سے یہ مراد ہے کہ اس کی توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے۔ اس کی قدرت و مشیت پر موقوف ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ یہاں بھی اذن سے مراد امر قدرت اور مشیت ہے یعنی اس نے تمہیں ان پر غلبہ دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ عاصی اور خطا کاروں کو ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہئے اور خود رسول سے بھی عرض کرنا چاہئے کہ آپ ہمارے لئے دعائیں کیجئے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ ان کی طرف رجوع کرے گا۔ انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب میں جس میں مشہور قصے لکھے ہیں' لکھا ہے کہ عتبی کا بیان ہے' میں حضور کی تربت کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا اسلام علیکم یا رسول اللہ میں نے قرآن کریم

کی اس آیت کو سنا اور آپ کے پاس آیا ہوں تا کہ آپ کے سامنے اپنے گناہوں کا استغفار کروں اور آپ کی شفاعت طلب کروں، پھر اس نے یہ اشعار پڑھے ۔

یَاخَیرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُہٗ ... فَطَابَ مِنْ طِیْبِھِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ
نَفْسِی الْفِدَآءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ ... فِیْہِ الْعَفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَ الْکَرَمُ

جن جن کی ہڈیاں میدانوں میں دفن کی گئی ہیں اور ان کی خوشبو سے وہ میدان اور ٹیلے مہک اٹھے ہیں، اے ان تمام میں سے بہترین ہستی، میری جان اس قبر پر سے صدقے ہو جس کا ساکن تو ہے۔ جس میں پارسائی، سخاوت اور کرم ہے، پھر اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی خواب میں کیا دیکھتا ہوں حضور ﷺ مجھ سے فرما رہے ہیں جا اس اعرابی کو خوشخبری سنا، اللہ نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے (یہ خیال رہے کہ نہ تو یہ کسی حدیث کی کتاب کا واقعہ ہے نہ اس کی کوئی صحیح سند ہے بلکہ آیت کا یہ حکم حضور کی زندگی میں ہی تھا۔ وصال کے بعد نہیں جیسے کہ جَآءُ وْكَ کا لفظ بتلا رہا ہے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ ہر انسان کا ہر عمل اس کی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

پھر اللہ تعالیٰ اپنی بزرگ اور مقدس ذات کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایمان کی حدود میں نہیں آ سکتا جب تک کہ تمام امور میں اللہ کے اس آخر الزماں افضل تر رسول کو اپنا سچا حاکم نہ مان لے اور آپ کے ہر حکم ہر فیصلے ہر سنت اور ہر حدیث کو قابل قبول اور حق صریح تسلیم نہ کرنے لگے۔ دل کو اور جسم کو یکسر تابع رسول نہ بنا دے۔ غرض جو بھی ظاہر و باطن، چھوٹے بڑے کل امور میں حدیث رسول کو اصل اصول سمجھے، وہی مومن ہے۔ پس فرمان ہے کہ تیرے احکام کو یہ کشادہ دلی سے تسلیم کر لیا کریں اپنے دل میں ناپسندیدگی نہ لائیں۔ تسلیم کلی تمام احادیث کے ساتھ رہے۔ نہ تو احادیث کے ماننے سے رکیں نہ انہیں بے اثر کرنے کے اسباب ڈھونڈیں نہ ان کے مرتبہ کی کسی اور چیز کو سمجھیں نہ ان کی تردید کریں نہ ان کا مقابلہ کریں نہ ان کے تسلیم کرنے میں جھگڑیں جیسے فرمان رسول ہے، اس کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے، تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہش کو اس چیز کا تابع نہ بنا دے جسے میں لایا ہوں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کسی شخص سے نالیوں سے باغ میں پانی لینے کے بارے میں جھگڑا ہو پڑا تو حضور نے فرمایا، زبیر تم پانی پلا لو۔ اس کے بعد پانی کو انصاری کے باغ میں جانے دو۔ اس پر انصاری نے کہا ہاں یا رسول اللہ یہ تو آپ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا زبیر تم پانی پلا لو پھر پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو پہلے تو حضور نے ایک ایسی صورت نکالی تھی کہ جس میں حضرت زبیر کو تکلیف نہ ہو اور انصاری کو کشادگی ہو جائے لیکن جب انصاری نے اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھا تو آپ نے حضرت زبیر کو ان کا پورا حق دلوایا۔ حضرت زبیر فرماتے ہیں، جہاں تک میرا خیال ہے یہ آیت فَلَا وَرَبِّكَ الخ اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسند احمد کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ یہ انصاری بدری تھے اور روایت میں ہے دونوں میں جھگڑا یہ تھا کہ پانی کی نہر سے پہلے حضرت زبیر کا کھجوروں کا باغ پڑتا تھا پھر اس انصاری کا۔ انصاری کہتے تھے کہ پانی دونوں باغوں میں ایک ساتھ آئے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ دونوں دعویدار حضرت زبیر اور حضرت حاطب بن ابوبلتعہ تھے۔ آپ کا فیصلہ ان میں یہ ہوا کہ پہلے اونچے والا پانی پلا لے پھر نیچے والا۔ دوسری ایک زیادہ غریب روایت میں شان نزول یہ مروی ہے کہ دو شخص اپنا جھگڑا لے کر دربار محمدی میں آئے۔ آپ نے فیصلہ کر دیا لیکن جس کے خلاف فیصلہ تھا، اس نے کہا حضور آپ ہمیں حضرت عمر کے پاس بھیج دیجئے۔ آپ نے

فرمایا بہت اچھا' ان کے پاس چلے جاؤ' جب یہاں آئے تو جس کے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے سارا ہی واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت عمرؓ نے اس دوسرے سے پوچھا' کیا یہ سچ ہے؟ اس نے اقرار کیا۔ آپؓ نے فرمایا اچھا تم دونوں یہاں ٹھہرو میں آتا ہوں اور فیصلہ کر دیتا ہوں' تھوڑی دیر میں تلوار تانے آ گئے اور اس شخص کی جس نے کہا تھا کہ حضرت ہمیں عمرؓ کے پاس بھیج دیجئے' گردن اڑا دی' دوسرا شخص یہ دیکھتے ہی دوڑا بھاگا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا حضور میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور اگر میں بھی جان بچا کر بھاگ کر نہ آتا تو میری بھی خیر نہ تھی۔ آپؐ نے فرمایا میں عمرؓ کو ایسا نہیں جانتا تھا کہ وہ اس جرات۔ کے ساتھ ایک مومن کا خون بہا دے گا۔ اس پر یہ آیت اتری اور اس کا خون برباد گیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو بری کر دیا لیکن یہ طریقہ لوگوں میں اس کے بعد بھی جاری نہ ہو جائے اس لئے اس کے بعد ہی یہ آیت اتری وَلَوْاَنَّا كَتَبْنَا جو آگے آتی ہے (ابن ابی حاتم)۔ ابن مردویہ میں بھی یہ روایت ہے جو غریب اور مرسل ہے اور ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسری سند سے مروی ہے دو شخص رسول مقبول ﷺ کے پاس اپنا جھگڑا لائے۔ آپؐ نے حق والے کے حق میں ڈگری دے دی لیکن جس کے خلاف ہوا تھا' اس نے کہا میں راضی نہیں ہوں' آپؐ نے پوچھا کیا چاہتا ہے؟ کہا یہ کہ حضرت ابوبکر کے پاس چلیں' دونوں وہاں پہنچے جب یہ واقعہ جناب صدیق نے سنا تو فرمایا تمہارا فیصلہ وہی ہے جو حضور نے کیا وہ اب بھی خوش نہ ہوا اور کہا حضرت عمرؓ کے پاس چلو وہاں گئے۔ پھر وہ ہوا جو آپ نے اوپر پڑھا (تفسیر حافظ ابواسحاق)

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا
مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ
فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾
وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا
مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ
وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ ع ۱۱

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے ان میں سے بہت ہی کم لوگ بجا لاتے' اگر یہ وہی کریں جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لئے بہتر ہو اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہو ○ اور تب تو ہم انہیں اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں ○ اور یقیناً انہیں راہ راست دکھا دیں ○ جو بھی اللہ کی اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرے وہ ان کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ بہترین رفیق ہیں۔ یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بس ہے جاننے والا ○

عادت جب فطرت ثانیہ بن جائے اور صاحب ایمان کو بشارت رفاقت: ☆☆ (آیت: ۶۶-۷۰) اللہ خبر دیتا ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر انہیں ان منع کردہ کاموں کا بھی حکم دیا جاتا جنہیں وہ اس وقت کر رہے ہیں تو وہ ان کاموں کو بھی نہ کرتے اس لئے کہ ان کی

ذلیل طبیعتیں حکم الٰہ کی مخالفت پر ہی استوار ہوئی ہیں۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی خبر دی ہے جو ظاہر نہیں ہوئی لیکن ہوتی تو کس طرح ہوتی؟ اس آیت کو سن کر ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ حکم دیتا تو یقیناً ہم کر گزرتے لیکن اس کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس سے بچالیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا' بے شک میری امت میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط اور ثابت ہے۔ (ابن ابی حاتم)

اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ کسی ایک صحابہ رضوان اللہ علیہم نے یہ فرمایا تھا۔ سعدی کا قول ہے کہ ایک یہودی نے حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ سے فخریہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر خود ہمارا قتل بھی فرض کیا تو بھی ہم کر گزریں گے۔ اس پر حضرت ثابت نے فرمایا' واللہ اگر ہم پر یہ فرض ہوتا تو ہم بھی کر گزرتے' اس پر یہ آیت اتری۔ اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا' اگر یہ حکم ہوتا تو اس کے بجالانے والوں میں ایک ابن ام عبد بھی ہوتے (ابن ابی حاتم) دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس آیت کو پڑھ کر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ بھی اس پر عمل کرنے والوں میں سے ایک ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے کہ اگر یہ لوگ ہمارے احکام بجالاتے اور ہماری منع کردہ چیزوں اور کاموں سے رک جاتے تو یہ ان کے حق میں اس سے بہتر ہوتا کہ وہ مخالفت کریں اور ممانعت میں مشغول ہوں۔ یہی عمل صحیح اور حق والا ہے اس کے نتیجہ میں ہم انہیں جنت عطا فرماتے اور دنیا اور آخرت کی بہتر راہ کی رہنمائی کرتے۔ پھر فرماتا ہے' جو شخص اللہ اور رسولؐ کے احکام پر عمل کرے اور منع کردہ کاموں سے باز رہے' اسے اللہ تعالیٰ عزت کے گھر میں لے جائے گا۔ نبیوں کا رفیق بنائے گا اور صدیقوں کو جو مرتبے میں نبیوں کے بعد ہیں' ان کا مصاحب بنائے گا۔ شہیدوں' مومنوں اور صالحین جن کا ظاہر باطن آراستہ ہے' ان کا ہم جنس بنائے گا' خیال تو کرو' یہ کیسے پاکیزہ اور بہترین رفیق ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' میں نے نبی ﷺ سے سنا تھا کہ ہر نبی کو اس کے مرض کے زمانے میں دنیا میں رہنے اور آخرت میں جانے کا اختیار دیا جاتا ہے' جب حضورؐ بیمار ہوئے تو شدت نقاہت سے اٹھ نہیں سکتے تھے۔ آواز بیٹھ گئی تھی لیکن میں نے سنا کہ آپؐ فرمار ہے ہیں' ان کا ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا' جو نبی ہیں' صدیق ہیں' شہید ہیں اور نیکوکار ہیں۔ یہ سن کر مجھے معلوم ہوگیا کہ اب آپ کو اختیار دیا گیا ہے۔ یہی مطلب ہے جو دوسری حدیث میں آپؐ کے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ اے اللہ میں بلند و بالا رفیق کی رفاقت کا طالب ہوں۔ یہ کلمہ آپؐ نے تین مرتبہ اپنی زبان مبارک سے نکالا۔ پھر فوت ہوگئے علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

اس آیت کے شان نزول کا بیان: ☆☆ ابن جریر میں ہے کہ ایک انصاری حضورؐ کے پاس آئے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ سخت مغموم ہیں۔ سبب دریافت کیا تو جواب ملا کہ حضورؐ یہاں تو صبح شام ہم لوگ آپ کی خدمت میں آبیٹھتے ہیں۔ دیدار بھی ہو جاتا ہے اور دو گھڑی صحبت بھی میسر ہو جاتی ہے لیکن کل قیامت کے دن تو آپ نبیوں کی اعلیٰ مجلس میں ہوں گے۔ ہم تو آپ تک پہنچ بھی نہ سکیں گے۔ حضورؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر حضرت جبرائیلؑ یہ آیت لائے۔ آنحضرتؐ نے آدمی بھیج کر انہیں یہ خوشخبری سنادی' یہی اثر مرسل سند سے بھی مروی ہے جو سند بہت ہی اچھی ہے۔

حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ آپ پر ایمان لانے والوں سے یقیناً بہت ہی بڑا ہے۔ پس جبکہ جنت میں یہ سب جمع ہوں گے تو آپس میں ایک دوسرے کو کیسے دیکھیں

گے اور کیسے ملیں گے؟ پس یہ آیت اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اوپر کے درجہ والے نیچے والوں کے پاس اتر آئیں گے اور پر بہار باغوں میں سب جمع ہوں گے اور اللہ کے احسانات کا ذکر اور اس کی تعریفیں کریں گے اور جو چاہیں گے پائیں گے۔ ناز و نعم سے ہر وقت رہیں گے۔

ابن مردویہ میں ہے' ایک شخص حضورؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ میں آپ کو اپنی جان سے' اپنے اہل و عیال سے اور اپنے بچوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ میں گھر میں ہوتا ہوں لیکن شوق زیارت مجھے بے قرار کر دیتا ہے' صبر نہیں کر سکتا' دوڑتا بھاگتا ہوں اور دیدار کر کے چلا جاتا ہوں لیکن جب مجھے آپ کی اور اپنی موت یاد آتی ہے اور اس کا یقین ہے کہ آپ جنت میں نبیوں کے سب سے بڑے اونچے درجے میں ہوں گے تو ڈر لگتا ہے کہ پھر میں حضورؐ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا۔ آپ نے تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے اور بھی طریقے ہیں۔

صحیح مسلمؒ شریف میں ہے' ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رات کو حضورؐ کی خدمت میں رہتا اور پانی وغیرہ لا دیا کرتا تھا۔ ایک بار آپؐ نے مجھ سے فرمایا' کچھ مانگ لے' میں نے کہا جنت میں آپ کی رفاقت کا طالب ہوں۔ فرمایا۔ اس کے سوا اور کچھ؟ میں نے کہا۔ وہ بھی یہی فرمایا میری رفاقت کے لئے میری مدد کر بکثرت سجدے کیا کر۔ مسند احمد میں ہے' ایک شخص نے آنحضرت سے کہا' میں اللہ کے لاشریک ہونے کی اور آپؐ کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور رمضان کے روزے رکھتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا' جو مرتے دم تک اسی پر رہے گا' وہ قیامت کے دن نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اس طرح ہوگا۔ پھر آپؐ نے اپنی دو انگلیاں اٹھا کر اشارہ کر کے بتایا لیکن یہ شرط ہے کہ ماں باپ کا نافرمان نہ ہو۔

مسند احمد میں ہے جس نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار آیتیں پڑھیں وہ ان شاء اللہ قیامت کے دن نبیوں صدیقوں شہیدوں اور صالحوں کے ساتھ لکھا جائے گا۔ ترمذی میں ہے سچا امانت دار تاجر نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ ان سب سے زیادہ زبردست بشارت اس حدیث میں ہے جو صحاح اور مسانید وغیرہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ایک زبردست جماعت سے بہ تواتر مروی ہے کہ نبی ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ایک قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن اس سے ملا نہیں تو آپؐ نے فرمایا' اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ہر انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مسلمان جس قدر اس حدیث سے خوش ہوئے اتنا کسی اور چیز سے خوش نہیں ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' واللہ میری محبت تو آنحضرت ﷺ سے ہے حضرت ابوبکر سے ہے اور حضرت عمر سے ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ مجھے بھی انہی کے ساتھ اٹھائے گا گو میرے اعمال ان جیسے نہیں (یا اللہ تو ہمارے دل بھی اپنے نبی ﷺ اور ان کے چاہنے والوں کی محبت سے بھر دے اور ہمارا حشر بھی انہی کے ساتھ کر دے۔ آمین)۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنتی لوگ اپنے سے بلند درجہ والے جنتیوں کو ان کے بالا خانوں میں اس طرح دیکھیں گے جیسے تم چمکتے ستارے کو مشرق یا مغرب میں دیکھتے ہو' ان میں بہت کچھ فاصلہ ہوگا' صحابہ نے کہا یہ منزلیں تو انبیاء کرام کے لئے ہی مخصوص ہوں گی؟ کوئی اور وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا' کیوں نہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' ان منزلوں تک وہ بھی پہنچیں گے جو اللہ پر ایمان لائے رسولوں کو سچا جانا اور مانا (بخاری و مسلم)۔

ایک حبشی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے' آپ فرماتے ہیں جو پوچھنا ہو پوچھو اور سمجھو وہ کہتا ہے یا رسول اللہ آپ کو صورت میں رنگ میں نبوت میں اللہ عزوجل نے ہم پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اگر میں بھی اس چیز پر ایمان لاؤں جس پر آپ ایمان لائے ہیں اور ان احکام کو بجالاؤں جنہیں آپ بجالا رہے ہیں تو کیا جنت میں آپ کا ساتھ ملے گا؟ حضورؐ نے فرمایا' ہاں اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' جنتی حبشی تو ایسا گورا چٹا ہو کر جنت میں جائے گا کہ اس کا پنڈا ایک ہزار برس کے فاصلے سے ہی نورانیت کے ساتھ جگمگاتا ہوا نظر آئے گا۔ پھر فرمایا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والے سے اللہ کا وعدہ ہے اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ کہنے والے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس پر ایک اور صاحب نے کہا' حضورؐ جب یہ حقائق ہیں تو پھر ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ایک انسان قیامت کے دن اس قدر اعمال لے کر آئے گا' اگر کسی پہاڑ پر رکھے جائیں تو وہ بھی بوجھل ہو جائے لیکن ایک ہی نعمت جو اس کے مقابل کھڑی ہوگی جو صرف اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا نتیجہ ہوگی' اس کے سامنے مذکورہ اعمال کم نظر آئیں گے محض اس کا شکریہ میں ہی یہ اعمال کم نظر آئیں گے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اسے ڈھانک لے اور جنت دے دے اور یہ آیتیں اتریں ہَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ سے مُلْکًا کَبِیْرًا تک تو حبشی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنت میں جن جن چیزوں کو آپ کی آنکھیں دیکھیں گی میری آنکھیں بھی دیکھ سکیں گی؟ آپ نے فرمایا ہاں اس پر وہ حبشی فرط شوق میں روئے اور اس قدر روئے کہ اسی حالت میں فوت ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا کہ ان کی لاش مبارک کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اتار رہے تھے۔ یہ روایت غریب ہے اور اس میں اصولی خامیاں بھی ہیں۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ ارشاد الٰہی ہے' یہ خاص اللہ کی عنایت اور اس کا فضل ہے۔ اس کی رحمت سے ہی یہ اس کے قابل ہوئے نہ کہ اپنے اعمال سے' اللہ خوب جاننے والا ہے' اسے بخوبی معلوم ہے کہ مستحق ہدایت و توفیق کون ہے؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ
اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ
اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ
مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ
لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ
مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

اے مسلمانو اپنے ہتھیار لئے رہو۔ پھر گروہ گروہ بن کر کوچ کرو یا سب کے سب اکٹھے نکل کھڑے ہو ○ یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو پس و پیش کرتے ہیں' پھر اگر

تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو کہتے ہیں اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا O اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فضل مل جائے تو اس طرح کہ گویا تم میں ان میں کوئی دوستی تھی ہی نہیں۔ کہتے ہیں کاش کہ میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا O پس جو لوگ دنیا کی زندگانی کو آخرت پر قربان کرنے والے ہیں انہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہئے۔ جو شخص راہ اللہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پالے یا غالب آ جائے یقیناً ہم اسے بہت بڑا بدلہ عنایت فرمائیں گے O

طاقتور اور متحد ہو کر زندہ رہو: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۴) اللہ رب العزت مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے بچاؤ کے اسباب مہیا رکھیں۔ ہر وقت ہتھیار بند رہیں تاکہ دشمن ان پر باآسانی کامیاب نہ ہو جائے۔ ضرورت کے ہتھیار تیار رکھیں۔ اپنی تعداد بڑھاتے رہیں۔ قوت مضبوط کرتے رہیں۔ باقاعدہ مردانہ وار جہاد کے لئے بیک آواز اٹھ کھڑے ہوں چھوٹے چھوٹے لشکروں میں بٹ کر یا متحدہ فوج کی صورت میں جیسا موقعہ ہو آواز آتے ہی کوچ کریں۔ یہ منافقین کی خصلت ہے کہ خود بھی راہ خدا سے جی چرائیں اور دوسروں کو بھی ڈھیلا کریں جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول سردار منافقین کا فعل تھا' اللہ اسے رسوا کرے' ان کی حالت یہ ہے کہ اگر حکمت الٰہی سے مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلہ میں کامیابی نہ ہوتی' دشمن ان پر چھا جاتا انہیں نقصان پہنچتا ان کے آدمی شہید ہوتے تو یہ گھر بیٹھا خوشیاں مناتا اور اپنی دانائی پر اکڑتا اور اپنا اس جہاد میں شریک نہ ہونا اپنے حق میں اللہ کا انعام قرار دیتا ہے لیکن بے خبر یہ نہیں سمجھتا کہ جو اجر و ثواب ان مجاہدین کو ملا' اس سب سے یہ بدنصیب یک لخت محروم رہا' اگر یہ بھی ان میں شامل ہوتا تو یا تو غازی کا درجہ پاتا اور اپنے صبر کے ثواب سمیٹتا یا شہادت کے بلند مرتبے تک پہنچ جاتا' اور اگر مسلمان مجاہدین کو اللہ کا فضل مل گیا یعنی یہ دشمنوں پر غالب آ گئے ان کی فتح ہوئی' دشمنوں کو انہوں نے پامال کیا اور مال غنیمت لونڈی غلام لے کر خیر و عافیت' ظفر و نصرت کے ساتھ لوٹے تو یہ اب انگاروں پر لوٹتا ہے اور ایسے لمبے لمبے سانس لے کر ہائے وائے کرتا ہے اور اس طرح پچھتاتا ہے اور ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہے گویا یہ دین تمہارا ہی نہیں اس کا دین ہے۔ کہتا ہے افسوس میں ان کے ساتھ نہ ہوا ورنہ مجھے بھی حصہ ملتا اور میں بھی لونڈی' غلام والا' مال و متاع والا بن جاتا الغرض دنیا پر ریجھا ہوا اور اسی پر مٹا ہوا ہے۔ پس اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہونے والے مومنوں کو چاہئے کہ ان سے جہاد کریں جو اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت کئے دے رہے ہیں' اپنے کفر اور عدم ایمان کے باعث اپنی آخرت کو برباد کر کے دنیا بناتے ہیں۔ سنو! راہ اللہ کا مجاہد کبھی نقصان نہیں اٹھاتا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں لڈو ہیں۔ قتل کیا گیا تو اجر موجود' غالب رہا تو ثواب حاضر۔ بخاری و مسلم میں ہے اللہ کی راہ کے مجاہد کا ضامن خود اللہ ہے' یا تو اسے شہید کر کے جنت میں پہنچائے گا یا جس جگہ سے وہ چلا ہے' وہیں اجر و غنیمت کے ساتھ صحیح سالم واپس لائے گا۔ فالحمدللہ۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا
مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ
لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ الَّذِينَ آمَنُوا
يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ
الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ

ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾ ع ٦

بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتوانوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو جو مرد عورتیں اور ننھے ننھے بچے یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کر دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا ○ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اللہ کے سوا اوروں کی راہ میں لڑتے ہیں پس تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو۔ یقین مانو کہ شیطانی حیلہ بالکل بودا اور سخت کمزور ہے ○

شیطان کے دوستوں سے جنگ لازم ہے: ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۶) اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنی راہ کے جہاد کی رغبت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ کمزور و بے بس لوگ جو مکہ میں ہیں جن میں عورتیں اور بچے بھی ہیں جو وہاں کے قیام سے اکتا گئے ہیں جن پر کفار نت نئی مصیبتیں توڑ رہے ہیں جو محض بے بال و پر ہیں انہیں آزاد کراؤ جو بے کس دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اسی بستی یعنی مکہ سے ہمارا نکلنا ممکن ہو مکہ شریف کو اس آیت میں بھی قریہ کہا گیا ہے وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ یعنی بہت سی بستیاں اس بستی سے کہیں زیادہ طاقت و قوت والی تھیں جس بستی نے یعنی بستی والوں نے تجھے نکالا۔ اسی مکہ کے رہنے والے کافروں کے ظلم کی شکایت بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ہی اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں کہ اے رب ہمارا ولی اور مددگار اپنے پاس سے مقرر کر۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ انہی کمزوروں میں تھے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ پڑھ کر فرمایا میں اور میری والدہ صاحبہ بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا۔ پھر فرماتا ہے ایماندار اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی رضا جوئی کے لیئے جہاد کرتے ہیں اور کفار اطاعت شیطان میں لڑتے ہیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ شیطان کے دوستوں سے جو اللہ کے دشمن ہیں دل کھول کر جنگ کریں اور یقین مانیں کہ شیطان کے ہتھکنڈے اور اس کے مکر و فریب سب نقش بر آب ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو پھر جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا اسی وقت ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے اللہ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگی اے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ کیوں ہمیں تھوڑی سی زندگی اور نہ جینے دیا۔ تو کہہ دے کہ دنیا کی سود مندی تو بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لئے تو آخرت ہی بہتر ہے تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ستم روا نہ رکھا جائے گا ○

اولین درس صبر وضبط: ☆☆ (آیت:۷۷) واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں جبکہ مسلمان مکہ شریف میں تھے' کمزور تھے' حرمت والے شہر میں تھے' کفار کا غلبہ تھا' یہ انہی کے شہر میں تھے' وہ بکثرت تھے' جنگی اسباب میں ہر طرح فوقیت رکھتے تھے' اس لئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد وقتال کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان سے فرمایا تھا کہ یہ کافروں کی ایذائیں سہتے چلے جائیں۔ ان کی مخالفت برداشت کریں۔ ان کے ظلم وستم سہہ لیا کریں' جو احکام الٰہی نازل ہو چکے ہیں' ان پر عامل رہیں۔ نمازیں ادا کرتے رہیں۔ زکوٰۃ دیتے رہا کریں' گو ان میں عموماً مال کی زیادتی بھی نہ تھی لیکن تاہم مسکینوں اور محتاجوں کے کام آنے کا اور ان کی ہمدردی کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ مصلحت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ سردست یہ کفار سے نہ لڑیں بلکہ صبر وضبط سے کام لیں' ادھر کافر بڑی دلیری سے ان پر ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے کو سخت سے سخت سزائیں دے رہے تھے' مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اس لئے ان کے دل میں رہ رہ کر جوش اٹھتا تھا اور زبان سے الفاظ نکل جاتے تھے کہ اس روزمرہ کی مصیبتوں سے تو یہی بہتر ہے کہ ایک مرتبہ دل کی بھڑاس نکل جائے' دو دو ہاتھ میدان میں ہو لیں۔ کاش کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاد کا حکم دے دے لیکن اب تک حکم نہ ہوا' جب انہیں ہجرت کی اجازت ملی اور مسلمان اپنی زمین' زر رشتہ' کنبہ اللہ کے نام پر قربان کر کے اپنا دین لے کر مکہ سے ہجرت کر کے مدینے پہنچے' یہاں انہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی سہولت دی۔ امن کی جگہ دی۔ امداد کے لئے انصار مدینہ دیئے' تعداد میں کثرت ہوگئی۔ قوت وطاقت قدرے بڑھ گئی تو اب اللہ کی طرف سے اجازت ملی کہ اپنے لڑنے والوں سے لڑو' جہاد کا حکم اترتے ہی بعض لوگ سٹپٹائے' خوف زدہ ہوئے۔ جہاد کا تصور کر کے میدان میں قتل کئے جانے کا تصور' عورتوں کے رنڈاپے کا خیال' بچوں کی یتیمی کا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ گھبراہٹ میں کہہ اٹھے کہ الٰہی ابھی سے جہاد کیوں فرض کر دیا۔ کچھ تو مہلت دی ہوتی۔

اسی مضمون کو دوسری آیتوں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ الخ' مختصر مطلب یہ ہے کہ ایماندار کہتے ہیں' کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی جاتی۔ جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو بیمار دل لوگ چیخ اٹھتے ہیں اور ٹیڑھے تیوروں سے تجھے گھورتے ہیں اور موت کی غشی والوں کی طرح اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ ان پر افسوس ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھی مکہ شریف میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں اے نبی اللہؐ ہم کفر کی حالت میں ذی عزت تھے۔ آج اسلام کی حالت میں ذلیل سمجھے جانے لگے (مطلب یہ تھا کہ آپؐ کی فرماں برداری ضروری ہے اور آپ مقابلہ سے منع کرتے ہیں جس سے کفار کی جرات بڑھ گئی ہے اور وہ ہمیں ذلیل کرنے لگے ہیں تو آپؐ ہمیں مقابلہ کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟) لیکن آپ نے جواب دیا' مجھے اللہ کا حکم یہی ہے کہ ہم درگذر کریں' کافروں سے جنگ نہ کریں۔ پھر جب مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی اور یہاں جہاد کے احکام نازل ہوئے تو لوگ ہچکچانے لگے۔ اس پر یہ آیت اتری (نسائی' حاکم' ابن مردویہ)۔

سدیؒ فرماتے ہیں' صرف صلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم ہی تھا تو تمنائیں کرتے تھے کہ جہاد فرض ہو۔ جب فریضہ جہاد نازل ہوا تو کمزور دل لوگ انسانوں سے ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ کیوں ہمیں اپنی ہاں موت کے صحیح وقت تک فائدہ نہ اٹھانے دیا۔ انہیں جواب ملتا ہے کہ دنیوی نفع بالکل ناپائیدار اور بہت ہی کم ہے' ہاں متقیوں کے لئے آخرت دنیا سے بہت ہی بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔ جواباً کہا گیا ہے کہ پرہیزگاروں کا انجام آغاز سے بہت ہی اچھا ہے۔ تمہیں تمہارے اعمال پورے پورے دیئے جائیں گے' کامل اجر ملے گا' ایک بھی نیک عمل غارت نہ کیا جائے گا ناممکن ہے کہ ایک بال برابر ظلم اللہ کی طرف سے کسی پر کیا جائے۔ اس جملے میں انہیں دنیا سے بے رغبتی دلائی جا رہی ہے

اور آخرت کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے اور جہاد کی رغبت دی جا رہی ہے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اللہ اس بندے پر رحم کرے جو دنیا کے ساتھ ایسا ہی رہے۔ ساری دنیا اول سے آخر تک اس طرح ہے جیسے کوئی سویا ہوا شخص اپنے خواب میں اپنی پسندیدہ چیز کو دیکھے لیکن آنکھ کھلتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کچھ نہ تھا۔ حضرت ابو مصہرؒ کا یہ کلام کتنا پیارا ہے۔

وَلَا خَيْرَ فِي الدُّنْيَا لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ   مِنَ اللّٰهِ فِيْ دَارِ الْمَقَامِ نَصِيْبُ

فَاِنْ تُعْجِبِ الدُّنْيَا رِجَالًا فَاِنَّهَا   مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَالزَّوَالُ قَرِيْبُ

یعنی اس شخص کے لئے دنیا بھلائی سے یکسر خالی ہے جسے کل آخرت کا کوئی حصہ ملنے والا نہیں۔ گو دنیا کو دیکھ دیکھ کر بعض لوگ ریجھ رہے ہیں لیکن دراصل یہ یونہی سا فائدہ ہے اور وہ بھی بہت جلد فنا ہو جانے والا۔

پھر ارشاد باری ہے کہ آخرش موت کا مزہ ہر ایک کو چکھنا ہی ہے۔ کوئی ذریعہ کسی کو اس سے بچا نہیں سکتا' جیسے فرمان ہے کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ جتنے یہاں ہیں سب فانی ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ہر ہر جاندار مرنے والا ہے۔ فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ تجھ سے اگلے لوگوں میں سے بھی کسی کے لئے ہم نے ہمیشہ کی زندگی مقرر نہیں کی۔ مقصد یہ ہے کہ خواہ جہاد کرے یا نہ کرے ذات اللہ کے سوا موت کا مزہ تو ایک نہ ایک روز ہر کسی کو چکھنا ہی پڑے گا۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے اور ہر ایک کی موت کی جگہ بھی معین ہے' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت جبکہ آپ بستر مرگ پر ہیں' فرماتے ہیں قسم اللہ کی فلاں فلاں جگہ غرض بیسیوں لڑائیوں میں سینکڑوں معرکوں میں گیا۔ ثابت قدمی' پامردی کے ساتھ دلیرانہ جہاد کئے آؤ دیکھ لو میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہ پاؤ گے جہاں کوئی نہ کوئی نشان نیزے یا برچھے یا تیر یا بھالے کا' تلوار اور ہتھیار کا نہ ہو لیکن چونکہ میدان جنگ میں موت نہ لکھی تھی' اب دیکھو اپنے بستر پر اپنی موت مر رہا ہوں' کہاں ہیں لڑائی سے جی چرانے والے نامرد' میری ذات سے سبق سیکھیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾

تم جہاں کہیں بھی ہو' موت تمہیں آ پکڑے گی گو تم مضبوط برجوں میں ہو' انہیں اگر کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں' یہ تیری طرف سے ہے' انہیں خبر کر دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایک بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں؟ ○

موت سے فرار ممکن نہیں: ☆☆ (آیت: ۷۸) پھر فرماتا ہے کہ موت کے پنجے سے بلند و بالا' مضبوط اور محفوظ قلعے اور محل بھی بچا نہیں سکتے۔ بعضوں نے کہا' مراد اس سے آسمان کے برج ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح یہی ہے کہ مراد محفوظ مقامات ہیں یعنی کتنی ہی حفاظت موت سے کی جائے لیکن وہ اپنے وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ زہیر کا شعر ہے کہ موت سے بھاگنے والا گو زینہ لگا کر اسباب آسمانی بھی جمع کر لے تاہم اسے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔

ایک قول ہے مُشَيَّدَةَ بہ تشدید اور مَشِيد بغیر تشدید ایک ہی معنی میں ہیں اور بعض ان دونوں میں فرق کے قائل ہیں' کہتے ہیں کہ اول کا معنی مطول' دوسرے کا معنی مزین یعنی چونے سے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں اس موقعہ پر ایک مطول قصہ بہ زبان حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ مروی ہے کہ اگلے زمانے میں ایک عورت حاملہ تھی۔ جب اسے درد ہونے لگے اور بچی تولد ہوئی تو اس نے اپنے ملازم سے کہا کہ جاؤ کہیں سے آگ لے آؤ۔ وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے۔ پوچھتا ہے کہ کیا ہوا لڑکی یا لڑکا؟ اس نے کہا لڑکی ہوئی ہے۔ کہا سن یہ لڑکی ایک سو آدمیوں سے زنا کرائے گی۔ پھر اس کے ہاں اب جو شخص ملازم ہے' اسی سے اس کا نکاح ہو گا اور ایک مکڑی اس کی موت کا باعث بنے گی۔ یہ شخص یہیں سے پلٹ آیا اور آتے ہی ایک تیز چھری لے کر اس لڑکی کے پیٹ کو چیر ڈالا اور اسے مردہ سمجھ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس کی ماں نے یہ حال دیکھ کر اپنی بچی کے پیٹ میں ٹانکے دیئے اور علاج معالجہ شروع کیا جس سے اس کا زخم بھر گیا' اب ایک زمانہ گذر گیا۔ ادھر یہ لڑکی بلوغت کو پہنچ گئی اور تھی بھی اچھی شکل صورت کی' بدچلنی میں پڑ گئی۔ ادھر ملازم سمندر کے راستے کہیں چلا گیا۔ کام کاج شروع کیا اور بہت رقم پیدا کی۔ کل مال سمیٹ کر بہت مدت بعد یہ پھر اسی اپنے گاؤں میں آ گیا اور ایک بڑھیا عورت کو بلا کر کہا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ گاؤں میں جو بہت خوبصورت عورت ہو' اس سے میرا نکاح کرا دو' یہ عورت گئی اور چونکہ شہر بھر میں اس لڑکی سے زیادہ خوش شکل کوئی عورت نہ تھی' یہیں پیغام بھیجا' منظور ہو گیا' نکاح بھی ہو گیا اور وداع ہو کر یہ اس کے ہاں آ بھی گئی' دونوں میاں بیوی میں بہت محبت ہو گئی۔ ایک دن ذکر اذکار میں اس عورت نے اس سے پوچھا' آپ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں۔ یہاں کیسے آ گئے؟ وغیرہ۔ اس نے اپنا تمام ماجرا بیان کر دیا کہ میں یہاں ایک عورت کے ہاں ملازم تھا اور وہاں سے اس کی لڑکی کے ساتھ یہ حرکت کر کے بھاگ گیا تھا۔ اب اتنے برسوں کے بعد یہاں آیا ہوں تو اس لڑکی نے کہا جس کا پیٹ چیر کر تم بھاگے تھے' میں وہی ہوں۔ یہ کہہ کر اپنے اس زخم کا نشان بھی اسے دکھایا۔ تب تو اسے یقین آ گیا اور کہنے لگا جب تو وہی ہے تو ایک بات تیری نسبت مجھے اور بھی معلوم ہے' وہ یہ کہ تو ایک سو آدمیوں سے مجھ سے پہلے مل چکی ہے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ کام تو مجھ سے ہوا ہے لیکن گنتی یاد نہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے تیری نسبت ایک اور بات بھی معلوم ہے۔ وہ یہ کہ تیری موت کا سبب ایک مکڑی بنے گی۔ خیر چونکہ مجھے تجھ سے بہت زیادہ محبت ہے' میں تیرے لئے ایک بلند و بالا پختہ اور اعلیٰ محل تعمیر کرا دیتا ہوں۔ اسی میں تو رہ تاکہ وہاں تک ایسے کیڑے مکوڑے پہنچ ہی نہ سکیں چنانچہ ایسا ہی محل تیار ہوا اور یہ وہاں رہنے سہنے لگی۔

ایک مدت کے بعد ایک روز دونوں میاں بیوی بیٹھے تھے کہ اچانک چھت پر ایک مکڑی دکھائی دی۔ اسے دیکھتے ہی اس شخص نے کہا' دیکھو آج یہاں مکڑی دکھائی دی' عورت بولی اچھا یہ میری جان لیوا ہے؟ تو میں اس کی جان لوں گی۔ غلاموں کو حکم دیا کہ اسے زندہ پکڑ کر میرے سامنے لاؤ نوکر پکڑ کر لے آئے۔ اس نے زمین پر رکھ کر اپنے پیر کے انگوٹھے سے اسے مل ڈالا۔ اس کی جان نکل گئی لیکن اس میں سے پیپ جو نکلا اس کا ایک آدھ قطرہ اس کے انگوٹھے کے ناخن اور گوشت کے درمیان اڑ کر چپک گیا۔ اس کا زہر چڑھا' پیر سیاہ پڑ گیا اور اسی میں آخر مر گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب باغی چڑھ دوڑے تو آپ نے امت محمدؐ کی خیر خواہی اور ان کے اتفاق کی دعا کے بعد دو شعر پڑھے جن کا مطلب بھی یہی ہے کہ موت کو ٹالنے والی کوئی چیز اور کوئی حیلہ' کوئی قوت اور کوئی چالاکی نہیں۔ حضر کے بادشاہ ساطرون کو کسریٰ شاپور ذوالاکتاف نے جو قتل کیا' وہ واقعہ بھی ہم یہاں لکھتے ہیں۔ ابن ہشام میں ہے' جب شاہ پور عراق میں تھا تو اس کے علاقہ پر ساطرون نے چڑھائی کی تھی۔ اس کے بدلے میں اس نے جب چڑھائی کی تو یہ قلعہ بند ہو گیا۔ دو سال تک محاصرہ رہا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

ایک روز ساطرون کی بیٹی نضیرہ اپنے باپ کے قلعہ کا گشت لگا رہی تھی جو اچانک اس کی نظر شاہ پور پر پڑ گئی یہ اس وقت شاہانہ پر تکلف ریشمی لباس میں تاج شاہی سر پر رکھے ہوئے تھا۔ نضیرہ کے دل میں آیا کہ اس سے میری شادی ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو؟ چنانچہ اس نے خفیہ

پیغام بھیجنے شروع کئے اور وعدہ ہو گیا کہ اگر یہ لڑکی اس قلعہ پر شاہ پور کا قبضہ کرا دے تو شاہ پور اس سے نکاح کر لے گا۔ اس کا باپ ساطرون بڑا شرابی تھا۔ اس کی ساری رات نشہ میں کٹتی تھی اس کی لڑکی نے موقعہ پا کر رات کو اپنے باپ کو نشہ میں مدہوش دیکھ کر اس کے سرہانے سے قلعہ کے دروازے کی کنجیاں چپکے سے نکال لیں اور اپنے ایک بھروسے دار غلام کے ہاتھ ساطرون تک پہنچا دیں جس سے اس نے دروازہ کھول لیا اور شہر میں قتل عام کرایا اور قابض ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس قلعہ میں ایک جادو تھا۔ جب تک اس طلسم کو توڑا نہ جائے قلعہ کا فتح ہونا ناممکن تھا۔ اس لڑکی نے اس کے توڑنے کا گر اسے بتلا دیا کہ ایک چت کبرا کبوتر لے کر اس کے پاؤں کسی باکرہ کے پہلے حیض کے خون سے رنگ لو۔ پھر اس کبوتر کو چھوڑو۔ وہ جا کر قلعہ کی دیوار پر بیٹھے تو فوراً وہ طلسم ٹوٹ جائے گا اور قلعہ کا پھاٹک کھل جائے گا۔

چنانچہ شاہ پور نے یہی کیا اور قلعہ فتح کر کے ساطرون کو قتل کر ڈالا۔ تمام لوگوں کو تہہ تیغ کیا اور سارے شہر کو اجاڑ دیا اور اس لڑکی کو اپنے ہمراہ لے گیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ ایک رات جبکہ لڑکی نضیرہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی اسے نیند نہ آ رہی تھی تلملا رہی تھی اور بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی تو شاہ پور نے پوچھا کیا بات ہے اس نے کہا شاید میرے بستر میں کچھ ہے جس سے مجھے نیند نہیں آ رہی شمع جلائی گئی بستر ٹٹولا گیا تو گل آس کی ایک پتی نکلی شاہ پور اس نزاکت پر حیران رہ گیا کہ ایک اتنی چھوٹی سی پتی بستر میں ہونے کی بنا پر اسے نیند نہیں آئی؟ پوچھا تیرے والد کے ہاں تیرے لئے کیا ہوتا تھا؟ اس نے کہا نرم ریشم کا بستر تھا صرف باریک نرم ریشمی لباس تھا۔ صرف نلیوں کا گودا کھایا کرتی تھی اور صرف انگوری خالص شراب پیتی تھی یہ انتظام میرے باپ نے میرے لئے کر رکھا تھا تھی بھی ایسی کہ اس کی پنڈلی کا گودا تک باہر سے نظر آتا تھا۔ ان باتوں نے شاہ پور پر ایک اور رنگ چڑھا دیا اور اس نے کہا جس باپ نے تجھے اس طرح پالا پوسا اس کے ساتھ تو نے یہ سلوک کیا کہ میرے ہاتھوں اسے قتل کرایا۔ اس کے ملک کو تاخت و تاراج کرایا پھر مجھے تجھ سے کیا امید رکھنی چاہئے؟ اللہ جانے میرے ساتھ تو کیا کرے؟ اسی وقت حکم دیا کہ اس کے سر کے بال گھوڑے سے باندھ دیئے جائیں اور گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیا جائے چنانچہ یہی ہوا۔ گھوڑا ابد کا بھاگا اچھلنے کودنے لگا اور اس کی ٹاپوں سے زمین پر پچھاڑیں کھاتے ہوئے اس کے جسم کا چورا چورا ہو گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو عرب شعراء نے نظم بھی کیا ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلاً وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾

تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ ہم نے تجھے تمام لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ بس ہے سامنے دیکھتا O

ہر بھلائی کی اللہ کی طرف سے ہے: ☆☆ (آیت: ۷۹) پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر انہیں خوش حالی پھلواری اولاد کھیتی ہاتھ لگے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر قحط سالی پڑے تنگ روزی ہو موت اور کمی اولاد و مال کی اور کھیت اور باغ کی ہو تو جھٹ سے کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ نتیجہ ہے نبی کی تابعداری کا۔ یہ فائدہ ہے مسلمان ہونے کا یہ پھل ہے دیندار بننے کا فرعونی بھی اسی طرح برائیوں میں حضرت موسیٰ اور مسلمانوں کی طرف سے بدشگونی لیا کرتے تھے جیسے کہ قرآن نے اور جگہ اس کا ذکر کیا ہے ایک آیت میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ الخ یعنی بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ایک کنارے کھڑے رہ کر عبادت اللہ کرتے ہیں یعنی اگر بھلائی ملی تو باچھیں

کھل جاتی ہیں اور اگر برائی پہنچے تو الٹے پیروں پلٹ جاتے ہیں۔ یہ ہیں جو دونوں جہان میں برباد ہوں گے پس یہاں بھی ان منافقوں کی جو بظاہر مسلمان ہیں اور دل کے کھوٹے ہیں' برائی بیان ہو رہی ہے کہ جہاں کچھ نقصان ہوا' بہک گئے کہ یہ تو اسلام لانے کی وجہ سے ہمیں نقصان ہوا۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ حَسَنَه سے مراد یہاں بارشوں کا ہونا' جانوروں میں زیادتی ہونا' بال بچے بہ کثرت ہونا' خوشحالی میسر آنا وغیرہ ہے' اگر یہ ہوا تو تو کہتے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے اور اگر اس کے خلاف ہوتا تو اس بے برکتی کا باعث رسول اللہ ﷺ کو بتاتے اور کہتے یہ سب تیری طرف سے ہے یعنی ہم نے اپنے بڑوں کی راہ چھوڑ دی اور اس نبیؐ کی تابعداری اختیار کی' اس لیئے اس مصیبت میں پھنس گئے اور اس بلا میں پڑ گئے۔ پس پروردگار ان کے اس ناپاک قول اور اس پلید عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کی قضاو قدر ہر بھلے برے' فاسق فاجر' نیک بد' مومن کافر پر جاری ہے' بھلائی برائی سب اس کی طرف سے ہے۔ پھر ان کے اس قول کی جو محض شک وشبہ' کم علمی' بے وقوفی' جہالت اور ظلم کی بنا پر ہے' تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں کیا ہو گیا؟ جو بات سمجھنے کی قابلیت بھی ان میں سے جاتی رہی۔ ایک غریب حدیث جو كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ کے متعلق ہے اسے بھی سنئے' بزار میں ہے' ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کچھ لوگوں کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آئے' ان دونوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور حضورؐ کے قریب آ کر دونوں صاحب بیٹھ گئے تو حضورؐ نے دریافت کیا کہ تیز تیز گفتگو کیا ہو رہی تھی؟

ایک شخص نے کہا یا رسول اللہؐ حضرت ابوبکرؓ تو کہہ رہے تھے' نیکیاں اور بھلائیاں اللہ کی طرف سے ہیں' اور برائیاں اور بدیاں ہماری طرف سے ہیں۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا' تم کیا کہہ رہے تھے؟ حضرت عمرؓ نے کہا' میں کہہ رہا تھا کہ دونوں باتیں اللہ کی طرف سے ہیں' آپ نے فرمایا یہی بحث اول اول حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ میں ہوئی تھی' میکائیل وہی کہتے تھے جو ابوبکرؓ کہہ رہے ہیں اور جبرائیل وہ کہہ رہے تھے جو اے عمرؓ تم کہہ رہے ہو۔ پس آسمان والوں میں جب اختلاف ہوا تو زمین والوں میں تو ہونا لازمی تھا۔ آخر حضرت اسرافیلؑ کی طرف فیصلہ گیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ حسنات اور سیات دونوں اللہ مختار کل کی طرف سے ہیں' پھر آپ نے دونوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا' میرا فیصلہ سنو اور یاد رکھو' اگر اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کے عمل کو نہ چاہتا تو ابلیس کو پیدا ہی نہ کرتا۔ لیکن شیخ الاسلام امام تقی الدین ابو العباس حضرت ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ حدیث موضوع ہے اور تمام ان محدثین کا جو حدیث کی پرکھ رکھتے ہیں' اتفاق ہے کہ یہ روایت گھڑی ہوئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ سے خطاب فرماتا ہے جس سے مراد عموم ہے یعنی سب سے ہی خطاب ہے کہ تمہیں جو بھلائی پہنچتی ہے' وہ اللہ کا فضل' لطف' رحمت اور جو برائی پہنچتی ہے وہ خود تمہاری طرف سے تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے' جیسے اور آیت میں ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ یعنی جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے' وہ تمہارے بعض اعمال کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ تو بہت سی بداعمالیوں سے درگذر فرماتا رہتا ہے۔ فَمِنْ نَّفْسِكَ سے مراد بہ سبب گناہ ہے یعنی شامت اعمال۔ آنحضرت ﷺ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس شخص کا ذرا سا جسم کسی لکڑی سے چل جائے یا اس کا قدم پھسل جائے یا اسے ذرا سی محنت کرنی پڑے جس سے پسینہ آ جائے تو وہ بھی کسی نہ کسی گناہ پر ہوتا ہے اور ابھی تو اللہ تعالیٰ جن گناہوں سے چشم پوشی فرماتا ہے' جنہیں معاف کر دیتا ہے' وہ بہت سارے ہیں' اس مرسل حدیث کا مضمون ایک متصل حدیث میں بھی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایماندار کو غم ورنج یا جو بھی تکلیف ومشقت پہنچتی ہے یہاں تک کہ جو کانٹا بھی لگتا ہے اس کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ ابوصالحؒ فرماتے ہیں' مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو برائی تجھے پہنچتی ہے' اس کا باعث تیرا گناہ ہے۔ ہاں اسے مقدر کرنے والا اللہ تعالیٰ آپ

ہے' حضرت مطرف بن عبداللہؒ فرماتے ہیں' تم تقدیر کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ کیا تمہیں سورہ نساء کی یہ آیت کافی نہیں' پھر اس آیت کو پڑھ کر فرماتے ہیں اللہ کی قسم لوگ اللہ کی طرف سونپ نہیں دیئے گئے۔ انہیں حکم دیئے گئے ہیں اور اسی کی طرف وہ لوٹتے ہیں۔ یہ قول بہت قوی اور مضبوط ہے۔ قدریہ اور جبریہ کی پوری تردید کرتا ہے' تفسیر اس بحث کا موضوع نہیں۔ پھر فرماتا ہے تیرا کام اے نبی شریعت کی تبلیغ کرنا ہے۔ اس کی رضامندی اور ناراضگی کے کام کو' اس کے احکام اور اس کی ممانعت کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے' اللہ کی گواہی کافی ہے کہ اس نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے' اسی طرح اسی کی گواہی اس امر پر بھی کافی ہے کہ تو نے تبلیغ کر دی۔ تیرے ان کے درمیان جو ہو رہا ہے' اسے بھی وہ مشاہدہ کر رہا ہے' یہ جس طرح عناد اور تکبر تیرے ساتھ برتتے ہیں' اسے بھی وہ دیکھ رہا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

اس رسول کی اطاعت جو کرے' اسی نے اللہ کی فرمانبرداری کی' اور جو منہ پھیرے تو ہم نے تجھے کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ○ یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے۔ پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت جو کہہ گئی ہے' اس کے خلاف راتوں کو مشورے کرتی ہے' ان کی راتوں کی بات چیت اللہ لکھ رہا ہے' تو ان کی طرف التفات بھی نہ کر اور اللہ پر بھروسہ رکھ اللہ کافی کارساز ہے ○

ظاہر و باطن کو نبی اکرم ﷺ کا مطیع بنالو: ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کا اطاعت گذار صحیح معنی میں میرا اطاعت گذار ہے۔ آپؐ کا نافرمان میرا نافرمان ہے اس لئے کہ آپؐ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ جو فرماتے ہیں' وہ وہی ہوتا ہے جو میری طرف سے وحی کیا جاتا ہے' حضورؐ فرماتے ہیں میری ماننے والا اللہ کی ماننے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی' اس نے اللہ کی بات نہ مانی' جس نے امیر کی اطاعت کی' اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی' اس نے میری نافرمانی کی' یہ حدیث صحیحین میں ثابت ہے۔ پھر فرماتا ہے' جو منہ موڑ کر بیٹھ رہے تو اس کا گناہ اے نبیؐ آپ پر نہیں۔ آپؐ کا ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ نیک نصیب ہوں گے تو مان لیں گے۔ نجات اور اجر حاصل کر لیں گے۔ ہاں ان کی نیکیوں کا ثواب آپ کو بھی ہوگا کیونکہ دراصل اس راہ کے راہبر' اس نیکی کے معلم آپؐ ہی ہیں' اور جو نہ مانے نہ عمل کرے تو نقصان اٹھائے گا' بدنصیب ہوگا' اپنے بوجھ سے آپ مرے گا۔ اس کا گناہ آپ پر نہیں۔ اس لئے کہ آپؐ نے سمجھانے بجھانے اور راہ حق دکھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ حدیث میں ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والا رشد و ہدایت والا ہے اور اللہ اور رسولؐ کا نافرمان اپنے ہی نفس کو ضرر و نقصان پہنچانے والا ہے۔

پھر منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ ظاہری طور پر تو اطاعت کا اقرار ہے' موافقت کا اظہار ہے لیکن جہاں نظروں سے دور ہوئے' یہاں سے ہٹ کر اپنی جگہ پہ پہنچے تو ایسے ہو گئے گویا ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا۔ جو کچھ یہاں کہا تھا اس کے بالکل برعکس راتوں کو چھپ چھپ کر سازشیں کرنے بیٹھ گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی ان پوشیدہ چالاکیوں اور چالوں کو بخوبی جانتا ہے۔ اس کے مقرر کردہ زمین کے فرشتے ان کی

سب کرتوتوں اوران تمام باتوں کواس کے حکم سے ان کے نامہ اعمال میں لکھ رہے ہیں' پس انہیں ڈانٹا جا رہا ہے کہ یہ کیا بے ہودہ حرکت ہے؟ اس سے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے' تمہاری کوئی بات چھپ سکتی ہے جو تم ظاہر و باطن یکساں نہیں رکھتے' ظاہر و باطن کا جاننے والا تمہیں تمہاری اس بیہودہ حرکت پر سخت سزا دے گا' اور آیت میں بھی منافقوں کی اس خصلت کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا الخ' پھر اپنے نبیؐ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان سے درگذر کیجئے' بردباری برتئے' ان کی خطا معاف کیجئے' ان کا حال ان کے نام سے دوسروں سے نہ کہئے' ان سے بالکل بے خوف رہئے' اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ جو اس پر بھروسہ کرے' جو اس کی طرف رجوع کرے' اسے وہ کافی ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾ وَاِذَا جَاۗءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٣﴾

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے ○ جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی کہ انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کیا' اگر یہ لوگ اسے رسولؐ کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو تحقیق کا مادہ رکھتے ہیں' اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے ○

کتاب اللہ میں اختلاف نہیں: ☆☆ (آیت: ۸۲-۸۳) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرآن کو غور و فکر' تامل و تدبر سے پڑھیں۔ اس سے اعراض نہ کریں' بے پرواہی نہ کریں۔ اس کے مستحکم مضامین' اس کے حکمت بھرے احکام' اس کے فصیح و بلیغ الفاظ پر غور کریں' ساتھ ہی خبر دیتا ہے کہ یہ پاک کتاب اختلاف' اضطراب' تعارض اور تضاد سے پاک ہے' اس لئے کہ حکیم و حمید اللہ کا کلام ہے۔ وہ خود حق ہے اور اسی طرح اس کا کلام بھی سراسر حق ہے' چنانچہ اور جگہ فرمایا اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا یہ لوگ کیوں قرآن میں غور و خوض نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر سنگین قفل لگ گئے ہیں۔

پھر فرماتا ہے اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہ ہوتا جیسے کہ مشرکین اور منافقین کا زعم ہے یا اگر یہ فی الواقع کسی کا اپنی طرف سے گھڑ لیا ہوا ہوتا' کوئی اور اس کا کہنے والا ہوتا تو ضروری بات تھی کہ اس میں لوگوں کو اختلاف ملتا یعنی ناممکن ہے کہ انسانی اضطراب و تضاد سے مبرا ہو۔ لازماً یہ ہوتا کہ کہیں کچھ کہا جاتا اور کہیں کچھ۔ اور یہاں ایک بات کہی۔ آگے جا کر اس کے خلاف بھی کہہ گئے۔ پس اس پاک کتاب کا ایسی متضاد باتوں سے بچا ہوا ہونا صاف دلیل ہے کہ یہ قادر مطلق کا کلام ہے۔ اور جگہ ہے پختہ عالموں کا قول بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے یعنی محکم اور متشابہ سب حق ہے۔ اسی لئے متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ہدایت پا لیتے ہیں اور جن کے دلوں میں کجی ہے' وہ محکم متشابہ کی طرف موڑ توڑ کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے صحیح مزاج والوں کی تعریف کی اور دوسری قسم کے لوگوں کی برائی بیان فرمائی۔ عمرو بن شعیبؒ سے مروی ہے عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ والی

حدیث میں ہے کہ میں اور میرے بھائی ایک ایسی مجلس میں شامل ہوئے کہ اس کے مقابلہ میں سرخ اونٹوں کا مل جانا بھی اس کے پاسنگ برابر بھی قیمت نہیں رکھتا۔ ہم دونوں نے دیکھا کہ حضورؐ کے دروازے پر چند بزرگ صحابہؓ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم ادب کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئے' ان میں قرآن کریم کی کسی آیت کی بابت مذاکرہ ہو رہا تھا اور کچھ اختلاف تھا۔ آخر بات بڑھ گئی اور زور زور سے آپس میں بات چیت ہونے لگی' رسول اللہ ﷺ اسے سن کر سخت غضبناک ہو کر باہر تشریف لائے۔ چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا۔ ان پر مٹی ڈالتے ہوئے فرمانے لگے' بس خاموش رہو' تم سے اگلی امتیں اسی باعث تباہ ہو گئیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء سے اختلاف کیا اور کتاب اللہ کی ایک آیت کو دوسری کے خلاف سمجھا۔ یاد رکھو قرآن کی کوئی آیت دوسری آیت کے خلاف اسے جھٹلانے والی نہیں بلکہ قرآن کی ایک ایک آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے۔ تم جسے جان لو' عمل کرو' جسے نہ معلوم کر سکو' اسے اس کے جاننے والے کے لئے چھوڑ دو۔ اور روایت میں ہے کہ صحابہ تقدیر کے بارے میں مباحثہ کر رہے تھے' راوی کہتے ہیں کہ کاش کہ میں اس مجلس میں نہ بیٹھتا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں' میں دوپہر کے وقت حاضر حضورؐ ہوا' میں بیٹھا ہی تھا کہ ایک آیت کے بارے میں دو شخصوں کے درمیان اختلاف ہوا اور ان کی آوازیں اونچی ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا' تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا باعث صرف ان کا کتاب اللہ میں اختلاف کرنا ہی تھا (مسند احمد)۔ پھر ان جلد بازلوگوں کو روکا جا رہا ہے جو کسی امن کی یا خوف کی خبر پاتے ہی بے تحقیق اسے ادھر سے ادھر تک پہنچا دیتے ہیں حالانکہ ممکن ہے وہ بالکل ہی غلط ہو۔ صحیح مسلم شریف کے مقدمہ میں حدیث ہے کہ انسان کو یہی جھوٹ کافی ہے کہ جو سنے' اسی کو بیان کرنے لگ جائے۔ ابوداؤد میں بھی یہ روایت ہے۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گپ بازی سے منع فرمایا یعنی سنی سنائی باتیں بیان کرنے سے جن کی تحقیق اچھی طرح سے نہ کی ہو۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے انسان کا یہ برا فعل ہے کہ یوں کہتا پھرے' لوگوں نے یہ خیال کیا' یہ کہا۔ اور صحیح حدیث میں ہے جو شخص کوئی بات بیان کرے اور وہ گمان کرتا ہو کہ یہ غلط ہے' وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ یہاں پر ہم حضرت عمرؓ والی روایت کا وارد کرنا بھی مناسب جانتے ہیں کہ جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ حضور علیہ السلام نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی تو آپ اپنے گھر سے چلے' مسجد میں آئے۔ یہاں بھی لوگوں کو یہی کہتے سنا تو بذات خود رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور خود آپؐ سے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ آپؐ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی؟ آپؐ نے فرمایا غلط ہے۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ نے اللہ کی بڑائی بیان کی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ پھر آپؓ آئے اور مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بہ آواز بلند فرمایا۔ لوگو! رسول مقبول ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پس حضرت عمرؓ وہ ہیں جنہوں نے اس معاملہ کی تحقیق کی۔ استنباط کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے ٹھکانے اور مخزن سے نکالنے کو' جب کوئی شخص کسی کان کو کھود کر اس کے نیچے سے کوئی چیز نکالے تو عرب کہتے ہیں اِسْتَنْبَطَ الرَّجُلُ۔ پھر فرماتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو تم سب کے سب سوائے چند کامل ایماندار لوگوں کے شیطان کے تابعدار بن جاتے۔ ایسے موقعوں پر محاورۃً معنی ہوتے ہیں کہ تم کل کے کل شامل ہو چنانچہ عرب کے ایسے شعر بھی ہیں۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ
اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿٨٤﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ
لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ

مِّنۡهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا ﴿۸۵﴾

تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا رہ' تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے اور ان ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہ' بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے اللہ تعالیٰ سخت لڑائی والا ہے اور سزا دینے میں بھی سخت ہے۔ جو شخص کسی نیکی اور بھلے کام کی سفارش کرے اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا' اور جو برائی اور بدی کی سفارش کرے' اس کے لئے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○

حکم جہاد امتحان ایمان ہے! ☆☆ (آیت: ۸۴-۸۵) رسول اللہ ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ تنہا اپنی ذات سے راہ اللہ میں جہاد کریں چاہے کوئی بھی آپ کا ساتھ نہ دے۔ ابو اسحاقؒ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان اکیلا تنہا ہو اور دشمن ایک سو ہوں تو کیا وہ ان سے جہاد کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں تو کہا پھر قرآن کی اس آیت سے تو منع ثابت ہوتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو تو حضرت براءؓ نے فرمایا سنو! اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے اللہ کی راہ میں لڑ۔ تجھے فقط تیرے نفس کی تکلیف دی جاتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ مومنوں کو بھی ترغیب دیتا رہ (ابن ابی حاتم) مسند احمد میں اتنا اور بھی ہے کہ مشرکین پر تنہا حملہ کرنے والا ہلاکت کی طرف بڑھنے والا نہیں بلکہ اس سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رکنے والا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا' مجھے میرے رب نے جہاد کا حکم دیا ہے' پس تم بھی جہاد کرو۔ یہ حدیث غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے مومنوں کو دلیری دلا اور انہیں جہاد کی رغبت دلا' چنانچہ بدر والے دن میدان جہاد میں مسلمانوں کی صفیں درست کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا' اٹھ کھڑے ہو اور بڑھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین ہے' جہاد کی ترغیب کی بہت سی حدیثیں ہیں۔

بخاری میں ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے' نماز قائم کرے زکوٰۃ دیتا رہے' رمضان کے روزے رکھے اللہ پر اس کا حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے' اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا جہاں پیدا ہوا ہے وہیں ٹھہرا رہا ہو' لوگوں نے کہا حضورؐ کیا لوگوں کو اس کی خوشخبری ہم نہ دے دیں؟ آپؐ نے فرمایا' سنو جنت میں سو درجے ہیں جن میں سے ایک درجے میں اس قدر بلندی ہے جتنی زمین و آسمان میں اور یہ درجے اللہ نے ان کے لئے تیار کئے ہیں جو اس کی راہ میں جہاد کریں۔ پس جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس طلب کرو۔ وہ بہترین جنت ہے اور سب سے اعلیٰ ہے۔ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں۔ مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص اللہ کے رب ہونے پر' اسلام کے دین ہونے پر' محمد ﷺ کے رسول و نبی ہونے پر راضی ہو جائے اس کے لئے جنت واجب ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ اسے سن کر خوش ہو کر کہنے لگے' حضورؐ دوبارہ ارشاد ہو' آپ نے دوبارہ اسی کو بیان فرما کر کہا' ایک اور عمل ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے سو درجے بلند کرتا ہے ایک درجے سے دوسرے درجے تک اتنی بلندی ہے جتنی زمین و آسمان میں ہے' پوچھا وہ عمل کیا ہے؟ فرمایا اللہ کی راہ کا جہاد۔ پھر فرماتا ہے جب آپ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں گے' مسلمان آپؐ کی تعلیم سے جہاد پر آمادہ ہو جائیں گے تو پھر اللہ کی مدد شامل حال رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کفر کی کمر توڑ دے گا۔ کفار کی ہمت پست کر دے گا۔ ان کے حوصلے نہ پڑیں گے کہ تمہارے مقابلہ میں آئیں' اللہ تعالیٰ سے زیادہ جنگی قوت رکھنے والا اور اس سے سخت سزا دینے والا کوئی نہیں۔ وہ قادر ہے کہ دنیا میں ہی انہیں مغلوب کرے اور یہیں انہیں عذاب کرے۔ اسی طرح آخرت میں بھی اسی کو قدرت حاصل ہے' جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَا نْتَصَرَ مِنْهُمْ الخ' اگر اللہ چاہے ان سے از خود بدلہ لے لے' لیکن وہ ان کو اور تمہیں آزما رہا ہے۔ جو شخص کسی امر خیر میں کوشش کرے تو اسے

بھی اس بھلائی کا ثواب ملے گا' اور جو اس کے خلاف کوشش کرے اور بدنتیجہ برآمد کرے' اس کی کوشش اور نیت کا اس پر بھی ویسا ہی بوجھ ہو گا۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں' سفارش کرو' اجر پاؤ گے اور اللہ اپنے نبیؐ کی زبان پر وہ جاری کرے گا جو چاہے۔ یہ آیت ایک دوسرے کی سفارش کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے' اس مہربانی کو دیکھئے کہ فرمایا محض شفاعت پر ہی اجر مل جائے گا خواہ اس سے کام بنے' یا نہ بنے۔ اللہ ہر چیز کا حافظ ہے' ہر چیز پر حاضر ہے' ہر چیز کا حساب لینے والا ہے' ہر چیز پر قادر ہے' ہر چیز پر ہیشگی کرنے والا ہے' ہر ایک کو روزی دینے والا ہے' ہر انسان کے اعمال کا اندازہ کرنے والا ہے۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ۭ
لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ
مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾ ع ۱۱

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا ان ہی الفاظ کو لوٹا دو' بے شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ○ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ تم سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں' اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہو گا؟ ○

سلام کہنے والے کو اس سے بہتر جواب دو: ☆☆ (آیت: ۸۶-۸۷) مسلمانو! جب تمہیں کوئی مسلمان سلام کرے تو اس کے سلام کے الفاظ سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دو' یا کم سے کم انہی الفاظ کو دہرا دو' پس زیادتی مستحب ہے اور برابری فرض ہے۔ ابن جریر میں ہے' ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ آپؐ نے فرمایا وَعَلَیْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ پھر دوسرا آیا اس نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ آپؐ نے جواب دیا وَعَلَیْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ پھر ایک اور صاحب آئے' انہوں نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ آپؐ نے جواب میں فرمایا وَعَلَیْكَ تو اس نے کہا اے اللہ کے نبیؐ فلاں اور فلاں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے جواب کچھ زیادہ دعائیہ الفاظ کے ساتھ دیا جو مجھے نہیں دیا آپؐ نے فرمایا' تم نے ہمارے لئے کچھ باقی ہی نہ چھوڑا' فرمان الٰہی ہے' جب تم پر سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا اسی کو لوٹا دو اس لئے ہم نے وہی الفاظ لوٹا دیئے۔ یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی اسی طرح مروی ہے۔ اسے ابوبکر مردویہ نے بھی روایت کیا ہے مگر میں نے اسے مسند میں نہیں دیکھا واللہ اعلم۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کے کلمات میں سے زیادتی نہیں' اگر ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس آخری صحابی کے جواب میں وہ لفظ کہہ دیتے۔ مسند احمد میں ہے ایک شخص حضورؐ کے پاس آئے اور السلام علیکم یا رسول اللہؐ کہہ کر بیٹھ گئے۔ آپؐ نے جواب دیا اور فرمایا دس نیکیاں ملیں' دوسرے آئے اور السلام علیکم و رحمته الله یارسول اللہؐ کہہ کر بیٹھ گئے آپؐ نے فرمایا بیس نیکیاں ملیں' پھر تیسرے صاحب آئے انہوں نے کہا السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ آپؐ نے فرمایا تیس نیکیاں ملیں۔

امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو عام لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خلق اللہ میں سے جو کوئی سلام کرے' اسے جواب دو گو وہ مجوسی ہو' حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں سلام کا اس سے بہتر جواب دینا تو مسلمانوں کے لئے ہے اور اسی کو لوٹا دینا اہل ذمہ کے لئے ہے۔ لیکن اس تفسیر میں ذرا اختلاف ہے جیسے کہ اوپر کی حدیث میں گذر چکا کہ مراد یہ ہے کہ اس کے سلام

سے اچھا جواب دیں اور اگر مسلمان سلام کے بھی الفاظ کہہ دے تو پھر جواب دینے والا انہی کو لوٹا دے' ذمی لوگوں کو خود سلام کی ابتدا کرنا تو ٹھیک نہیں اور وہ خود کریں تو جواب میں اتنے ہی الفاظ کہہ دے' صحیحین میں ہے جب کوئی یہودی تمہیں سلام کرے تو خیال رکھو' یہ کہہ دیتے ہیں اَلسَّامُ عَلَیْکَ تو تم کہہ دو وَعَلَیْکَ۔ صحیح مسلم میں ہے' یہود و نصاری کو تم پہلے سلام نہ کرو اور جب راستے میں مڈ بھیڑ ہو جائے تو انہیں تنگی کی طرف مضطر کر۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' سلام نفل ہے اور جواب سلام فرض ہے اور علماء کرام کا فرمان بھی یہی ہے' پس اگر جواب نہ دے گا تو گنہگار ہو گا اس لئے کہ جواب سلام کا اللہ کا حکم ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنی توحید بیان فرماتا ہے اور الوہیت اور اپنا یکتا ہونا ظاہر کرتا ہے اور اس میں ضمنی مضامین بھی ہیں۔ اسی لئے دوسرے جملے کو لام سے شروع کیا جو قسم کے جواب میں آتا ہے۔ تو اگلا جملہ خبر ہے اور قسم بھی ہے کہ وہ عنقریب تمام مقدم و موخر کو میدان محشر میں جمع کرے گا اور وہاں ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ اس سمیع و بصیر سے زیادہ سچی بات والا اور کوئی نہیں' اس کی خبر اس کا وعدہ اس کی وعید سب سچ ہے' وہی معبود برحق ہے' اس کے سوا کوئی مربی نہیں۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ
اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا
فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ
وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٨٩﴾

تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو۔ انہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے' اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ کے گمراہ کئے ہوؤں کو تم راہ راست پر لا کھڑا کرو' جسے اللہ راہ بھلا دے تو تو ہرگز اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا ○ ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ۔ پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں' ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ' پس اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں۔ خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا ○

منافقوں سے ہوشیار رہو: ☆☆ (آیت: ۸۸-۸۹) اس میں اختلاف ہے کہ منافقوں کے کس معاملہ میں مسلمانوں کے درمیان دو قسم کے خیالات داخل ہوئے تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب میدان احد میں تشریف لے گئے تب آپ کے ساتھ منافق بھی تھے جو جنگ سے پہلے ہی واپس لوٹ آئے تھے۔ ان کے بارے میں بعض مسلمان تو کہتے تھے کہ انہیں قتل کر دینا چاہئے اور بعض کہتے تھے نہیں یہ بھی ایماندار ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ شہر طیبہ ہے جو خود بخود میل کچیل کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو چھانٹ دیتی ہے۔ (صحیحین) ابن اسحاق میں ہے کہ کل لشکر جنگ احد میں ایک ہزار کا تھا۔ عبداللہ بن ابی سلول تین سو آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر واپس لوٹ آیا تھا اور حضورؐ کے ساتھ پھر سات سو

ہی رہ گئے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مکہ میں کچھ لوگ تھے جو کلمہ گو تو تھے لیکن مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی مدد کرتے تھے۔ یہ اپنی کسی ضروری حاجت کے لئے مکہ سے نکلے' انہیں یقین تھا کہ اصحاب رسولؐ سے ان کی کوئی روک ٹوک نہ ہوگی کیونکہ بظاہر کلمہ کے قائل تھے۔ ادھر جب مدنی مسلمانوں کو اس کا علم ہوا تو ان میں سے بعض تو کہنے لگے ان نامرادوں سے پہلے جہاد کرو۔ یہ ہمارے دشمنوں کے طرف دار ہیں اور بعض نے کہا سبحان اللہ جو لوگ تم جیسا کلمہ پڑھتے ہیں' تم ان سے لڑو گے؟ صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی اور اپنے گھر نہیں چھوڑے۔ ہم کس طرح ان کے خون اور ان کے مال اپنے اوپر حلال کر سکتے ہیں؟ ان کا یہ اختلاف رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوا۔ آپؐ خاموش تھے جو یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم)۔

حضرت سعد بن معاذؓ کے لڑکے فرماتے ہیں' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا' کوئی ہے جو مجھے عبداللہ بن ابی کی ایذا سے بچائے۔ اس پر اوس وخزرج کے درمیان جو اختلاف ہوا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے' لیکن یہ قول غریب ہے' ان کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ اللہ نے انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ ان کی ہدایت کی کوئی راہ نہیں۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ سچے مسلمان بھی ان جیسے گمراہ ہو جائیں۔ اس قدر عداوت ان کے دلوں میں ہے تو تمہیں ممانعت کی جاتی ہے کہ جب تک یہ ہجرت نہ کریں' انہیں اپنا نہ سمجھو' یہ خیال نہ کرو کہ یہ تمہارے دوست اور مددگار ہیں بلکہ یہ خود اس لائق ہیں کہ ان سے باقاعدہ جہاد کیا جائے۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾

سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے' پس اگر یہ لوگ تم سے یکسوئی اختیار کریں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں کی ○

(آیت: ۹۰) پھر ان میں سے ان حضرات کا استثنا کیا جاتا ہے جو کسی ایسی قوم کی پناہ میں چلے جائیں جس سے مسلمانوں کا عہد و پیمان' صلح وسلوک ہو تو ان کا حکم بھی وہی ہوگا جو معاہدہ والی قوم کا ہے۔ سراقہ بن مالک مدلجی فرماتے ہیں' جب جنگ بدر اور جنگ احد میں مسلمان غالب آئے اور آس پاس کے لوگوں میں اسلام کی بخوبی اشاعت ہوگئی تو مجھے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا ارادہ ہے کہ خالد بن ولیدؓ کو ایک لشکر دے کر میری قوم بنو مدلج کی گوشمالی کے لئے روانہ فرمائیں تو میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا' میں آپ کو احسان یاد دلاتا ہوں' لوگوں نے مجھ سے کہا۔ خاموش رہ لیکن حضورؐ نے فرمایا۔ اسے کہنے دو۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا' مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میری قوم

کی طرف لشکر بھیجنے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان سے صلح کرلیں اس بات پر کہ اگر قریش اسلام لائیں تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان پر بھی آپ چڑھائی نہ کریں' حضورؐ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا' ان کے ساتھ جاؤ اوران کے کہنے کے مطابق ان کی قوم سے صلح کرآؤ' پس اس بات پر صلح ہوگئی کہ وہ دشمنان دین کی کسی قسم کی مدد نہ کریں اور اگر قریش اسلام لائیں تو یہ بھی مسلمان ہو جائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے وہ کفر کرتے ہیں۔ پھر تم اور وہ برابر ہو جاؤ۔ پس ان میں سے کسی کو دوست نہ جانو' یہی روایت ابن مردویہ میں ہے اور ان میں ہی آیت اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ الخ' نازل ہوئی۔ پس جو بھی ان سے مل جاتا' وہ انہی کی طرح پر امن رہتا۔ کلام کے الفاظ سے زیادہ مناسبت اسی کو ہے۔ صحیح بخاری شریف میں صلح حدیبیہ کے قصے میں ہے کہ پھر جو چاہتا ہے کہ کفار کی جماعت میں داخل ہو جاتا اور امن پالیتا اور جو چاہتا مدنی مسلمانوں سے ملتا اور عہد نامہ کی وجہ سے مامون ہو جاتا حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس حکم کو پھر اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ الخ' یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکین سے جہاد کرو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع

تم کچھ اور لوگوں کو ایسا بھی پاؤ گے جن کی (بظاہر) چاہت ہے کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں' (لیکن) جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اوندھے منہ اس میں ڈال دیئے جاتے ہیں' پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تم سے صلح کا سلسلہ جنبانی نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روک لیں تو انہیں پکڑو اور مار و جہاں کہیں بھی پالو یہی وہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں ظاہر حجت عنایت فرمائی ہے ○

(آیت:۹۱) پھر ایک دوسری جماعت کا ذکر ہو رہا ہے جسے مستثنیٰ کیا ہے جو میدان میں لائے جاتے ہیں لیکن یہ بچارے بے بس ہوتے ہیں۔ وہ نہ تو تم سے لڑنا چاہتے ہیں نہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑنا پسند کرتے ہیں بلکہ وہ ایسے بیچ کے لوگ ہیں جو نہ تمہارے دشمن کہے جاسکتے ہیں نہ دوست۔ یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ان لوگوں کو تم پر مسلط نہیں کیا۔ اگر وہ چاہتا تو انہیں زور و طاقت دیتا اور ان کے دل میں ڈال دیتا کہ وہ تم سے لڑیں۔ پس اگر یہ تمہاری لڑائی سے باز رہیں اور صلح و صفائی سے یکسو ہو جائیں تو تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت نہیں' اسی قسم کے لوگ تھے جو بدر والے دن بنو ہاشم کے قبیلے میں سے مشرکین کے ساتھ آئے تھے' جو دل سے اسے ناپسند رکھتے تھے جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ' یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قتل کو منع فرما دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ انہیں زندہ گرفتار کرلیا جائے۔

پھر ایک اور گروہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو بظاہر تو اوپر والوں جیسا ہے لیکن دراصل نیت میں بہت کھوٹ ہے' یہ لوگ منافق ہیں۔ حضورؐ کے پاس آ کر اسلام ظاہر کر کے اپنے جان و مال مسلمانوں سے محفوظ کرا لیتے ہیں' ادھر کفار میں مل کر ان کے معبودان باطل کی پرستش کر کے ان میں

سے ہونا ظاہر کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں تاکہ ان کے ہاتھوں بھی امن میں رہیں' دراصل یہ لوگ کافر ہیں' جیسے اور جگہ ہے' اپنے شیاطین کے پاس تنہائی میں جا کر کہتے ہیں' ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو جی کھول کر پوری سرگرمی سے اس میں حصہ لیتے ہیں جیسے کوئی اوندھے منہ گرا ہوا ہو۔ ''فتنہ'' سے مراد یہاں شرک ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ لوگ بھی مکہ والے تھے یہاں آ کر بطور ریاکاری کے اسلام قبول کرتے تھے وہاں جا کر ان کے بت پوجتے تھے تو مسلمانوں کو فرمایا جاتا ہے کہ اگر یہ اپنی دوغلی روش سے باز نہ آئیں' ایذارسانی سے الگ نہ ہوں' صلح نہ کریں تو انہیں امن امان نہ دو۔ ان سے بھی جہاد کرو' انہیں قیدی بناؤ اور جہاں پاؤ قتل کر دو۔ بے شک ان پر ہم نے تمہیں ظاہر غلبہ اور کھلی حجت عطا فرمائی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ
مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ
إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ
وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ
مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ
اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾

کسی مومن کو دوسرے مومن کا قتل کر دینا زیبا نہیں مگر غلطی سے ہو جائے (تو اور بات ہے)' جو شخص کسی مسلمان کو بلاقصد مار ڈالے اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن کی آزادگی ہے اور مقتول کے عزیزوں کو خون بہا پہنچانا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ کے معاف کر دیں۔ اور اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا ہو اور ہو وہ مسلمان تو صرف ایک مومن غلام کی گردن آزاد کرنی لازم ہے اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے تو خون بہا لازم ہے جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کی آزادگی' پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے لگاتار روزے ہیں۔ اللہ سے بخشوانے کے لئے اور اللہ بخوبی جاننے والا اور حکمت والا ہے ○

قتل مسلم' قصاص و دیت کے مسائل اور قتل خطا: ☆☆ (آیت:۹۲) ارشاد ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ کسی حال میں اپنے مسلمان بھائی کا خون ناحق کرے۔ صحیح میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' کسی مسلمان کا جو اللہ کے ایک ہونے کی اور میرے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو' خون بہانا حلال نہیں۔ مگر تین حالتوں میں ایک تو یہ کہ اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو' دوسرے شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو' تیسرے دین اسلام کو چھوڑ دینے والا' جماعت سے فرقت کرنے والا۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ جب ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام کسی سے واقع ہو جائے تو رعایا میں سے کسی کو اس کے قتل کا اختیار نہیں۔ امام یا نائب امام کو بہ عہدہ قضا کا حق ہے۔ اس کے بعد استثناء منقطع ہے۔ عرب شاعروں کے کلام میں بھی اس قسم کے استثناء بہت سے ملتے ہیں۔ اس آیت کے شان نزول میں ایک قول تو یہ مروی ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ جو ابوجہل کا ماں کی طرف سے بھائی تھا جس ماں کا نام اسماء بنت مخرمہ تھا اس کے بارے میں اتری ہے' اس نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا جسے

وہ اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دے رہا تھا یہاں تک کہ اس کی جان لے لی' ان کا نام حارث بن زید عامری تھا' حضرت عیاش کے دل میں یہ خار رہ گیا اور انہوں نے ٹھان لی کہ موقعہ پا کر اسے قتل کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں بعد قاتل کو بھی اسلام کی ہدایت دی۔ وہ مسلمان ہو گئے اور ہجرت بھی کر لی لیکن حضرت عیاش کو یہ معلوم نہ تھا' فتح مکہ والے دن یہ ان کی نظر پڑے۔ یہ جان کر کہ یہ اب تک کفر پر ہیں' ان پر اچانک حملہ کر دیا اور قتل کر دیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو درداءؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ انہوں نے ایک شخص کافر پر حملہ کیا۔ تلوار تولی ہی تھی تو اس نے کلمہ پڑھ لیا لیکن ان کی تلوار چل گئی اور اسے قتل کر ڈالا۔ جب حضورؐ سے یہ واقعہ بیان ہوا تو حضرت ابو درداءؓ نے اپنا یہ عذر بیان کیا کہ اس نے صرف جان بچانے کی غرض سے یہ کلمہ پڑھا تھا' آپ ناراض ہو کر فرمانے لگے۔ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ یہ واقعہ صحیح حدیث میں بھی ہے لیکن وہاں نام دوسرے صحابیؓ کا ہے۔

پھر قتل خطا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس میں دو چیزیں واجب ہیں۔ ایک تو غلام آزاد کرنا' دوسرے دیت دینا' اس غلام کے لئے بھی شرط ہے کہ وہ ایماندار ہو' کافر کو آزاد کرنا کافی نہ ہوگا۔ چھوٹا نابالغ بچہ بھی کافی نہ ہوگا جب تک کہ وہ اپنے ارادے سے ایمان کا قصد کرنے والا اور اتنی عمر کا نہ ہو۔ امام ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اگر اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان ہونا شرط ہے۔ چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں۔ ایک انصاری سیاہ فام لونڈی کو لے کر حاضر حضورؐ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں' میرے ذمے ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے۔ اگر یہ مسلمان ہو تو میں اسے آزاد کر دوں آپؐ نے اس لونڈی سے پوچھا' کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا ہاں' آپؐ نے فرمایا' اس بات کی بھی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں' فرمایا کیا مرنے کے بعد جی اٹھنے کی بھی تو قائل ہے؟ اس نے کہا ہاں' آپؐ نے فرمایا اسے آزاد کر دو۔ اس کی اسناد صحیح ہے اور صحابی کون تھے؟ اس کا مخفی رہنا سند میں مضر نہیں۔ یہ روایت حدیث کی اور بہت سی کتابوں میں اس طرح ہے کہ آپؐ نے اس سے پوچھا' اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمانوں میں' دریافت کیا' میں کون ہوں؟ جواب دیا' آپ رسول اللہ ہیں ﷺ' آپؐ نے فرمایا اسے آزاد کر دو یہ ایماندار ہے' پس ایک تو گردن آزاد کرنا واجب ہے' دوسرے خوں بہا دینا جو مقتول کے گھر والوں کو سونپ دیا جائے گا' یہ عوض ہے ان کے مقتول کا' یہ دیت سو اونٹ ہے پانچ قسموں کے' بیس تو دوسری سال کی عمر کی اونٹنیاں اور بیس اسی عمر کے اونٹ اور بیس تیسرے سال میں لگی ہوئی اونٹنیاں اور بیس پانچویں سال میں لگی ہوئی اور بیس چوتھے سال میں لگی ہوئی یہی فیصلہ قتل خطا کے خون بہا کا رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو سنن و مسند احمد۔ یہ حدیث بہ روایت حضرت عبداللہ موقوف بھی مروی ہے' حضرت علیؓ اور ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ دیت چار چوتھائیوں میں بٹی ہوئی ہے' یہ خون بہا قاتل کے عاقلہ اور اس کے عصبہ یعنی وارثوں کے بعد کے قریبی رشتہ داروں پر ہے' اس کے اپنے مال پر نہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں اس امر میں کسی کو مخالف نہیں جانتا کہ حضورؐ نے دیت کا فیصلہ انہی لوگوں پر کیا ہے اور یہ حدیث خاصہ میں کثرت سے مذکور ہے' امام صاحب جن حدیثوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں' وہ بہت سی ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہذیل قبیلہ کی دو عورتیں آپس میں لڑیں۔ ایک نے دوسرے کو پتھر مارا وہ حاملہ تھی بچہ بھی ضائع ہو گیا اور وہ بھی مر گئی قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس بچہ کے عوض تو ایک جان لونڈی یا غلام دے اور عورت مقتولہ کے بدلے دیت اور وہ دیت قاتلہ عورت کے حقیقی وارثوں کے بعد کے رشتے داروں کے ذمے ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قتل عمد خطا سے ہو' وہ بھی حکم میں خطاء محض کے ہے' یعنی دیت کے اعتبار سے ہاں اس میں تقسیم

ثلث پر ہوگی- تین حصے ہوں گے کیونکہ اس میں شباہت عمد یعنی بالقصد بھی ہے- صحیح بخاری شریف میں ہے' بنو جذیمہ کی جنگ کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضورؐ نے ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا- انہوں نے جا کر انہیں دعوت اسلام دی انہوں نے دعوت تو قبول کر لی لیکن بوجہ لاعلمی بجائے اسلمنا یعنی ہم مسلمان ہوئے کے ''صبانا'' کہا یعنی ہم بے دین ہوئے' حضرت خالدؓ نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا- جب حضورؐ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر جناب باری میں عرض کی' یا اللہ خالد کے اس فعل سے میں اپنی بیزاری اور برات تیرے سامنے ظاہر کرتا ہوں- پھر حضرت علیؓ کو بلا کر انہیں بھیجا کہ جاؤ ان کے مقتولوں کی دیت چکا آؤ اور جو ان کا مالی نقصان ہوا ہو اسے بھی کوڑی کوڑی چکا آؤ- اس سے ثابت ہوا کہ امام یا نائب امام کی خطا کا بوجھ بیت المال پر ہوگا- پھر فرمایا ہے کہ خوں بہا جو واجب ہے' اگر اولیاء مقتول ازخود اس سے دست برداری کریں تو انہیں اختیار ہے- وہ بطور صدقہ کے اسے معاف کر سکتے ہیں-

پھر فرمان ہے کہ اگر مقتول مسلمان ہو لیکن اس کے اولیاء حربی کافر ہوں تو قاتل پر دیت نہیں' قاتل پر اس صورت میں صرف آزاد غلام کی گردن ہے- اگر اس کے ولی وارث اس قوم میں سے ہوں جن سے تمہاری صلح اور عہد و پیمان ہے تو دیت دینی پڑے گی- اگر مقتول مومن تھا تو کامل خوں بہا اور اگر مقتول کافر تھا تو بعض کے نزدیک تو پوری دیت ہے' بعض کے نزدیک آدھی بعض کے نزدیک تہائی' تفصیل کتب احکام میں ملاحظہ ہو اور قاتل پر مومن بردے کو آزاد کرنا بھی لازم ہے- اگر کسی کو اس کی طاقت بوجہ مفلسی کے نہ ہو تو اس کے ذمے دو مہینے کے روزے ہیں جو لگا تار پے در پے رکھنے ہوں گے- اگر کسی شرعی عذر مثلاً بیماری یا حیض یا نفاس کے بغیر کوئی روزہ بیچ میں سے چھوڑ دیا تو پھر نئے سرے سے روزے شروع کرنے پڑیں گے- سفر کے بارے میں دو قول ہیں' ایک تو یہ کہ یہ بھی شرعی عذر ہے' دوسرے یہ کہ یہ عذر نہیں-

پھر فرماتا ہے' قتل خطا کی توبہ کی یہ صورت ہے کہ غلام آزاد نہیں کر سکتا تو روزے رکھ لے اور جسے روزوں کی بھی طاقت نہ ہو' وہ مسکینوں کو کھلا سکتا ہے یا نہیں؟ تو ایک قول تو یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے جیسے کہ ظہار کے کفارے میں ہے' وہاں صاف بیان فرما دیا- یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ یہ ڈرانے اور خوف دلانے کا مقام ہے- آسانی کی صورت اگر بیان کر دی جاتی تو ہیبت و عظمت اتنی باقی نہ رہتی' دوسرا قول یہ ہے کہ روزے کے نیچے کچھ نہیں' اگر ہوتا تو بیان کے ساتھ ہی بیان کر دیا جاتا' حاجت کے وقت سے بیان کو موخر کرنا ٹھیک نہیں (بہ ظاہر قول ثانی ہی صحیح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم- مترجم) اللہ علیم و حکیم ہے' اس کی تفسیر کئی مرتبہ گذر چکی ہے-

قتل عمداً اور قتل مسلم: ☆☆ قتل خطا کے بعد اب قتل عمد کا بیان ہو رہا ہے' اس کی سختی' برائی اور نہایت تاکید والی ڈراؤنی وعید فرمائی جا رہی ہے- یہ وہ گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرک کے ساتھ ملا دیا ہے- فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ الخ' یعنی مسلمان بندے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود ٹھہرا کر نہیں پکارتے اور نہ وہ کسی شخص کو ناحق قتل کرتے ہیں' دوسری جگہ فرمان ہے قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ الخ' یہاں بھی اللہ کے حرام کئے ہوئے کاموں کا ذکر کرتے ہوئے شرک کا اور قتل کا ذکر فرمایا ہے- اور بھی اس مضمون کی آیتیں بہت سی ہیں اور حدیث بھی اس باب میں بہت سی وارد ہوئی ہیں- بخاری و مسلم میں ہے' سب سے پہلے خون کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا- ابوداؤد میں ہے' ایماندار نیکیوں اور بھلائیوں میں بڑھتا رہتا ہے جب تک کہ خون ناحق نہ کرے- اگر ایسا کر لیا تو تباہ ہو جاتا ہے- اور حدیث میں ہے ساری دنیا کا زوال اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے کم درجے کا ہے- اور حدیث میں ہے اگر تمام روئے زمین کے اور آسمان کے لوگ کسی ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ سب کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے- اور حدیث میں ہے' جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل پر آدھے کلمے سے بھی

اعانت کی وہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حالت میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا' اس پر اللہ کا غضب ہے۔ اسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ○

(آیت:۹۳) حضرت ابن عباسؓ کا تو قول ہے کہ جس نے مومن کو قصداً قتل کیا' اس کی توبہ قبول ہی نہیں۔ اہل کوفہ جب اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں تو ابن جبیرؒ' ابن عباسؓ کے پاس آ کر دریافت کرتے ہیں' آپ فرماتے ہیں' یہ آخری آیت ہے جسے کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا' اور آپ فرماتے ہیں کہ دوسری آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ جس میں توبہ کا ذکر ہے کہ وہ اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے پس جبکہ کسی شخص نے اسلام کی حالت میں کسی مسلمان کو غیر شرعی وجہ سے قتل کیا' اس کی سزا جہنم ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی' حضرت مجاہدؒ سے جب یہ قول ابن عباسؓ بیان ہوا تو فرمانے لگے مگر جو نادم ہو' سالم بن ابوالجعدؒ فرماتے ہیں' حضرت ابن عباسؓ جب نابینا ہو گئے تھے' ایک مرتبہ ہم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' جو ایک شخص آیا اور آپ کو آواز دے کر پوچھا کہ اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں' جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالا' آپ نے فرمایا' اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ کا اس پر غضب ہے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار ہے' اس نے پھر پوچھا' اگر وہ توبہ کرے' نیک عمل کرے اور ہدایت پر جم جائے تو؟ فرمانے لگے' اس کی ماں اسے روئے' اسے توبہ اور ہدایت کہاں؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے' میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے' اس کی ماں اسے روئے جس نے مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالا ہے' وہ قیامت کے دن اسے دائیں یا بائیں ہاتھ سے تھامے ہوئے رحمان کے عرش کے سامنے آئے گا' اس کی رگوں میں خون اچھل رہا ہوگا اور اللہ سے کہے گا کہ اے اللہ اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں عبداللہ کی جان ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ کی وفات تک اسے منسوخ کرنے والی کوئی آیت نہیں اتری' اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ نہ حضورؐ کے بعد کوئی وحی اترے گی۔ حضرت زید بن ثابتؓ' حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ' حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمنؒ' عبید بن عمیرؒ' حسنؒ' قتادہؒ' ضحاکؒ بھی حضرت ابن عباسؓ کے خیال کے ساتھ ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر قیامت کے دن اللہ کے سامنے لائے گا۔ دوسرے ہاتھ سے اپنا سر اٹھائے ہوئے ہوگا اور کہے گا' میرے رب اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ قاتل کہے گا' پروردگار اس لئے کہ تیری عزت ہو' اللہ فرمائے گا پس یہ میری راہ میں ہے۔ دوسرا مقتول بھی اپنے قاتل کو پکڑے ہوئے لائے گا' اور یہی کہے گا' قاتل جواباً کہے گا' اس لئے کہ فلاں کی عزت ہو' اللہ فرمائے گا' قاتل کا گناہ اس نے اپنے سر لے لیا' پھر اسے آگ میں جھونک دیا جائے گا جس گڑھے میں ستر سال تک تو نیچے ہی چلا جائے گا۔

مسند احمد میں ہے' ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے لیکن ایک تو وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا' دوسرا وہ جو کسی مومن کا قصداً قاتل بنا۔ ابن مردویہ میں بھی ایسی ہی حدیث ہے اور وہ بالکل غریب ہے' محفوظ وہ حدیث ہے جو بحوالہ مسند بیان ہوئی۔ ابن مردویہ میں اور حدیث ہے کہ جان بوجھ کر ایماندار کو مار ڈالنے والا کافر ہے۔ یہ حدیث منکر ہے اور اس کی اسناد میں بہت کلام ہے۔ حمید کہتے ہیں' میرے پاس ابوالعالیہ آئے' میرے ایک دوست بھی اس وقت میرے پاس تھے۔ ہم سے کہنے لگے' تم دونوں مجھ سے کم عمر اور زیادہ یادداشت والے ہو۔

آؤ میرے ساتھ بشر بن عاصم کے پاس چلو- جب وہاں پہنچے تو حضرت بشرؓ سے فرمایا' انہیں بھی وہ حدیث سنا دو- انہوں نے سنانی شروع کی کہ عتبہ بن مالک لیثیؓ نے کہا' رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا- اس نے ایک قوم پر چھاپہ مارا وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ ایک شخص بھاگا جا رہا تھا- اس کے پیچھے ایک لشکری بھاگا- جب اس کے قریب ننگی تلوار لئے ہوئے پہنچ گیا تو اس نے کہا میں تو مسلمان ہوں- اس نے کچھ خیال نہ کیا تلوار چلا دی اس واقعہ کی خبر حضور کو ہوئی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور سخت سست کہا یہ خبر اس شخص کو بھی پہنچی- ایک روز رسول اکرم ﷺ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اس قاتل نے کہا' حضورؐ اللہ کی قسم اس نے تو یہ بات محض قتل سے بچنے کے لئے کہی تھی- آپؐ نے اس کی طرف سے نگاہ پھیر لی اور خطبہ سناتے رہے' اس نے دوبارہ کہا' آپؐ نے پھر منہ موڑ لیا' اس سے صبر نہ ہو سکا- تیسری بار کہا تو آپؐ نے اس کی طرف توجہ کی اور ناراضگی آپؐ کے چہرے سے ٹپک رہی تھی- فرمانے لگے قاتل مومن کی کوئی بھی معذرت قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ انکار کرتے ہیں' تین بار یہی فرمایا- یہ روایت نسائی میں بھی ہے- پس ایک مذہب تو یہ ہوا کہ قاتل مومن کی توبہ نہیں دوسرا مذہب یہ ہے کہ توبہ اس کے اور اللہ کے درمیان ہے' جمہور سلف و خلف کا یہی مذہب ہے کہ اگر اس نے توبہ کی' اللہ کی طرف رجوع کیا' خشوع و خضوع میں لگا رہا' نیک اعمال کرنے لگ گیا تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا اور مقتول کو اپنے پاس سے عوض دے کر اسے راضی کر لے گا- اللہ فرماتا ہے اِلَّا مَنْ تَابَ الخ' یہ خبر اور خبر میں نسخ کا احتمال نہیں اور اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں اور اس آیت کو مومنوں کے بارے میں خاص کرنا بہ ظاہر قیاس کے خلاف ہے اور کسی صاف دلیل کا محتاج ہے- واللہ اعلم-

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ الخ' اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو- یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ہر گناہ کو شامل ہے خواہ کفر و شرک ہو' خواہ شک و نفاق ہو' خواہ قتل و فسق ہو' خواہ کچھ ہی ہو' جو اللہ کی طرف رجوع کرے' اللہ اس کی طرف مائل ہو گا' جو توبہ کرے' اللہ اسے معاف فرمائے گا- فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ الخ' اللہ تعالیٰ شرک کو تو بخشتا نہیں اس کے سوا کے تمام گناہ جسے چاہے بخش دے- اللہ کی اس کریمی کے صدقے جایئے کہ اس نے اسی سورت میں اس آیت سے پہلے بھی جس کی تفسیر اب ہم کر رہے ہیں' اپنی عام بخشش کی آیت بیان فرمائی اور پھر اس آیت کے بعد ہی اسے دہرا دیا اسی طرح اپنی عام بخشش کا اعلان پھر کیا تا کہ بندوں کو اس کی کامل فطرت سے کامل امید بندھ جائے- واللہ اعلم-

بخاری و مسلم کی وہ حدیث بھی اس موقعہ پر یاد رکھنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ ایک بنی اسرائیلی نے ایک سو قتل کئے تھے- پھر ایک عالم سے پوچھتا ہے کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے- وہ جواب دیتا ہے کہ تجھ میں اور تیری توبہ میں کون ہے جو حائل ہو؟ جاؤ اس بد بستی کو چھوڑ کر نیکوں کے شہر میں جا بسو- چنانچہ یہ ہجرت کرتا ہے اور راستے میں ہی فوت ہو جاتا ہے اور رحمت کے فرشتے اسے لے جاتے ہیں- یہ حدیث پوری پوری کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے جبکہ بنی اسرائیل میں یہ ہے تو اس امت مرحومہ کے لیے قاتل کی توبہ کے دروازے بند کیوں ہوں؟ ہم پر تو پہلے بہت زیادہ پابندیاں تھیں جن سب سے خدا نے ہمیں آزاد کر دیا اور رحمۃ للعالمین جیسے سردار انبیاء کو بھیج کر وہ دین ہمیں دیا جو آسانیوں اور راحتوں والا' سیدھا' صاف اور سہل ہے- لیکن یہاں جو سزا قاتل کی بیان فرمائی ہے' اس سے یہ مراد ہے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اسے سزا ضرور دی جائے- چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ اور سلف کی ایک جماعت بھی یہی فرماتی ہے بلکہ اس معنی کی ایک حدیث بھی ابن مردویہ میں ہے لیکن سنداً وہ صحیح نہیں اور اسی طرح ہر وعید کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی عمل صالح وغیرہ اس کے مقابل میں نہیں تو اس بدی کا بدلہ وہ ہے جو وعید میں واضح بیان ہوا ہے- اور یہی طریقہ وعید کے بارے میں ہمارے نزدیک نہایت درست اور

احتیاط والا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور قاتل کے جہنم میں جانے کی تقدیر پر بھی خواہ وہ بقول ابن عباسؓ وغیرہ توبہ قبول نہ ہونے کی وجہ سے ہو خواہ بقول جمہور دوسرا نیک عمل نجات دہندہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو۔ وہ ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا بلکہ یہاں خلود سے مراد بہت دیر تک رہنا ہے جیسا کہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ جہنم میں سے وہ بھی نکل آئیں گے جن کے دل میں رائی کے چھوٹے سے چھوٹے دانے برابر بھی ایمان ہوگا۔ اوپر جو ایک حدیث بیان ہوئی ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بجز کفر اور قتل مومن کے معاف فرما دے۔ اس میں ''عسی'' ترجی کا مسئلہ ہے ان دونوں صورتوں میں ترجی یعنی امید کو اٹھ جائے پھر بھی وقوع پزیر ہونا یعنی ایسا ہونا ان دونوں میں سے ایک بھی ممکن نہیں اور وہ قتل ہے کیونکہ شرک وکفر کا معاف نہ ہونا تو الفاظ قرآن سے ثابت ہو چکا اور جو حدیثیں گذریں جن میں ہے کہ قاتل کو مقتول لے کر آئے گا' یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ چونکہ اس میں انسانی حق ہے' وہ توبہ سے ٹل نہیں جاتا۔ بلکہ انسانی حق تو توبہ ہونے کی صورت میں بھی حقدار کو پہنچانا ضروری ہے۔ اس میں جس طرح قتل ہے' اسی طرح چوری ہے' غصب ہے' تہمت ہے اور دوسرے حقوق انسانی ہیں جن کا توبہ سے معاف نہ ہونا اجماعاً ثابت ہے بلکہ توبہ کی صحت کی شرط ہے کہ ان حقوق کو ادا کرے۔ اور جب ادائیگی محال ہے تو قیامت کے روز اس کا مطالبہ ضروری ہے۔ لیکن مطالبہ سے سزا کا واقع ہونا ضروری نہیں۔ ممکن ہے کہ قاتل کے اور سب اعمال صالحہ مقتول کو دے دیئے جائیں یا بعض دے دیئے جائیں اور اس کے پاس پھر بھی کچھ رہ جائیں اور یہ بخش دیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ قاتل کا مطالبہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے پاس سے اور اپنی طرف سے حور وقصور اور بلند درجات جنت دے کر پورا کر دے اور اس کے عوض وہ اپنے قاتل سے درگذر کرنے پر خوش ہو جائے اور قاتل کو اللہ بخش دے وغیرہ۔ واللہ اعلم۔ جان بوجھ کر مار ڈالنے والے کے لئے کچھ تو دنیوی احکام ہیں اور کچھ اخروی۔ دنیا میں تو اللہ نے مقتول کے ولیوں کو اس پر غلبہ دیا ہے۔

فرماتا ہے وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطٰنًا الخ' جو ظلم سے قتل کیا جائے' ہم نے اس کے پیچھے والوں کو غلبہ دیا ہے۔ انہیں اختیار ہے کہ یا تو وہ بدلہ لیں یعنی قاتل کو بھی قتل کرائیں یا معاف کر دیں یا دیت یعنی خون بہا یعنی جرمانہ وصول کر لیں اور اس کے جرمانہ میں سختی ہے جو تین قسموں پر مشتمل ہے۔ تیس تو چوتھے سال کی عمر میں لگے ہوئے اونٹ اور تیس پانچویں سال میں لگے ہوئے اور چالیس حاملہ اونٹنیاں جیسے کہ کتب احکام میں ثابت ہیں۔ اس میں ائمہ نے اختلاف کیا ہے کہ اس پر غلام کا آزاد کرنا یا دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنے یا کھانا کھلانا ہے یا نہیں؟ پس امام شافعی اور ان کے اصحاب اور علماء کی ایک جماعت تو اس کی قائل ہے کہ جب خطا میں یہ ہے تو عمداً میں بطور اولی ہونا چاہئے اور ان پر جواباً جھوٹی غیر شرعی قسم کے کفارے کو پیش کیا گیا ہے اور انہوں نے اس کا عذر عمداً چھوڑ دی ہوئی نماز کو قضا قرار دیا ہے جیسے کہ اس پر اجماع ہے۔ خطا میں امام احمد کے اصحاب اور دوسرے کہتے ہیں' قتل عمداً قابل کفارہ ہے اس لئے اس میں کفارہ نہیں اور اسی طرح جھوٹی قسم اور ان کے لئے ان دونوں صورتوں میں اور عمداً چھوٹی ہوئی نماز میں فرق کرنے کی کوئی راہ نہیں اس لئے کہ یہ عمداً چھوٹی ہوئی نماز کی قضا کے وجوب کے قائل ہیں۔ اگلی جماعتوں کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے جو مسند احمد میں مروی ہے کہ لوگ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پس آئے اور کہا' کوئی ایسی حدیث سناؤ جس میں کمی زیادتی نہ ہو تو وہ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کیا تم قرآن لے کر پڑھتے ہو تو اس میں کمی زیادتی بھی کرتے ہو؟ انہوں نے کہا' حضرت ہمارا مطلب یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ سے آپ نے جو سنی ہو' کہا ہم حضور ﷺ کے پاس اپنے میں سے ایک آدمی کی بابت گئے جس نے بوجہ قتل کے اپنے آپ کو جہنمی بنا لیا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا' اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو۔ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو اللہ تعالیٰ جہنم سے آزاد کر دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

اے ایمان والو جب تم راہ اللہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں، تم زندگانی دنیا کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں، پہلے تم بھی ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا' لہٰذا تم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو' بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ○

مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل نا قابل معافی جرم ہے: ☆☆ (آیت:۹۴) ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ بنوسلیم کا ایک شخص بکریاں چراتا ہوا اصحابہؓ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا اور سلام کیا تو صحابہؓ آپس میں کہنے لگے' یہ مسلمان تو ہے نہیں۔ صرف اپنی جان بچانے کے لئے سلام کرتا ہے۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا اور بکریاں لے کر چلے آئے۔ اس پر یہ آیت اتری یہ حدیث تو صحیح ہے لیکن بعض نے اس میں علتیں نکالی ہیں کہ سماک راوی کے سوائے اس طریقے کے اور کوئی مخرج ہی اس کا نہیں اور یہ کہ عکرمہ سے اس کے روایت کرنے کے بھی قائل ہے' اور یہ کہ اس آیت کے شان نزول میں اور واقعات بھی مروی ہیں۔ بعض کہتے ہیں' محکم بن جثامہ کے بارے میں اتری ہے۔

بعض کہتے ہیں' اسامہ بن زیدؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کے سوا بھی اقوال ہیں' لیکن میں کہتا ہوں یہ سب نا قابل تسلیم ہے' سماک سے اسے بہت سے ائمہ کبار نے روایت کیا ہے' عکرمہ سے صحیح دلیل لی گئی ہے' یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت ابن عباسؓ سے صحیح بخاری میں مروی ہے' سعید بن منصور میں یہی مروی ہے' ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص کو اس کے والد اور اس کی قوم نے اپنے اسلام کی خبر پہنچانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا' راستے میں اسے حضورؐ کے بھیجے ہوئے ایک لشکر سے رات کے وقت ملاقات ہوئی۔ اس نے ان سے کہا کہ میں مسلمان ہوں لیکن انہیں یقین نہ آیا اور اسے دشمن سمجھ کر قتل کر ڈالا ان کے والد کو جب یہ علم ہوا تو یہ خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا چنانچہ آپؐ نے انہیں ایک ہزار دینار دیئے اور دیت دی اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔

محکم بن جثامہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنا ایک چھوٹا سا لشکر اضم کی طرف بھیجا۔ جب یہ لشکر بطن اضم میں پہنچا تو عامر بن اضبط اشجعی اپنی سواری پر سوار مع اسباب کے آ رہے تھے۔ پاس پہنچ کر سلام کیا۔ سب تو رک گئے لیکن محکم بن جثامہ نے آپس کی پرانی عداوت کی بنا پر اس پر جھپٹ کر حملہ کر دیا' انہیں قتل کر ڈالا اور ان کا اسباب قبضہ میں کر لیا۔ پھر ہم حضورؐ کے پاس پہنچے اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس پر یہ آیت اتری ایک اور روایت میں ہے کہ عامر نے اسلامی طریقہ کے مطابق سلام کیا تھا لیکن جاہلیت کی پہلی عداوت کے باعث محکم نے اسے تیر مار کر مار ڈالا۔ یہ خبر پا کر عامر کے لوگوں سے محکم بن جثامہ نے مصالحانہ گفتگو کی لیکن عینیہ نے کہا' نہیں نہیں' اللہ کی قسم جب تک اس کی عورتوں پر بھی وہی مصیبت نہ آئے جو میری عورتوں پر آئی۔ محکم اپنی دونوں چادریں اوڑھے ہوئے آئے اور رسول کریم ﷺ کے سامنے بیٹھ

گئے اس امید پر کہ حضورؐ ان کے لئے استغفار کریں لیکن آپؐ نے فرمایا' اللہ تجھے نہ بخشے' یہ یہاں سے سخت نادم وشرمسار روتے ہوئے اٹھے اپنی چادروں سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے سات روز بھی نہ گذرنے پائے تھے جو انتقال کر گئے۔ لوگوں نے انہیں دفن کیا لیکن زمین نے ان کی نعش اگل دی۔ حضورؐ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا' تمہارے اس ساتھی سے نہایت ہی بدتر لوگوں کو زمین سنبھال لیتی ہے لیکن اللہ کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں مسلمان کی حرمت دکھائے چنانچہ ان کے لاشے کو پہاڑ پر ڈال دیا گیا اور اوپر سے پتھر رکھ دیئے گئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن جریر)

صحیح بخاری شریف میں تعلیقاً مروی ہے کہ حضورؐ نے مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جبکہ انہوں نے قوم کفار کے ساتھ جو مسلمان مخفی ایمان والا تھا' اسے قتل کر دیا تھا باوجودیکہ اس نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا تھا کہ تم بھی مکہ میں اسی طرح تھے کہ ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ بزار میں یہ واقعہ پورا اس طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا جس میں حضرت مقدادؓ بھی تھے۔ جب دشمنوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ سب تو ادھر ادھر ہو گئے ہیں۔ ایک شخص مالدار وہاں رہ گیا ہے۔ اس نے انہیں دیکھتے ہی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا۔ تاہم انہوں نے حملہ کر دیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ ایک شخص جس نے یہ واقعہ دیکھا تھا' وہ سخت برہم ہوا اور کہنے لگا' مقداد تم نے اسے قتل کر ڈالا جس نے کلمہ پڑھا تھا؟ میں اس کا ذکر حضورؐ سے کروں گا۔ جب یہ لشکر واپس پہنچا تو اس شخص نے یہ واقعہ حضورؐ سے عرض کیا۔ آپؐ نے حضرت مقدادؓ کو بلوایا اور فرمایا تم نے یہ کیا کیا؟ کل قیامت کے دن تم لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے سامنے کیا جواب دو گے؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور آپؐ نے فرمایا کہ اے مقداد وہ شخص مخفی مسلمان تھا جس طرح تو مکہ میں اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا۔ پھر تو نے اس کے اسلام ظاہر کرنے کے باوجود اسے مارا؟

پھر فرماتا ہے کہ جس غنیمت کی لالچ میں تم غفلت برت رہے ہو اور سلام کرنے والوں کے ایمان میں شک وشبہ کر کے انہیں قتل کر ڈالتے ہو' سنو یہ غنیمت بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں جو وہ تمہیں حلال ذرائع سے دے گا اور وہ تمہارے لئے اس مال سے بہت بہتر ہوں گی۔ تم بھی اپنا وہ وقت یاد کرو کہ تم بھی ایسے ہی لاچار تھے اپنے ضعف اور اپنی کمزوری کی وجہ سے ایمان ظاہر کرنے کی جرات نہ کر سکتے تھے۔ قوم میں چھپے لگے پھرتے تھے۔ آج اللہ نے تم پر احسان کیا۔ تمہیں قوت دی اور تم کھلے بندوں اپنے اسلام کا اظہار کر رہے ہو تو جو بے اسباب اب تک دشمنوں کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایمان کا اعلان کھلے طور پر نہیں کر سکے جب وہ اپنا ایمان ظاہر کریں' تمہیں تسلیم کر لینا چاہئے۔ اور آیت میں ہے وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ الخ یاد کرو جبکہ تم کم تھے' کمزور تھے۔ الغرض ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ بکری کا چرواہا اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا' اسی طرح اس سے پہلے جبکہ بے سروسامانی اور قلت کی حالت میں تم مشرکوں کے درمیان تھے' ایمان چھپائے پھرتے تھے' یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم بھی پہلے اسلام والے نہ تھے' اللہ نے تم پر احسان کیا اور تمہیں اسلام نصیب فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے قسم کھائی تھی کہ اس کے بعد کبھی کسی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والے کو قتل نہ کروں گا کیونکہ انہیں بھی اس بارے میں پوری سرزنش ہوئی تھی۔ پھر تاکیداً دوبارہ فرمایا کہ بخوبی تحقیق کر لیا کرو۔ پھر دھمکی دی جاتی ہے کہ اللہ کو اپنے اعمال سے غافل نہ سمجھو۔ جو تم کر رہے ہو وہ سب کی پوری خبر رکھتا ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ
وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ

الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

ع ۱۳

اپنی جانوں اور مالوں سے راہ اللہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے اور یوں تو اللہ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے ○ اپنی طرف سے مرتبے کی بھی اور بخشش کی بھی اور رحمت کی بھی اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ○

مجاہد اور عوام میں فرق: ☆☆ (آیت:۹۵-۹۶) صحیح بخاری میں ہے کہ جب اس آیت کے ابتدائی الفاظ اترے کہ بیٹھ رہنے والے اور جہاد کرنے والے مومن برابر نہیں' تو آپ حضرت زیدؓ کو بلوا کر اسے لکھوا رہے تھے۔ اس وقت حضرت ابن ام مکتومؓ نابینا آئے اور کہنے لگے 'حضورؐ میں تو نابینا ہوں' معذور ہوں۔ اس پر الفاظ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ نازل ہوئے یعنی وہ بیٹھ رہنے والے جو بے عذر ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت زیدؓ اپنے ساتھ قلم دوات اور شانہ لے کر آئے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ ام مکتومؓ نے فرمایا تھا' یا رسول اللہ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں ضرور جہاد میں شامل ہوتا۔ اس پر وہ الفاظ اترے۔ اس وقت حضورؐ کی ران حضرت زیدؓ کی ران پر تھی۔ اس قدر بوجھ ان پر پڑا کہ قریب تھا' ران ٹوٹ جائے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس وقت ان الفاظ کی وحی اتری اور اس کے بعد آپ پر نازل ہوئی' میں آپ کے پہلو میں تھا' اللہ کی قسم وہ بوجھ جو مجھ پر رسول اللہ ﷺ کی ران کا پڑا کہ میں نے اس سے زیادہ بوجھل چیز کوئی نہیں اٹھائی۔ پھر وحی ہٹ جانے کے بعد آپ نے عَظِيْمًا تک آیت لکھوائی اور میں نے اسے شانے کی ہڈی پر لکھ لیا۔ اور حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ابھی تو ابن ام مکتومؓ کے الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے جو آپ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی' حضرت زیدؓ فرماتے ہیں وہ منظر اب تک میری نگاہوں کے سامنے ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ بعد میں اترے ہوئے الفاظ کو میں نے ان کی جگہ پر اپنی تحریر میں بعد میں بڑھایا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' مراد بدر کی لڑائی میں جانے والے اور اس میں حاضر نہ ہونے والے ہیں۔ غزوہ بدر کے موقعہ پہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ آ کر حضورؐ سے کہنے لگے' ہم دونوں نابینا ہیں۔ کیا ہمیں رخصت ہے؟ تو انہیں آیت قرآنی میں رخصت دی گئی۔ پس مجاہدین کو جن بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی گئی ہے' وہ وہ ہیں جو صحت و تندرستی والے ہوں۔ پس پہلے تو مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر مطلقاً فضیلت تھی لیکن پھر اسی وحی کے ساتھ جو الفاظ اترے اس نے ان لوگوں کو جنہیں مباح عذر ہوں عام بیٹھ رہنے والوں سے مستثنیٰ کر لیا جیسے اندھے' لنگڑے' لولے اور بیمار' یہ مجاہدین کے درجے میں ہیں۔

پھر مجاہدین کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے' وہ بھی ان لوگوں پر ہے جو بے وجہ جہاد میں شامل نہ ہوئے ہوں' جیسے کہ ابن عباسؓ کی تفسیر گذری اور یہی ہونا بھی چاہئے بخاری میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم جس جہاد کے لئے سفر کرو اور جس جنگل میں کوچ کرو وہ تمہارے ساتھ اجر میں یکساں ہیں۔ صحابہؓ نے کہا باوجودیکہ وہ مدینے میں مقیم ہیں' آپ نے فرمایا' ہاں اس لئے کہ انہیں

عذر نے روک رکھا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ تم جو خرچ کرتے ہو اس کا ثواب بھی جو تمہیں ملتا ہے انہیں بھی ملتا ہے اسی مطلب کو ایک شاعر نے ان الفاظ میں منظوم کیا ہے۔

یَا رَاحِلِیْنَ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ لَقَدْ سِرْتُم جُسُوْمًا وَّ سِرْنَا نَحْنُ اَرْوَاحَا
اِنَّا اَقَمْنَا عَلٰی عُذْرٍ وَّعَنْ قَدْرٍ وَمَنْ اَقَامَ عَلٰی عُذْرٍ فَقَدْ رَاحَا

''یعنی اے اللہ کے گھر کے حج کو جانے والو! اگر تم اپنے جسموں سمیت اس طرف چل رہے ہو لیکن ہم بھی اپنی روحانی روش سے اسی طرف لپکے جا رہے ہیں' سنو ہماری جسمانی کمزوری اور عذر نے ہمیں روک رکھا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عذر سے رک جانے والا کچھ جانے والے سے کم نہیں''

پھر فرماتا ہے' ہر ایک سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ جنت کا اور بہت بڑے اجر کا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے۔ پھر ارشاد ہے' مجاہدین کو غیر مجاہدین پر بڑی فضیلت ہے۔ پھر ان کے بلند درجات' ان کے گناہوں کی معافی اور ان پر جو برکت و رحمت ہے اس کا بیان فرمایا اور اپنی عام بخشش اور عام رحم کی خبر دی۔ بخاری و مسلم میں ہے' جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ کے مجاہدین کے لئے تیار کیا ہے۔ ہر دو درجوں میں اس قدر فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین میں۔ اور حدیث میں ہے' حضورؐ نے فرمایا' جو شخص اللہ کی راہ میں تیر چلائے' اسے جنت کا درجہ ملتا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا' درجہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' وہ تمہارے یہاں کے گھروں کے بالا خانوں جتنا نہیں بلکہ دو درجوں میں سو سال کا فاصلہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾

جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں' جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں' پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے۔ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں' کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے' یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے ○ پہنچنے کی۔ مگر جو مرد عورتیں اور بچے بے بس ہیں' جنہیں نہ تو کسی چارہ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ○

بے معنی عذر مسترد ہوں گے۔ ہجرت اور نیت: ☆☆ (آیت: ۹۷-۹۸) محمد بن عبدالرحمٰن ابوالاسود فرماتے ہیں' اہل مدینہ سے جنگ کرنے کے لئے جو لشکر تیار کیا گیا اس میں میرا نام بھی تھا۔ میں حضرت ابن عباسؓ کے مولی حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ سے ملا اور اس بات کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے اس میں شمولیت کرنے سے بہت سختی سے روکا اور کہا سنو حضرت ابن عباسؓ سے میں نے سنا ہے کہ بعض مسلمان لوگ جو حضورؐ کے زمانے میں مشرکوں کے ساتھ تھے اور ان کی تعداد بڑھاتے تھے' بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ان میں سے کوئی تیر سے ہلاک کر دیا جاتا یا مسلمانوں کی تلواروں سے قتل کر دیا جاتا' انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے یعنی موت کے وقت ان کا اپنی بے طاقتی کا حیلہ اللہ کے

ہاں قبول نہیں ہوتا۔

اور روایت میں ہے کہ ایسے لوگ جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے جبکہ وہ بدر کی لڑائی میں کافروں کے ساتھ آ گئے تو مسلمانوں کے ہاتھوں ان میں سے بعض مارے گئے جس پر مسلمان غمگین ہوئے کہ افسوس یہ تو ہمارے ہی بھائی تھے اور ہمارے ہی ہاتھوں مارے گئے ان کے لئے استغفار کرنے لگے اس پر یہ آیت اتری۔ پس باقی ماندہ مسلمانوں کی طرف یہ آیت لکھی کہ ان کا کوئی عذر نہ تھا کہا یہ نکلے اور ان سے مشرکین ملے اور انہوں نے تقیہ کیا۔ پس یہ آیت اتری وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ الخ' حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں' یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور تھے مکے میں ہی۔ ان میں علی ابن امیہ بن خلف اور ابو قیس بن ولید بن مغیرہ اور ابو منصور بن حجاج اور حارث بن زمعہ تھے۔ ضحاکؒ کہتے ہیں' ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد مکے میں رہ گئے۔ پھر بدر کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ آئے۔ ان میں سے بعض میدان جنگ میں کام بھی آ گئے۔ مقصد یہ ہے کہ آیت کا حکم عام ہے ہر اس شخص کا جو ہجرت پر قادر ہو پھر بھی مشرکوں میں پڑا رہے اور دین پر مضبوط نہ رہے' وہ اللہ کے نزدیک ظالم ہے اور اس آیت کی رو سے اور مسلمانوں کے اجماع سے وہ حرام کام کا مرتکب ہے۔ اس آیت میں ہجرت کے چھوڑ دینے کو ظلم کہا گیا ہے' ایسے لوگوں سے ان کے نزع کے عالم میں فرشتے کہتے ہیں کہ تم یہاں کیوں ٹھہرے رہے؟ کیوں ہجرت نہ کی؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے شہر سے دوسرے شہر کہیں نہیں جا سکتے تھے' جس کے جواب میں فرشتے کہتے ہیں' کیا اللہ کی زمین میں کشادگی نہ تھی؟ ابوداؤد میں ہے' جو شخص مشرکین میں ملا جلا رہے' انہی کے ساتھ رہے سہے' وہ بھی انہی جیسا ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں جبکہ حضرت عباسؓ عقیل اور نوفل گرفتار کئے گئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا' عباس تم اپنا فدیہ بھی دو اور اپنے بھتیجے کا بھی' حضرت عباسؓ نے کہا' یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے قبلے کی طرف نمازیں نہیں پڑھتے تھے؟ کیا ہم کلمہ شہادت ادا نہیں کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا' عباس تم نے بحث تو چھیڑی لیکن اس میں تم ہار جاؤ گے' سنو اللہ فرماتا ہے' پھر آپؐ نے یہی تلاوت فرمائی یعنی تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟ پھر جن لوگوں کو ہجرت کے چھوڑ دینے پر ملامت نہ ہو گی' ان کا ذکر فرماتا ہے کہ جو لوگ مشرکین کے ہاتھوں سے نہ چھوٹ سکیں اور اگر کبھی چھوٹ بھی جائیں تو راستے کا علم انہیں نہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ درگذر فرمالے گا۔ "عسی" کا کلمہ اللہ کے کلام میں وجوب اور یقین کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ درگذر کرنے والا اور بہت ہی معافی دینے والا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد سجدے میں جانے سے پہلے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ عیاش ابو ربیعہ کو' سلمہ بن ہشام کو' ولید بن ولید کو اور تمام بے بس ناطاقت مسلمانوں کو کفار کے پنجے سے رہائی دے۔ اے اللہ اپنا سخت عذاب قبیلہ مضر پر ڈال۔ اے اللہ ان پر ایسی قحط سالی نازل فرما جیسی حضرت یوسفؑ کے زمانے میں آئی تھی۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد قبلے کی طرف منہ کئے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی' اے اللہ ولید بن ولید کو' عیاش بن ابو ربیعہ کو' سلمہ بن ہشام کو اور تمام ناتواں بے طاقت مسلمانوں کو جو نہ حیلے کی طاقت رکھتے ہیں نہ راہ پانے کی' کافروں کے ہاتھوں سے نجات دے۔ ابن جریر میں ہے' حضورؐ ظہر کی نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اس حدیث کے شواہد صحیح میں بھی اس سند کے سوا اور سندوں میں بھی ہیں جیسے کہ پہلے گذرا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں اور میری والدہ ان ضعیف عورتوں اور بچوں میں تھے جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ہمیں اللہ نے معذور رکھا۔

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا
غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ
مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۚ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى
اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾ ع ۴

بہت ممکن ہے کہ اللہ ان سے درگزر کرے اللہ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے ○ جو کوئی راہ اللہ میں وطن کو چھوڑے گا' وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی' جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہوا' پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا' اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ○

(آیت:۹۹-۱۰۰) ہجرت کی ترغیب دیتے ہوئے اور مشرکوں سے الگ ہونے کی ہدایات کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ راہ اللہ میں ہجرت کرنے والا ہراساں نہ ہو۔ وہ جہاں جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسباب پناہ تیار کر دے گا اور وہ بہ آرام وہاں اقامت کر سکے گا' مراغم کے ایک معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے بھی ہیں' مجاہدؒ فرماتے ہیں' وہ اپنے دکھ سے بچاؤ کی بہت سی صورتیں پالے گا۔ امن کے بہت سے اسباب اسے مل جائیں گے' دشمنوں کے شر سے بچ جائے گا اور وہ روزی بھی پائے گا' گمراہی سے ہدایت اسے ملے گی اور فقیری تونگری سے بدل جائے گی۔ پھر فرماتا ہے' جو شخص بہ نیت ہجرت اپنے گھر سے نکلا' پھر ہجرت گاہ پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں اسے موت آ گئی' اسے بھی ہجرت کا کامل ثواب مل گیا' حضورؐ فرماتے ہیں ہر عمل کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جو اس نے نیت کی پس جس کی ہجرت اللہ کی طرف اور اس کے رسولؐ کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ کی رضامندی اور رسول کی خوشنودی کا باعث ہو گی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو تو اسے اصل ہجرت کا ثواب نہ ملے گا بلکہ اس کی ہجرت اسی طرف سمجھی جائے گی۔ یہ حدیث عام ہے۔ ہجرت وغیرہ تمام اعمال کو شامل ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں اس شخص کے بارے میں ہے جس نے ننانوے قتل کئے تھے' پھر ایک عابد کو قتل کر کے سو پورے کئے۔ پھر ایک عالم سے پوچھا کہ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا تیری توبہ کے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔ تو اپنی بستی سے ہجرت کر کے فلاں شہر چلا جا جہاں اللہ کے عابد بندے رہتے ہیں چنانچہ یہ ہجرت کر کے اس طرف چلا' راستہ میں ہی تھا جو موت آ گئی۔ رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اس کے بارے میں اختلاف ہوا۔ یہ تو کہہ رہے تھے یہ شخص توبہ کر کے ہجرت کر کے چل کھڑا ہوا اور وہ کہہ رہے تھے یہ وہاں پہنچا تو نہیں۔ پھر انہیں حکم کیا گیا کہ وہ اس طرف کی اور اس طرف کی زمین ناپیں جس بستی سے یہ شخص قریب ہو اس کے رہنے والوں میں اسے ملا دیا جائے' پھر زمین کو اللہ نے حکم دیا کہ بری بستی کی جانب سے دور ہو جائے اور نیک بستی والوں کی طرف قریب ہو جائے جب زمین ناپی گئی تو توحید والوں کی بستی سے ایک بالشت برابر قریب نکلی اور اسے رحمت کے فرشتے لے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ موت کے وقت یہ اپنے سینے کے بل نیک لوگوں کی بستی کی طرف گھسٹتا ہوا گیا۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے' جو شخص اپنے گھر سے اللہ کی راہ کی ہجرت کی نیت سے نکلا' پھر آپؐ نے اپنی تینوں انگلیوں یعنی کلمہ کی انگلی'

بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر کہا۔ پھر فرمایا' کہاں ہیں مجاہد؟ پھر وہ اپنی سواری پر سے گر پڑا یا اسے کسی جانور نے کاٹ لیا یا اپنی موت مر گیا تو اس کا ہجرت کا ثواب اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا۔ راوی کہتے ہیں اپنی موت مرنے کے لئے جو کلمہ حضورؐ نے استعمال کیا' واللہ میں نے اس کلمہ کو آپ سے پہلے کسی عربی کی زبانی نہیں سنا اور جو شخص غضب کی حالت میں قتل کیا گیا' وہ جگہ کا مستحق ہو گیا' حضرت خالد بن حزامؓ ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلے لیکن راہ میں ہی انہیں ایک سانپ نے ڈس لیا اور اسی میں ان کی روح قبض ہو گئی۔ ان کی بارے میں یہ آیت اتری۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں' میں چونکہ ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گیا اور مجھے ان کی خبر مل گئی تھی کہ یہ بھی ہجرت کر کے آ رہے ہیں اور میں جانتا تھا کہ قبیلہ بنو اسد سے ان کے سوا اور کوئی ہجرت کر کے آنے کا نہیں اور کم و بیش جتنے مہاجر تھے ان کے ساتھ رشتے کنبے کے لوگ تھے لیکن میرے ساتھ کوئی نہ تھا میں ان کا یعنی حضرت خالدؓ کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا جو مجھے ان کی اس طرح کی اچانک شہادت کی خبر ملی تو مجھے بہت ہی رنج ہوا۔ یہ اثر بہت ہی غریب ہے یہ بھی وجہ ہے کہ یہ قصہ مکے کا ہے اور آیت مدینے میں اتری ہے۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ راوی کا مقصود یہ ہو کہ آیت کا حکم عام ہے گو شان نزول یہ نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت ضمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے لیکن آپ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں انتقال کر گئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی ضمرہ جن کی آنکھوں سے دکھائی نہ دیتا تھا' جب وہ آیت اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ الخ' سنتے ہیں تو کہتے ہیں' میں مالدار ہوں اور چارہ کار بھی رکھتا ہوں' مجھے ہجرت کرنی چاہئے چنانچہ سامان سفر تیار کر لیا اور حضورؐ کی طرف چل کھڑے ہوئے لیکن ابھی تنعیم میں ہی تھے جو موت آ گئی۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ طبرانی میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میری راہ میں غزوہ کرنے کے لئے نکلا' صرف میرے وعدوں کو سچا جان کر اور میرے رسولوں پر ایمان رکھ کر' پس وہ اللہ کی ضمانت میں ہے۔ یا تو وہ لشکر کے ساتھ فوت ہو کر جنت میں پہنچے گا یا اللہ کی ضمانت میں واپس لوٹے گا۔ اجر و غنیمت اور اللہ کا فضل لے کر اگر وہ اپنی موت مر جائے یا مار ڈالا جائے یا گھوڑے سے گر جائے یا اونٹ پر سے گر پڑے یا کوئی زہریلا جانور کاٹ لے یا اپنے بستر پر کسی طرح بھی فوت ہو جائے' وہ شہید ہے۔ ابوداؤد میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ وہ جنتی ہے۔ بعض الفاظ ابوداؤد میں نہیں ہیں۔

ابویعلی میں ہے' جو شخص حج کے لئے نکلا' پھر مر گیا' قیامت تک اس کے لئے حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ جو عمرے کے لئے نکلا اور راستے میں فوت ہو گیا' اس کے لئے قیامت تک عمرے کا اجر لکھا جاتا ہے۔ جو جہاد کے لئے نکلا اور فوت ہو گیا' اس کے لئے قیامت تک جہاد کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾

جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں' اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے' البتہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں ○

صلوٰۃ قصر؟ ☆☆ (آیت:۱۰۱) فرمان الٰہی ہے کہ تم کہیں سفر میں جا رہے ہو۔ یہی الفاظ سفر کے لئے سورۂ مزمل میں بھی آئے ہیں۔ تو تم

پر نماز کی تخفیف کرنے میں کوئی گناہ نہیں' یہ کمی یا تو کیت میں یعنی بجائے چار رکعت کے دو رکعت جیسے کہ جمہور نے اس آیت سے سمجھا ہے' گو پھر ان میں بعض مسائل میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض تو کہتے ہیں یہ شرط ہے کہ سفر اطاعت کا ہو مثلاً جہاد کے لئے یا حج وعمرے کے لئے یا طلب وزیارت کے لئے وغیرہ۔ ابن عمرؓ عطاؒ یحییٰؒ اور ایک روایت کی رو سے امام مالکؒ کا یہی قول ہے کیونکہ اس سے آگے فرمان ہے اگر تمہیں کفار کی ایذا رسانی کا خوف ہو۔ بعض کہتے ہیں اس قید کی کوئی ضرورت نہیں کہ سفر قربت خداوندی کا ہو بلکہ نماز کی کمی ہر مباح سفر کے لئے ہے جیسے اضطرار اور بے بسی کی صورت میں مردار کھانے کی اجازت ہے۔ ہاں یہ شرط ہے کہ سفر معصیت کا نہ ہو۔ امام شافعیؒ امام احمدؒ وغیرہ ائمہ کا یہی قول ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں تجارت کے سلسلے میں دریائی سفر کرتا ہوں تو آپ نے اسے دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

بعض لوگوں کا مذہب ہے کہ ہر سفر میں نماز کو قصر کرنا جائز ہے سفر خواہ مباح ہو خواہ ممنوع ہو یہاں تک کہ اگر کوئی ڈاکہ ڈالنے کے لئے اور مسافروں کو ستانے کے لئے نکلا ہوا ہے' اسے بھی نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ ابو حنیفہؒ ثوریؒ اور داؤدؒ کا یہی قول ہے کہ آیت عام ہے لیکن یہ قول جمہور کے قول کے خلاف ہے۔ کفار سے ڈر کی جو شرط لگائی ہے یہ باعتبار اکثریت کے ہے۔ آیت کے نازل ہونے کے وقت چونکہ عموماً یہی حال تھا' اس لئے آیت میں بھی اسے بیان کر دیا گیا۔ ہجرت کے بعد سفر مسلمانوں کے سب کے سب خوف والے ہی ہوتے تھے۔ قدم قدم پر دشمن کا خطرہ رہتا تھا بلکہ مسلمان سفر کے لئے نکل ہی نہ سکتے تھے بجز اس کے کہ یا تو جہاد کو جائیں یا کسی خاص لشکر کے ساتھ جائیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جب منطوق بہ اعتبار غالب کے آئے تو اس کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا۔ جیسے اور آیت میں ہے' اپنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی کرنا چاہیں اور جیسے فرمایا' ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں' جن عورتوں سے تم نے صحبت کی ہے۔ پس جیسے کہ ان دونوں آیتوں میں قید کا بیان ہے لیکن اس کے ہونے پر ہی حکم کا دارومدار نہیں بلکہ بغیر اس کے بھی حکم وہی ہے یعنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور کرنا حرام ہے گو وہ پاکدامنی چاہتی ہوں یا نہ چاہتی ہوں۔ اسی طرح اس عورت کی لڑکی حرام ہے جس سے نکاح ہو کر صحبت ہو گئی ہو خواہ وہ اس کی پرورش میں ہو یا نہ ہو حالانکہ دونوں جگہ قرآن میں یہ قید موجود ہے۔ پس جس طرح ان دونوں موقعوں میں بغیر ان قیود کے بھی حکم یہی ہے' اسی طرح یہاں بھی گو خوف نہ ہو تاہم محض سفر کی وجہ سے نماز کو قصر کرنا جائز ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت یعلی بن امیہ نے حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا کہ نماز کی تخفیف کا حکم تو خوف کی حالت میں ہے اور اب تو امن ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہی خیال مجھے ہوا تھا اور یہی سوال میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپ نے فرمایا' یہ اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے۔ تم اس کے صدقے کو قبول کرو۔

مسلم اور سنن وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے' بالکل صحیح روایت ہے۔ ابو حنظلہ حذاء نے حضرت عمرؓ سے سفر کی نماز کا پوچھا تو آپ نے فرمایا' دو رکعتیں ہیں' انہوں نے کہا قرآن میں تو خوف کے وقت دو رکعتیں ہیں اور اس وقت تو پوری طرح امن وامان ہے تو آپ نے فرمایا یہی سنت ہے رسول اللہ ﷺ کی (ابن ابی شیبہ)۔

ایک اور شخص کے سوال پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا' آسمان سے تو یہ رخصت اتر چکی ہے اب اگر تم چاہو تو اسے لوٹا دو' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مکہ اور مدینہ کے درمیان ہم نے باوجود امن کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں (نسائی وغیرہ) اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ مدینہ سے مکے کی طرف چلے بجز اللہ کے خوف کے سوا کسی دشمن کا خوف نہ تھا اور آپ برابر دو رکعتیں ہی ادا فرماتے رہے۔ بخاری کی

حدیث میں ہے کہ واپسی میں بھی یہی دو رکعتیں آپ پڑھتے رہے اور کے میں اس سفر میں آپ نے دس روز قیام کیا تھا۔ مسند احمد میں حضرت حارثہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ منی میں ظہر کی اور عصر کی نماز دو دو رکعتیں پڑھی ہیں حالانکہ اس وقت ہم بکثرت تھے اور نہایت ہی پر امن تھے۔

صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت عبداللہؓ کے ساتھ (سفر میں) دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی چار رکعتوں کا ذکر آیا' تو آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ الخ' پڑھ کر فرمایا' میں نے تو حضورؐ کے ساتھ بھی منی میں دو رکعتیں پڑھی ہیں اور صدیق اکبرؓ کے ساتھ بھی اور عمر فاروقؓ کے ساتھ بھی۔ کاش کہ بجائے ان چار رکعتوں کے میرے حصے میں دو ہی مقبول رکعات آئیں' پس یہ حدیثیں کھلم کھلا دلیل ہیں اس بات کی کہ سفر کی دو رکعتوں کے لئے خوف کا ہونا شرط نہیں بلکہ نہایت امن واطمینان کے سفر میں بھی دوگانہ ادا کر سکتا ہے۔

اسی لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں کیفیت میں یعنی قرأت' رکوع' سجود وغیرہ میں قصر اور کمی مراد ہے نہ کہ کمیت میں یعنی تعداد رکعات میں تخفیف کرنا۔ ضحاکؒ' مجاہدؒ اور سدیؒ کا یہی قول ہے جیسے کہ آ رہا ہے' اس کی ایک دلیل امام مالکؒ کی روایت کردہ یہ حدیث بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں نماز دو دو رکعتیں ہی سفر حضر میں فرض کی گئی تھی پھر سفر میں تو وہی دو رکعتیں رہیں اور اقامت کی حالت میں دو اور بڑھا دی گئیں' پس علماء کی یہ جماعت کہتی ہے کہ اصل نماز دو رکعتیں تھی تو پھر اس آیت میں قصر سے مراد کمیت یعنی رکعتوں کی تعداد میں کمی کیسے ہو سکتی ہے؟ اس قول کی بہت بڑی تائید صراحتاً اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مسند احمد میں حضرت عمرؓ کی روایت سے ہے کہ بہ زبان نبی ﷺ سفر کی دو رکعتیں ہیں اور ضحیٰ کی نماز بھی دو رکعت ہے اور عید الفطر کی نماز بھی دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہے۔ یہی پوری نماز ہے۔ قصر والی نہیں۔ یہ حدیث نسائی' ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے۔ اس کی سند بہ شرط مسلم ہے۔ اس کے راوی ابن ابی لیلی کا حضرت عمرؓ سے سننا ثابت ہے جیسے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے اور خود اس روایت میں اور اس کے سوا بھی صراحتاً موجود ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے ان شاء اللہ۔ گو بعض محدثین سننے پر فیصلہ دینے کے قائل نہیں لیکن اسے مانتے ہوئے بھی اس سند میں کمی واقع نہیں ہوتی کیونکہ بعض طرق میں ابن ابی لیلی کا ایک ثقہ سے اور ان کا حضرت عمرؓ سے سننا مروی ہے' اور ابن ماجہ میں ان کا کعب ابن عجرہ سے روایت کرنا اور ان کا حضرت عمرؓ سے روایت کرنا بھی مروی ہے فاللہ اعلم۔

مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی نماز کو اقامت کی حالت میں چار رکعت فرض کی ہے اور سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت پس جیسے کہ قیام میں اس سے پہلے اور اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے یا پڑھی جاتی تھی' اسی طرح سفر میں بھی اور اس روایت میں اور حضرت عائشہؓ والی روایت میں جو اوپر گذری کہ حضر میں اللہ تعالیٰ نے دو رکعتیں ہی فرض کی تھیں گویا مسافات سے مشروط ہیں۔ اس لئے کہ اصل دو ہی تھیں بعد میں دو اور بڑھا دی گئیں پھر حضر کی چار رکعتیں ہو گئیں تو اب کہہ سکتے ہیں کہ اقامت کی حالت میں فرض چار رکعتیں ہیں۔ جیسے کہ ابن عباسؓ کی اس روایت میں ہے۔ واللہ اعلم۔

الغرض یہ دونوں روایتیں اسے ثابت کرتی ہیں کہ سفر میں دو رکعت نماز ہے اور وہی پوری نماز ہے کمی والی نہیں اور یہی حضرت عمرؓ کی روایت سے ثابت ہو چکا ہے تو مراد اس میں قصر کیت ہے جیسے کہ صلوٰۃ خوف میں ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے اگر تم ڈرو اس بات سے کہ کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے اور اس کے بعد فرمایا جب تو ان میں ہو اور نماز پڑھو تو بھی۔ پھر قصر کا مقصود وصفت اور کیفیت بھی بیان فرما دی۔ امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ نے کتاب صلوٰۃ خوف کو اسی آیت وَاِذَا ضَرَبْتُمْ سے مُّهِيْنًا تک لکھ کر شروع کیا

ہے۔ ضحاکؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ لڑائی کے وقت ہے۔ انسان اپنی سواری پر نماز دو تکبیریں پڑھ لے۔ اس کا منہ جس طرف بھی ہو اسی طرف صحیح ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ سفر میں جب تو نے دو رکعتیں پڑھیں تو وہ قصر کی پوری مقدار ہے ہاں جب کافروں کی فتنہ انگیزی کا خوف ہو تو ایک ہی رکعت قصر ہے البتہ یہ کسی سنگین خوف کے بغیر حلال نہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' اس آیت سے مراد وہ دن ہے جبکہ حضورؐ مع اپنے صحابہ کرام کے عسفان میں تھے اور مشرک ضخبان میں تھے۔ ایک دوسرے سے برسر پیکار بالکل تیار' ادھر ظہر کی نماز کا وقت آ گیا۔ حضورؐ نے تمام صحابہؓ کے ساتھ حسب معمول چار رکعتیں پوری ادا کیں۔ پھر مشرکین نے سامان و اسباب کو لوٹ لینے کا اردہ کیا' ابن جریرؒ اسے مجاہدؒ اور سدیؒ اور جابرؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں اور اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اسی کو کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے۔

حضرت خالد بن اسید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہتے ہیں' صلوۃ خوف کے قصر کا حکم تو ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں لیکن صلوٰۃ مسافر کے قصر کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ملتا تو حضرت ابن عمرؓ جواب دیتے ہیں' ہم نے اپنے نبی ﷺ کو سفر میں نماز کو قصر کرتے ہوئے پایا اور ہم نے بھی اس پر عمل کیا۔

خیال فرمائیے کہ اس میں قصر کا اطلاق صلوٰۃ خوف پر کیا اور آیت سے مراد بھی صلوٰۃ خوف لی اور صلوٰۃ مسافر کو اس میں شامل نہیں کیا اور حضرت ابن عمرؓ نے بھی اس کا اقرار کیا۔ اس آیت سے مسافرت کی نماز کا قصر بیان نہیں فرمایا بلکہ اس کے لئے فعل رسولؐ کو سند بتایا۔ اس سے زیادہ صراحت والی روایت ابن جریر کی ہے کہ حضرت سماک آپ سے صلوٰۃ پوچھتے ہیں' آپ فرماتے ہیں سفر کی نماز دو رکعت ہے اور یہی دو رکعت سفر کی پوری نماز ہے۔ قصر نہیں' قصر تو صلوٰۃ خوف میں ہے کہ امام ایک جماعت کو ایک رکعت پڑھاتا ہے۔ دوسری جماعت دشمن کے سامنے ہے۔ پھر یہ چلے گئے۔ وہ آ گئے۔ ایک رکعت امام نے انہیں پڑھائی تو امام کی دو رکعتیں ہوئیں اور ان دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ
مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ
وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ
وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ
عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ
مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝١٠٢

جب تو ان میں ہو اور انہیں نماز میں کھڑا کرلے تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تو تیرے ساتھ اپنے ہتھیار لئے کھڑی ہو۔ پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ تو ہٹ کر تمہارے پیچھے آ جائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی' وہ آ جائے اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں' کافر چاہتے ہیں

کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں' ہاں اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تمہیں تکلیف ہو بوجہ بارش کے یا بہ سبب بیمار ہو جانے کے' اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لئے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے منکروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے ○

صلوٰۃ خوف کے مسائل: ☆☆ (آیت:۱۰۲) نماز خوف کی کئی قسمیں' مختلف صورتیں اور حالتیں ہیں۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دشمن قبلہ کی طرف کبھی دشمن دوسری جانب ہوتا ہے' نماز بھی کبھی چار رکعت کی ہوتی ہے' کبھی تین رکعت کی جیسے مغرب اور فجر کی دو' صلوٰۃ سفر' کبھی جماعت سے ادا کرنی ممکن ہوتی ہے۔ کبھی لشکر اس طرح باہم گتھے ہوئے ہوتے ہیں کہ نماز با جماعت ممکن ہی نہیں ہوتی بلکہ الگ الگ قبلے کی طرف اور غیر قبلہ کی طرف پیدل اور سوار جس طرح بن پڑے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے اور جائز بھی ہے کہ دشمنوں کے حملوں سے بچتے جائیں ان پر برابر حملے کرتے جائیں اور نماز بھی ادا کرتے جائیں' ایسی حالت میں صرف ایک رکعت ہی نماز کا علماء کا فتویٰ ہے اور دلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے جو اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے۔ عطا' جابر' حسن' مجاہد' حکم' قتادہ' حماد' طاؤس' ضحاک' محمد بن نصر' مروزی' ابن حزم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا یہی فتویٰ ہے' صبح کی نماز میں ایک ہی رکعت اس حالت میں رہ جاتی ہے۔ اسحق بن راہویہؒ فرماتے ہیں۔ ایسی دوڑ دھوپ کے وقت ایک ہی رکعت کافی ہے۔ ارشاد ہے ادا کر لے اگر اس قدر پر بھی قادر نہ ہو تو سجدہ کر لے' یہ بھی ذکر اللہ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں صرف ایک تکبیر ہی کافی ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ایک سجدہ اور ایک تکبیر سے مراد بھی ایک رکعت ہو۔ جیسے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے اصحاب کا فتویٰ ہے اور یہی قول ہے جابر بن عبداللہ' عبداللہ بن عمرؓ' کعب وغیرہ صحابہ کا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سدیؒ بھی فرماتے ہیں لیکن جن لوگوں کا قول صرف ایک تکبیر کا ہی بیان ہوا ہے' اس کے بیان کرنے والے اسے پوری رکعت پر محمول نہیں کرتے بلکہ صرف تکبیر ہی جو ظاہر ہے مراد لیتے ہیں جیسے کہ اسحاق بن راہویہؒ کا مذہب ہے۔ امیر عبدالوہابؒ بن بخت مکی بھی اسی طرف گئے ہیں۔ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اسے اپنے نفس میں بھی نہ چھوڑے یعنی نیت ہی کر لے۔ واللہ اعلم۔ (لیکن صرف نیت کے کر لینے یا صرف اللہ اکبر کہہ لینے پر اکتفا کرنے یا صرف ایک ہی سجدہ کر لینے کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے نظر سے نہیں گذری۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

بعض علماء نے ایسے خاص اوقات میں نماز کو تاخیر کر کے پڑھنے کی رخصت بھی دی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ خندق میں سورج ڈوب جانے کے بعد ظہر' عصر کی نماز پڑھی تھی۔ پھر مغرب عشاء' پھر اس کے بعد بنو قریظہ کی جنگ کے دن ان کی طرف جنہیں بھیجا تھا' انہیں تاکید کر دی تھی کہ تم میں سے کوئی بھی بنو قریظہ تک پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے۔ یہ جماعت ابھی راستے میں ہی تھی جو عصر کا وقت آ گیا تو بعض نے تو کہا حضورؐ کا مقصد اس فرمان سے صرف یہی تھا کہ ہم جلدی بنو قریظہ پہنچیں نہ یہ کہ نماز کا وقت ہو جائے تو بھی نماز نہ پڑھیں چنانچہ ان لوگوں نے تو راستے میں ہی بروقت نماز ادا کر لی۔ اوروں نے بنو قریظہ پہنچ کر نماز پڑھی جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ جب اس بات کا ذکر حضورؐ سے ہوا تو آپ نے دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک کو بھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ ہم نے اس پر تفصیلی بحث اپنی کتاب السیرۃ میں کی ہے اور اسے ثابت کیا ہے کہ صحیح بات کے قریب وہ جماعت تھی جنہوں نے وقت پر نماز ادا کر لی۔ گو دوسری جماعت بھی معذور تھی' مقصود یہ ہے کہ اس جماعت نے جہاد کے موقعہ پر دشمنوں پر تاخت کرتے ہوئے ان کے قلعے کی طرف یورش جاری رکھتے ہوئے نماز کو مؤخر کر دیا' دشمنوں کا یہ گروہ ملعون یہودیوں کا تھا جنہوں نے عہد توڑ دیا تھا اور صلح کے خلاف کیا تھا۔ لیکن جمہور کہتے ہیں' صلوٰۃ خوف کے نازل ہونے سے یہ سب منسوخ ہو گیا۔ یہ واقعات اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں۔ صلوٰۃ خوف کے حکم کے بعد اب جہاد کے وقت'

نماز کو وقت سے ٹالنا جائز نہیں رہا۔

ابوسعیدؓ کی روایت سے بھی یہی ظاہر ہے جسے شافعی نے مروی کیا ہے لیکن صحیح بخاری کے باب اَلصَّلٰوۃُ عِنْدَ مُنَا ھَضَۃِ الْحُصُوْنِ الخ' میں ہے کہ اوزاعی فرماتے ہیں' اگر فتح کی تیاری ہو اور نماز باجماعت کا امکان نہ ہو تو ہر ہر شخص الگ الگ اپنی اپنی نماز اشارے سے ادا کرلے۔ یہ بھی نہ ہو سکتا ہو تو نماز میں تاخیر کرلیں یہاں تک کہ جنگ ختم ہو یا امن ہو جائے اس وقت دو رکعتیں پڑھ لیں اور اگر امن نہ ملے تو ایک رکعت ادا کرلیں صرف تکبیر کا کہہ لینا کافی نہیں۔ ایسا ہو تو نماز کو دیر کرکے پڑھیں جبکہ اطمینان نصیب ہو جائے۔ حضرت مکحولؒ کا فرمان بھی یہی ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ستر کے قلعہ کے محاصرے میں میں موجود تھا۔ صبح صادق کے وقت دست بدست جنگ شروع ہوئی اور سخت گھمسان کا رن پڑا۔ ہم لوگ نماز نہ پڑھ سکے اور برابر جہاد میں مشغول رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں قلعہ پر قابض کر دیا' اس وقت ہم نے دن چڑھے نماز پڑھی' اس جنگ میں ہمارے امام حضرت ابوموسیٰؓ تھے حضرت انسؓ فرماتے ہیں' اس نماز کے متبادل ساری دنیا اور اس کی تمام چیزیں بھی مجھے خوش نہیں کر سکتیں۔

امام بخاریؒ اس کے بعد جنگ خندق میں حضورؐ کا نمازوں کو تاخیر کرنا بیان کرتے ہیں۔ پھر بنو قریظہ والا واقعہ اور حضورؐ کا فرمان کہ تم بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھنا وارد کرتے ہیں۔ [1] گویا امام ہمام حضرت امام بخاریؒ اسی سے اتفاق کرتے ہیں کہ ایسی اشد لڑائی اور پورے خطرے اور قرب فتح کے موقع پر اگر نماز موخر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابوموسیٰؓ والا فتح ستر کا واقعہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے کا ہے اور یہ منقول نہیں کہ خلیفۃ المسلمین نے یا کسی اور صحابیؓ نے اس پر اعتراض کیا ہو اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ خندق کے موقع پر بھی صلوٰۃ خوف کی آیتیں موجود تھیں اس لئے کہ یہ آیتیں غزوہ ذات الرقاع میں نازل ہوئی ہیں اور یہ غزوہ غزوہ خندق سے پہلے کا ہے اور اس پر جمہور علماء سیر و مغازی کا اتفاق ہے۔ محمد بن اسحٰق' موسیٰ بن عقبہ واقدی' محمد بن سعد' کاتب واقدی اور خلیفہ بن خیاط وغیرہ رحمھم اللہ عنھم اسی کے قائل ہیں۔

ہاں امام بخاریؒ وغیرہ کا قول ہے کہ غزوہ ذات الرقاع خندق کے بعد ہوا تھا بہ سبب حدیث ابوموسیٰ کے اور یہ خود خیبر میں ہی آئے تھے۔ واللہ اعلم لیکن سب سے زیادہ تعجب تو اس امر پر ہے کہ قاضی ابویوسف مزنی ابراہیم بن اسمعیل بن علیہ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف منسوخ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے غزوہ خندق میں دیر کرکے نماز پڑھنے سے۔ یہ قول بالکل ہی غریب ہے اس لئے کہ غزوہ خندق کے بعد کی صلوٰۃ خوف کی حدیثیں ثابت ہیں۔ اس دن کی نماز کی تاخیر کو مکحول اور اوزاعی کے قول پر ہی محمول کرنا زیادہ قوی اور زیادہ درست ہے یعنی ان کا وہ قول جو بحوالہ بخاری بیان ہوا کہ قرب فتح اور عدم امکان صلوٰۃ خوف کے باوجود تاخیر جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

آیت میں حکم ہوتا ہے کہ جب تو انہیں باجماعت نماز پڑھائے۔ یہ حالت پہلی حالت کے سوا ہے اس وقت یعنی انتہائی خوف کے وقت تو ایک ہی رکعت ہے اور وہ بھی الگ الگ' پیدل' سوار' قبلے کی طرف منہ کرکے یا نہ کرکے جس طرح ممکن ہو جیسے کہ حدیث گذر چکی۔ یہ حال امامت اور جماعت کا بیان ہو رہا ہے۔ جماعت کے واجب ہونے پر یہ آیت بہترین اور مضبوط دلیل ہے کہ جماعت کی وجہ سے بہت کمی کر دی گئی۔ اگر جماعت واجب نہ ہوتی تو صرف ایک رکعت جائز نہ کی جاتی۔ بعض نے اس سے ایک اور استدلال بھی کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ اس میں چونکہ یہ لفظ ہیں کہ جب تو ان میں ہو اور یہ خطاب نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے ہے تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ خوف کا حکم آپؐ کے بعد منسوخ ہے۔ یہ استدلال بالکل ضعیف ہے۔

یہ استدلال تو ایسا ہی ہے جیسا استدلال ان لوگوں کا تھا جو زکوٰۃ کو خلفائے راشدین سے روک بیٹھے تھے اور کہتے تھے کہ قرآن میں ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً الخ یعنی تو ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے جس سے تو انہیں پاک صاف کرے اور تو ان کے لئے رحمت کی دعا کر۔ تیری دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔ تو ہم آپ کے بعد کسی کو زکوٰۃ نہ دیں گے بلکہ ہم آپ اپنے ہاتھ سے خود جسے چاہیں دیں گے اور صرف اسی کو دیں گے جس کی دعا ہمارے لئے سبب سکون بنے۔ لیکن یہ استدلال ان کا بے معنی تھا۔ اسی لئے صحابہؓ نے اسے رد کر دیا اور انہیں مجبور کیا کہ یہ زکوٰۃ ادا کریں بلکہ ان میں سے جن لوگوں نے اسے روک لیا تھا ان سے جنگ کی۔ آیئے ہم آیت کی صفت بیان کرنے سے پہلے اس کا نشان نزول بیان کر دیں۔

ابن جریر میں ہے کہ بنو نجار کی ایک قوم نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ ہم برابر ادھر ادھر آمد و رفت کیا کرتے ہیں' ہم نماز کس طرح پڑھیں؟ تو اللہ عزوجل نے اپنا یہ قول نازل فرمایا وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ پھر سال بھر تک کوئی حکم نہ آیا۔ پھر جبکہ آپ ایک غزوے میں تھے ظہر کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے مشرکین کہنے لگے افسوس کیا ہی اچھا موقعہ ہاتھ سے جاتا رہا۔ کاش کہ ان کی نماز کی حالت میں ہم یکبارگی اچانک حملہ ان پر کر دیتے۔ اس پر بعض مشرکین نے کہا' یہ موقعہ تو تمہیں پھر بھی ملے گا' اس کے تھوڑی دیر بعد ہی یہ دوسری نماز (یعنی نماز عصر) کے لئے کھڑے ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے عصر کی نماز سے پہلے اور ظہر کی نماز کے بعد اِنْ خِفْتُمْ والی پوری دو آیتوں تک نازل فرما دیں اور کافر ناکام رہے' خود اللہ تعالیٰ وقدوس نے صلوٰۃ خوف کی تعلیم دی۔ گو یہ سیاق نہایت ہی غریب ہے لیکن اسے مضبوط کرنے والی اور روایتیں بھی ہیں۔

حضرت ابو عیاش زرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' عسفان میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے' خالد بن ولید اس وقت کفر کی حالت میں تھے اور مشرکین کے لشکر کے سردار تھے۔ یہ لوگ ہمارے سامنے پڑاؤ ڈالے تھے۔ جب ہم نے قبلہ رخ ظہر کی نماز ادا کی تو مشرکوں کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ کہنے لگے' افسوس ہم نے موقعہ ہاتھ سے کھو دیا۔ وقت تھا کہ یہ ادھر نماز میں مشغول تھے' ادھر ہم ان پر دفعتاً دھاوا بول دیتے۔ پھر ان میں کے بعض جاننے والوں نے کہا' خیر کوئی بات نہیں۔ اس کے بعد ان کی ایک اور نماز کا وقت آ رہا ہے اور وہ نماز تو انہیں اپنے بال بچوں سے بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اس وقت سہی۔ پس ظہر' عصر کے درمیان اللہ عزوجل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو نازل فرمایا اور آیت وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ اتاری چنانچہ عصر کی نماز کے وقت ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا' ہم نے ہتھیار سجا لئے اور اپنی دو صفیں کر کے حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ قیام میں' رکوع میں' قومہ میں' سب کے سب ساتھ رہے۔ جب آپ سجدے میں گئے تو دو صفوں میں سے پہلی صف آپؐ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف کھڑی کی کھڑی ان کی نگہبانی کرتی رہی جب سجدوں سے فارغ ہو کر یہ لوگ کھڑے ہو گئے تو اب دوسری صف والے سجدے میں گئے جب یہ دونوں سجدے کر چکے تو اب پہلی صف والے دوسری صف کی جگہ چلے گئے اور دوسری صف والے پہلی صف والوں کی جگہ آ گئے۔ پھر قیام' رکوع اور قومہ سب نے حضور کے ساتھ ہی ساتھ ادا کیا اور جب آپ سجدے میں گئے تو صف اول آپ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف والے کھڑے ہوئے پہرہ دیتے رہے۔ جب یہ سجدوں سے فارغ ہو گئے اور التحیات میں بیٹھے تب دوسری صف کے لوگوں نے سجدے کئے اور التحیات میں سب کے سب ساتھ مل گئے اور سلام بھی حضور کے ساتھ سب نے ایک ساتھ پھیرا۔ صلوٰۃ خوف ایک بار تو آپؐ نے یہاں عسفان میں پڑھی اور دوسری مرتبہ بنو سلیم کی زمین میں۔ یہ حدیث مسند احمد' ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے اور شاہد بھی بکثرت ہیں۔ بخاری میں بھی یہ روایت اختصار کے ساتھ ہے اور اس میں ہے باوجودیکہ سب لوگ نماز میں تھے لیکن ایک دوسرے کی چوکیداری کر رہے تھے۔ ابن جریر میں ہے کہ سلیمان بن قیس یشکری نے

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے پوچھا' نماز کے قصر کرنے کا حکم کب نازل ہوا؟ تو آپ نے فرمایا' قریشیوں کا ایک قافلہ شام سے آ رہا تھا' ہم اس کی طرف چلے۔ وادی نخل میں پہنچے تو ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا' کیا آپ مجھ سے ڈرتے نہیں؟ آپؐ نے فرمایا' نہیں' اس نے کہا' آپ کو مجھ سے اس وقت کون بچا سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' اللہ مجھے تجھ سے بچا لے گا' پھر تلوار کھینچ لی اور ڈرایا دھمکایا' پھر کوچ کی منادی ہوئی اور آپ ہتھیار سجا کر چلے۔ پھر اذان ہوئی اور صحابہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک حصہ آپ کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا اور دوسرا حصہ پہرہ دے رہا تھا۔ جو آپ کے متصل تھے' وہ دو رکعتیں آپ کے ساتھ پڑھ کر پیچھے والوں کی جگہ چلے گئے اور پیچھے والے اب آگے بڑھ آئے اور ان اگلوں کی جگہ کھڑے ہو گئے انہیں بھی حضورؐ نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا۔ پس حضورؐ کی چار رکعتیں ہوئیں اور سب کی دو دو ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے نماز کی کمی کا اور ہتھیار لئے رہنے کا حکم نازل فرمایا۔

مسند احمد میں ہے کہ جو شخص تلوار تانے رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوا تھا' یہ دشمن کے قبیلے میں سے تھا۔ اس کا نام غورث بن حارث تھا۔ جب آپؐ نے اللہ کا نام لیا تو اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی آپ نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس سے کہا اب تو بتا کہ تجھے کون بچائے گا تو وہ معافی مانگنے لگا کہ مجھ پر آپ رحم کیجئے آپؐ نے فرمایا' کیا تو اللہ کے ایک ہونے کی اور میرے رسولؐ ہونے کی شہادت دیتا ہے؟ اس نے کہا یہ تو نہیں۔ ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ آپؐ سے لڑوں گا نہیں اور ان لوگوں کا ساتھ نہ دوں گا جو آپؐ سے برسر پیکار ہوں' آپؐ نے اسے معافی دے دی۔ جب یہ اپنے والوں میں آیا تو کہنے لگا روئے زمین پر حضورؐ سے بہتر کوئی شخص نہیں۔

اور روایت میں ہے کہ یزید فقیر نے حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ سفر میں جو دو رکعتیں ہیں کیا یہ قصر کی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا' یہ پوری نماز ہے' قصر تو بوقت جہاد ایک رکعت ہے' پھر صلوٰۃ خوف کا اسی طرح ذکر کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آپؐ کے سلام کے ساتھ آپ کے پیچھے والوں نے اور ان لوگوں نے سلام پھیرا اور اس میں دونوں حصہ فوج کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھنے کا بیان ہے۔ پس سب کی ایک ایک رکعت ہوئی اور حضورؐ کی دو رکعتیں۔ اور روایت میں ہے کہ ایک جماعت آپؐ کے پیچھے صف بستہ نماز میں تھی اور ایک جماعت دشمن کے مقابل تھی۔ پھر ایک رکعت کے بعد آپؐ کے پیچھے والے اگلوں کی جگہ آ گئے اور یہ پیچھے آ گئے۔ یہ حدیث بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ ایک اور حدیث جو بہ روایت سالم عن ابیہ مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ پھر کھڑے ہو کر صحابہؓ نے ایک ایک رکعت اپنی اپنی ادا کر لی۔ اس حدیث کی بھی بہت سی سندیں اور بہت سے الفاظ ہیں۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ نے ان سب کو جمع کر دیا اور اسی طرح ابن جریر نے بھی' ہم اسے کتاب احکام کبیر میں لکھنا چاہتے ہیں ان شاء اللہ۔ خوف کی نماز میں ہتھیار لئے رہنے کا حکم بعض کے نزدیک تو بطور وجوب کے ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ ہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے اور اسی کی تائید اس آیت کے پچھلے فقرے سے بھی ہوتی ہے کہ بارش یا بیماری کی وجہ سے ہتھیار اتار رکھنے میں تم پر گناہ نہیں' اپنا بچاؤ ساتھ لئے رہو یعنی ایسے تیار رہو کہ وقت آتے ہی بے تکلف و بے تکلیف ہتھیار سے آراستہ ہو جاؤ۔ اللہ نے کافروں کے لئے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى
جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ
كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ

الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۱۰۴ۧ

ع ۱۵ / ۱۲

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اللہ کا ذکر کرتے رہو اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو۔ یقیناً نماز تو مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے ○ ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہارے دل ہو کر بیٹھ نہ رہو۔ اگر تمہیں بے آرامی ہوتی ہے تو انہیں بھی تو تمہاری طرح بے آرامی ہوتی ہے اور تم اللہ سے وہ آرزوئیں رکھتے ہو جو آرزوئیں انہیں نہیں' اللہ تعالیٰ دانا اور حکیم ہے ○

صلوٰۃ خوف کے بعد کثرت ذکر: ☆☆ (آیت: ۱۰۳-۱۰۴) جناب باری عزاسمہ اس آیت میں حکم دیتا ہے کہ نماز خوف کے بعد اللہ کا ذکر بکثرت کیا کرو' گو ذکر اللہ کا حکم اور اس کی ترغیب وتاکید اور نمازوں کے بعد بلکہ ہر وقت ہی ہے لیکن یہاں خصوصیت سے اس لئے بیان فرمایا کہ یہاں بہت بڑی رخصت عنایت فرمائی ہے۔ نماز میں تخفیف کر دی' پھر حالت نماز میں ادھر ادھر ہٹنا' جانا اور آنا مصلحت کے مطابق جائز رکھا' جیسے حرمت مہینوں کے متعلق فرمایا' ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو' گو اور اوقات میں بھی ظلم ممنوع ہے لیکن ان پاک مہینوں میں اس سے بچاؤ کی مزید تاکید کی۔ تو فرمان ہوتا ہے کہ اپنی ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے رہو اور جب اطمینان حاصل ہو جائے ڈر خوف نہ رہے تو باقاعدہ خشوع وخضوع سے ارکان نماز کو پابندی سے مطابق شرعی بجا لاؤ' نماز پڑھنا وقت مقررہ میں منجانب اللہ فرض عین ہے جس طرح حج کا وقت معین ہے اسی طرح نماز کا وقت بھی مقرر ہے۔ ایک وقت کے بعد دوسرا' پھر دوسرے کے بعد تیسرا۔

پھر فرماتا ہے' دشمنوں کی تلاش میں کم ہمتی نہ کرو' چستی اور چالاکی سے گھات کی جگہ بیٹھ کر ان کی خبر لو' اگر قتل وزخم ونقصان تمہیں پہنچتا ہے تو کیا انہیں نہیں پہنچتا؟ اسی مضمون کو ان الفاظ میں بھی ادا کیا گیا ہے اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ الخ پس مصیبت اور تکلیف کے پہنچنے میں تو تم اور وہ برابر ہیں لیکن بہت بڑا فرق یہ ہے کہ تمہیں ذات الٰہی سے وہ امیدیں اور وہ آسرے ہیں جو انہیں نہیں' تمہیں اجر وثواب بھی ملے گا۔ تمہاری نصرت وتائید بھی ہوگی جیسے کہ خود اللہ نے خبر دی ہے اور وعدہ کیا ہے' نہ اس کی خبر جھوٹی نہ اس کا وعدہ ٹلنے والا' پس تمہیں بہ نسبت ان کے بہت تگ ودو چاہیے۔ تمہارے دلوں میں جہاد کا ولولہ ہونا چاہیے۔ تمہیں اس کی رغبت کامل ہونی چاہیئے تمہارے دلوں میں اللہ کے کلمے کو قائم کرنے' مضبوط کرنے' پھیلانے اور بلند کرنے کی تڑپ ہر وقت موجود رہنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ مقرر کرتا ہے' جو فیصلہ کرتا ہے' جو جاری کرتا ہے' جو شرع مقرر کرتا ہے' جو کام کرتا ہے' سب میں پوری خبر کا مالک صحیح اور سچے علم والا اور ساتھ ہی حکمت والا بھی ہے' ہر حال میں ہر وقت سزاوار تعریف وحمد وہی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۱۰۵ۙ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۱۰۶ۚ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِــيْمًا ۱۰۷ۚ

یقیناً ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تو لوگوں میں اس چیز کے ساتھ انصاف کرے جس سے اللہ نے تجھے شناسا کیا ہے' خیانت کرنے

والوں کا حمایتی نہ بن O اللہ سے بخشش مانگتارہ' بیشک اللہ بخشش کرنے والا' مہربانی کرنے والا ہے O اوران کی طرف سے جھگڑا نہ کر جوخود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں' دغاباز گنہگار اللہ کو اچھا نہیں لگتا O

حقیقت چھپ نہیں سکتی: ☆☆ (آیت:۱۰۵-۱۰۷) اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ یہ قرآن کریم جو آپ پر اللہ نے اتارا ہے' وہ سراسر اور ابتداء تا انتہا حق ہے- اس کی خبریں بھی برحق' اس کے فرمان بھی حق- پھر فرماتا ہے تا کہ تم لوگوں کے درمیان وہ انصاف کرو جو اللہ تمہیں سمجھائے- بعض علمائے اصول نے اس سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ کو اجتہاد سے حکم کرنے کا اختیار تھا' اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے دروازے پر جھگڑنے والوں کی آواز سنی تو آپ باہر آئے اور فرمانے لگے' سنو میں ایک انسان ہوں- جو سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں بہت ممکن ہے کہ ایک شخص زیادہ حجت باز اور چرب زبان ہو اور میں اس کی باتوں کو صحیح جان کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں پس جس کے حق میں فیصلہ کر دوں اور فی الواقع وہ حقدار نہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ وہ اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہے- اب اسے اختیار ہے کہ لے لے یا چھوڑ دے- مسند احمد میں ہے کہ دو انصاری ایک ورثے کے بارے میں حضورؐ کے پاس اپنا قضیہ لائے واقعہ کو زمانہ گذر چکا تھا- شاہد گواہ کوئی نہ تھا تو اس وقت آپ نے وہی حدیث بیان فرمائی اور فرمایا کہ وہ اس میرے فیصلے کی بنا پر اپنے بھائی کا حق نہ لے- اگر ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اپنی گردن میں جہنم کی آگ لٹکا کر آئے گا- اب تو وہ دونوں بزرگ رونے لگے اور ہر ایک کہنے لگا' میں اپنا حق بھی اپنے بھائی کو دے رہا ہوں' حضورؐ نے فرمایا' اب تم جاؤ اپنے طور پر جہاں تک تم سے ہو سکے' ٹھیک ٹھیک حصے تقسیم کرو- پھر قرعہ ڈال کر حصہ لے لو اور ہر ایک دوسرے کو اپنا رہا سہا غلطی کا حق معاف کر دو- ابوداؤد میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں تمہارے درمیان اپنی سمجھ سے ان امور میں فیصلہ کرتا ہوں جن میں کوئی وحی مجھ پر نازل شدہ نہیں ہوتی-

ابن مردویہ میں ہے کہ انصار کا ایک گروہ ایک جہاد میں حضورؐ کے ساتھ تھا- وہاں ایک شخص کی ایک چادر کسی نے چرا لی اور اس چوری کا گمان طعمہ بن ابیرق کی طرف تھا- حضورؐ کی خدمت میں یہ قصہ پیش ہوا- چور نے اس چادر کو ایک شخص کے گھر میں اس کی بےخبری میں ڈال دیا اور اپنے کنبہ قبیلے والوں سے کہا' میں نے چادر فلاں کے گھر میں ڈال دی ہے- تم رات کو حضورؐ کے پاس جاؤ اور آپ سے ذکر کرو کہ ہمارا ساتھی تو چور نہیں- چور فلاں ہے اور ہم نے پتہ لگا لیا ہے کہ چادر بھی اس کے گھر میں موجود ہے- پس آپؐ ہمارے ساتھی کی تمام لوگوں کے روبرو بریت کر دیجئے اور اس کی حمایت کیجئے ورنہ ڈر ہے کہ کہیں وہ ہلاک نہ ہو جائے' آپؐ نے ایسا ہی کیا' اس پر یہ آیتیں اتریں اور جو لوگ اپنے جھوٹ کو پوشیدہ کر کے حضورؐ کے پاس آئے تھے' ان کے بارے میں یَسْتَخْفُوْنَ سے دو آیتیں نازل ہوئیں-

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا' جو برائی اور بدی کا کام کرے' اس سے مراد بھی یہی لوگ ہیں اور چور کے اور اس کے حمایتیوں کے بارے میں فرمان اترا کہ جو گناہ اور خطا کرے اور ناکردہ گناہ کے ذمہ الزام لگائے' وہ بہتان باز اور کھلا گنہگار ہے لیکن یہ سیاق غریب ہے- بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ یہ آیت بنو ابیرق کے چور کے بارے میں نازل ہوئی ہے-

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ
وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ
اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝١٠٨ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ

فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾

لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں (لیکن) اللہ سے نہیں چھپ سکتے' وہ راتوں کے وقت جبکہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں' اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے' ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے ○ خبردار تم ہو وہ لوگ کہ دنیا میں تم ان کی حمایت کرتے ہو لیکن اللہ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا؟ وہ کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟ ○

(آیت: ۱۰۸-۱۰۹) یہ قصہ مطول ترمذی کتاب التفسیر میں بزبانی حضرت قتادہؓ اس طرح مروی ہے کہ ہمارے گھرانے کے بنو ابیرق قبیلے کا ایک گھر تھا جس میں بشر' بشیر' اور مبشر تھے۔ بشیر ایک منافق شخص تھا۔ اشعار کو کسی اور کی طرف منسوب کر کے خوب مزے لے کر پڑھا کرتا تھا۔ اصحاب رسولؐ جانتے تھے کہ یہی خبیث ان شعروں کا بنانے والا ہے۔ یہ لوگ جاہلیت کے زمانے سے ہی فاقہ مست چلے آتے تھے۔ مدینے کے لوگوں کا اکثر کھانا جو اور کھجوریں تھیں' ہاں تونگر لوگ شام کے آئے ہوئے قافلے والوں سے میدہ خرید لیتے جسے وہ خود اپنے لئے مخصوص کر لیتے' باقی گھر والے عموما جو اور کھجوریں ہی کھاتے' میرے چچا رفاعہ یزید نے بھی شام کے آئے ہوئے قافلے سے ایک بورا میدہ کا خریدا اور اپنے بالا خانے میں اسے محفوظ کر دیا جہاں ہتھیار' زرہیں' تلواریں وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھیں۔ رات کو چوروں نے نیچے سے نقب لگا کر اناج بھی نکال لیا اور ہتھیار بھی چرا لے گئے' صبح میرے چچا میرے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا' اب ہم تجسس کرنے لگے تو پتہ چلا کہ آج رات کو بنو ابیرق کے گھر میں آگ جل رہی تھی اور کچھ کھا پکا رہے تھے غالبا وہ تمہارے ہاں سے چوری کر گئے ہیں' اس سے پہلے جب اپنے گھرانے والوں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے تو اس قبیلے کے لوگوں نے ہم سے کہا تھا کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے' ہم جانتے تھے کہ لبید کا یہ کام نہیں۔ وہ ایک دیانتدار سچا مسلمان شخص تھا' حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ خبر ملی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ تلوار تانے بنو ابیرق کے پاس آئے اور کہنے لگے' یا تو تم میری چوری ثابت کر دو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ ان لوگوں نے ان کی برأت کی اور معافی چاہ لی۔ وہ چلے گئے' ہم سب کے سب پوری تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ چوری بنو ابیرق نے کی ہے' میرے چچا نے مجھے کہا کہ تم جا کر رسول اللہ ﷺ کو خبر تو کرو' میں نے جا کر حضورؐ سے سارا واقعہ کہا اور یہ بھی کہا کہ آپ ہمیں ہمارے ہتھیار دلوا دیجئے۔ غلہ کی واپسی کی ضرورت نہیں' حضورؐ نے مجھے اطمینان دلایا کہ اچھا میں اس کی تحقیق کروں گا' یہ خبر جب بنو ابیرق کو ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک آدمی آپؐ کے پاس بھیجا جن کا نام اسید بن عروہؓ تھا۔ انہوں نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ یہ تو ظلم ہو رہا ہے' بنو ابیرق تو صلاحیت اور اسلام والے لوگ ہیں۔ انہیں قتادہ بن نعمان اور ان کے چچا چور کہتے ہیں اور بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے چوری کا بدنما الزام ان پر رکھتے ہیں وغیرہ' پھر جب میں خدمت نبویؐ میں پہنچا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا' یہ تو تم بہت برا کرتے ہو کہ دیندار اور بھلے لوگوں کے ذمے چوری چپکاتے ہو اور تمہارے پاس کوئی ثبوت اس امر کا نہیں۔ میں چپ چاپ واپس چلا آیا اور دل میں سخت پشیمان اور پریشان تھا۔ خیال آتا تھا کہ کاش کہ میں اس مال سے چپ چاپ دست بردار ہو جاتا اور آپؐ سے اس کا ذکر ہی نہ کرتا تو اچھا تھا۔ اتنے میں میرے چچا آئے اور مجھ سے پوچھا کہو تم نے کیا کیا؟ میں نے سارا واقعہ ان سے بیان کیا جسے سن کر انہوں نے کہا اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ اللہ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں' ان کا جانا تھا جو حضورؐ پر وحی میں یہ آیتیں اتریں۔ پس خائنین سے مراد بنو ابیرق ہیں' آپؐ کو استغفار کا حکم ہوا۔ یہی آپؐ نے حضرت قتادہؓ کو فرمایا تھا۔ پھر ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ اگر یہ لوگ استغفار کریں تو اللہ انہیں بخش دے گا۔

پھر فرمایا ناکردہ گناہ کے ذمہ اپنا گناہ تھوپنا بدترین جرم ہے' اَجْرًا عَظِيمًا تک۔ یعنی انہوں نے جو حضرت لبیدؓ کی نسبت کہا کہ چور یہ ہیں' جب یہ آیتیں اتریں تو حضورؐ نے بنوابریق سے ہمارے ہتھیار دلوائے۔ میں انہیں لے کر اپنے چچا کے پاس آیا یہ بیچارے بوڑھے تھے۔ آنکھوں سے بھی کم نظر آتا تھا۔ مجھ سے فرمانے لگے' بیٹا جاؤ یہ سب ہتھیار اللہ کے نام خیرات کر دو' میں آج تک اپنے چچا کی نسبت قدرے بدگمان تھا کہ یہ دل سے اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے لیکن اس واقعہ نے بدگمانی میرے دل سے دور کر دی اور میں ان کے سچے اسلام کا قائل ہو گیا۔ بشیر یہ سن کر مشرکین میں جاملا اور سلافہ بنت سعد بن سمیہ کے ہاں جا کر اپنا قیام کیا۔ اس کے بارے میں اس کے بعد کی آیتیں وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ سے بَعِيدًا تک نازل ہوئیں اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے اس فعل کی مذمت اور اس کی ہجو اپنے شعروں میں کی' ان اشعار کو سن کر اس عورت کو بڑی غیرت آئی اور بشیر کا سب اسباب اپنے سر پر رکھ کر ابطح میدان میں پھینک آئی اور کہا' تو کوئی بھلائی لے کر میرے پاس نہیں آیا بلکہ حسان کی ہجو کے اشعار لے کر آیا ہے۔ میں تجھے اپنے ہاں نہیں ٹھہرانے کی' یہ روایت بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مطول اور مختصر مروی ہے۔ ان منافقوں کی کم عقلی کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ جو اپنی سیاہ کاریوں کو لوگوں سے چھپاتے پھرتے ہیں' بھلا ان سے کیا نتیجہ؟ اللہ تعالیٰ سے تو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے' پھر انہیں خبردار کیا جا رہا ہے کہ تمہارے پوشیدہ راز بھی اللہ سے چھپ نہیں سکتے۔

پھر فرماتا ہے' مانا کہ دنیوی حاکموں کے ہاں' جو ظاہر داری پر فیصلے کرتے ہیں' تم نے غلبہ حاصل کر لیا لیکن قیامت کے دن اللہ کے سامنے جو ظاہر و باطن کا عالم ہے' تم کیا کر سکو گے؟ وہاں کسے وکیل بنا کر پیش کرو گے جو تمہارے جھوٹے دعوے کی تائید کرے مطلب یہ ہے کہ اس دن تمہاری کچھ نہیں چلنے کی۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۤءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗــــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع ۸/۱۴

جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے' پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا' مہربانی کرنے والا پائے گا ○ جو گناہ کرتا ہے' اس کا بوجھ اسی پر ہے' اللہ بخوبی جاننے والا اور پوری حکمت والا ہے ○ جو شخص کوئی خطا یا گناہ کر کے کسی ناکردہ گناہ کے ذمہ تھوپ دے' اس نے بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ کیا ○

سچی توبہ کبھی مسترد نہیں ہوتی: ☆☆ (آیت: ۱۱۰-۱۱۲) اللہ تعالیٰ اپنا کرم اور اپنی مہربانی کو بیان فرماتا ہے کہ جس گناہ سے جو کوئی توبہ کرے' اللہ اس کی طرف مہربانی سے رجوع کرتا ہے۔ ہر وہ شخص جو رب کی طرف جھکے' رب اپنی مہربانی سے اور اپنی وسعت رحمت سے اسے ڈھانپ لیتا ہے اور اس کے صغیرہ کبیرہ گناہ کو بخش دیتا ہے' چاہے وہ گناہ آسمان و زمین اور پہاڑوں سے بھی بڑے ہوں۔ بنو اسرائیل میں جب کوئی گناہ کرتا تو اس کے دروازے پر قدرتی حروف میں کفارہ لکھا ہوا نظر آ جاتا جو اسے ادا کرنا پڑتا اور انہیں یہ بھی حکم تھا کہ ان کے کپڑے پر اگر پیشاب لگ جائے تو اتنا کپڑا کتروا ڈالیں۔ اللہ نے اس امت پر آسانی کر دی۔ پانی سے دھو لینا ہی کپڑے کی

پاکی رکھی اور توبہ کر لینا ہی گناہ کی معافی رکھی۔

ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ عورت نے بدکاری کی پھر جب بچہ ہوا تو اسے مار ڈالا آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے۔ وہ روتی ہوئی واپس چلی تو آپؓ نے اسے بلایا اور آیت وَمَنْ یَّعْمَلْ الخ' پڑھ کر سنائی تو اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور واپس لوٹ گئی' حضورؐ فرماتے ہیں جس مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے' پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ سے استغفار کرے تو اللہ اس کے اس گناہ کو بخش دیتا ہے پھر آپؐ نے یہ آیت اور آیت وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً الخ' کی تلاوت کی۔ اس حدیث کا پورا بیان ہم نے مسند ابوبکرؓ میں کر دیا ہے اور کچھ بیان سورہ آل عمران کی تفسیر میں بھی گذرا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ مجلس میں سے اٹھ کر اپنے کسی کام کے لئے کبھی جاتے اور واپس تشریف لانے کا ارادہ بھی ہوتا تو جوتی یا کپڑا کچھ نہ کچھ چھوڑ جاتے' ایک مرتبہ آپؐ اپنی جوتی چھوڑے ہوئے اٹھے۔ ڈولچی پانی کی ساتھ لے کر چلے۔ میں بھی آپؐ کے پیچھے ہولیا۔ آپ کچھ دور جا کر بغیر حاجت پوری کئے واپس آئے اور فرمانے لگے میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور مجھے یہ پیغام دے گیا' پھر آپ نے آیت وَمَنْ یَّعْمَلْ الخ' پڑھی اور فرمایا میں اپنے صحابہ کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے راستے میں سے ہی لوٹ آیا ہوں۔

اس سے پہلے چونکہ آیت مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَبِہٖ الخ' [2] یعنی ہر برائی کرنے والے کو اس کی برائی کا بدلہ ملے گا اتر چکی تھی اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہ پریشان تھے' میں نے کہا رسول اللہ گو کسی نے زنا کیا ہو؟ چوری کی ہو؟ پھر وہ استغفار کرے تو اسے بھی اللہ بخش دے گا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں' میں نے دوبارہ پوچھا آپ نے کہا ہاں' میں نے سہ بارہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا ہاں گو ابو درداء کی ناک خاک آلود ہو۔ پس حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان کرتے اپنی ناک پر مار کر بتلاتے۔ اس کی اسناد ضعیف ہے اور یہ حدیث غریب ہے۔

پھر فرمایا' گناہ کرنے والا اپنا ہی برا کرتا ہے' جیسے اور جگہ ہے کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ایک دوسرے کو نفع نہ پہنچا سکے گا۔ ہر شخص اپنے کرتوت کا ذمہ دار ہے۔ کوئی نہ ہوگا جو بوجھ بٹائے' اللہ کا علم' اللہ کی حکمت اللہ کا عدل رحمت کے خلاف ہے کہ ایک گناہ پر دوسرا پکڑا جائے۔ پھر فرماتا ہے جو خود برا کام کر کے کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے جیسے بنو ابیرق نے لبید کا نام لے دیا جو واقعہ تفصیل وار اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے یا مراد زید بن سمین یہودی ہے جیسے بعض اور مفسرین کا خیال ہے کہ اس چوری کی تہمت اس قبیلے نے اس بے گناہ شخص کے ذمہ لگائی تھی اور خود ہی خائن اور ظالم تھے' آیت گو شان نزول کے اعتبار سے خاص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے' جو بھی ایسا کرے وہ اللہ کی سزا کا مستحق ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ وَرَحْمَتُہٗ لَھَمَّتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ
اَنْ یُّضِلُّوْکَ ۭ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَضُرُّوْنَکَ مِنْ
شَیْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ
مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ۭ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ﴿۱۱۳﴾

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تجھ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک جماعت نے تجھے بہکانے کا قصد کر لیا تھا دراصل یہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اللہ

تعالیٰ نے تجھ پر کتاب وحکمت اتاری ہے اور تجھے وہ وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے ○

(آیت:۱۱۳) اس کے بعد کی آیت وَلَوْ لَا الخ، کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے یعنی لبید بن عروہ اور ان کے ساتھیوں نے بنو ابیرق کے چوروں کی حضورؐ کے سامنے برات اور ان کی پاکدامنی کا اظہار کر کے حضورؐ کو اصلیت سے دور رکھنے کا سارا کام پورا کر لیا تھا لیکن اللہ نے جو آپ کی عصمت کا حقیقی نگہبان ہے آپ کو اس خطرناک موقعہ پر خائنوں کی طرف داری سے بچا لیا اور اصلی واقعہ صاف کر دیا۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکم سے مراد سنت ہے۔ نزول وحی سے پہلے آپ جو نہ جانتے تھے ان کا علم پروردگار نے آپ کو بذریعہ وحی کر دیا جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا سے پوری سورت تک۔ اور آیت میں ہے وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ الخ، اسی لئے یہاں بھی فرمایا یہ سب باتیں اللہ کا فضل ہیں جو آپ کے شامل حال ہے۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ
مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ
مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ
الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ
الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۷

ان کے اکثر مصلحتی مشورے بے خیر ہیں۔ ہاں بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادہ سے یہ کام کرے اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے ○ جو شخص باوجود راہ ہدایت کی وضاحت ہو جانے کے بھی رسول کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا ہے اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے وہ بہت بری جگہ ہے پہنچنے کی ○

اچھے کاموں کی دعوت اور برے کاموں سے روکنے کے علاوہ تمام باتیں قابل مواخذہ ہیں! ☆☆ (آیت:۱۱۴-۱۱۵) لوگوں کے اکثر کلام بے معنی ہوتے ہیں سوائے ان کے جن کی باتیں خیرات کرنے کی اچھائی کی اور لوگوں میں میل ملاپ کی ہوں حضرت سفیان ثوریؒ کی عیادت کے لئے لوگ جاتے ہیں۔ ان میں سعید بن حسانؒ بھی ہوتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں سعیدؒ تم نے ام صالحؒ کی روایت سے جو حدیث بیان کی تھی آج اسے پھر سناؤ آپ سند بیان کر کے فرماتے ہیں حضورؐ نے فرمایا انسان کی تمام باتیں قابل مواخذہ ہیں بجز ذکر اللہ کے اور اچھے کاموں کے بتلانے کے اور برے کاموں سے روکنے کے حضرت سفیان نے کہا یہی مضمون اس آیت میں ہے یہی مضمون آیت يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ الخ، میں ہے۔ یہی مضمون سورۂ والعصر میں ہے۔ مسند احمد میں فرمان رسولؐ ہے کہ لوگوں میں میل ملاپ اور اصلاح کرنے کے لئے جو بھی بات کہے یا ادھر سے ادھر کہے یا قسم وہ جھوٹوں میں داخل نہیں۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ فرماتی ہیں میں نے آپ کو ایسی باتوں کی تین موقعوں پر اجازت دیتے ہوئے سنا ہے جہاد کی ترغیب میں لوگوں کے درمیان صلح کرانے اور میاں بیوی کو ملانے کی صورت میں یہ مائی صاحبہ ہجرت کرنے والیوں اور بیعت کرنے والیوں میں سے ہیں۔

اور حدیث میں ہے کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں جو روزہ نماز اور صدقہ سے بھی افضل ہے لوگوں نے خواہش کی تو آپؐ نے

فرمایا' وہ آپس میں اصلاح کرانا ہے' فرماتے ہیں' اور آپس کا فساد نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے (ابوداؤد وغیرہ) بزار میں ہے' حضورؐ نے حضرت ابو ایوبؓ سے فرمایا آ میں تجھے ایک تجارت بتاؤں' لوگ جب لڑ جھگڑ رہے ہوں تو ان میں مصالحت کرا دے' جب ایک دوسرے سے رنجیدہ ہوں تو انہیں ملا دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی بھلی باتیں رب کی رضامندی کے لئے خلوص اور نیک نیتی سے جو کرے' وہ اجر عظیم پائے گا۔

جو شخص غیر شرعی طریق پر چلے' شرع ایک طرف ہو اور اس کی راہ ایک طرف ہو' فرمان رسولؐ کچھ ہو اور اس کا منتہائے نظر اور ہو۔ حالانکہ اس پر حق کھل چکا ہو' دلیل دیکھ لی ہو' پھر بھی مخالفت رسولؐ کر کے مسلمانوں کی صاف روش سے ہٹ جائے تو ہم بھی اسی ٹیڑھی اور بری راہ پر ہی اسے لگا دیتے ہیں۔ اسے وہی غلط راہ اچھی اور بھلی معلوم ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ بیچوں بیچ جہنم میں جا پہنچتا ہے۔ مومنوں کی راہ کے علاوہ راہ اختیار کرنا دراصل رسول سے مخالفت کرنا ہی ہے لیکن کبھی تو شارع علیہ السلام کی صاف بات کا خلاف ہوتا ہے' کبھی اس چیز کا خلاف ہوتا ہے جس پر ساری امت محمدیہ متفق ہے' جس میں انہیں اللہ نے بوجہ ان کی شرافت و کرامت کے محفوظ کر رکھا ہے۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں بھی ہیں اور ہم نے بھی احادیث اصول میں ان کا بڑا حصہ بیان کر دیا ہے' بعض علماء تو اس کے تواتر معنی کے قائل ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے غور و فکر کے بعد اس آیت سے اتفاق امت کی دلیل ہونے پر استدلال کیا ہے۔ حقیقتاً یہی اس بارے میں بہترین اور قوی تر ہے۔ بعض دیگر ائمہ نے اس دلالت کو مشکل اور دور از آیت بھی بتلایا ہے۔ غرض ایسا کرنے والے کی رسی اللہ میاں بھی ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے سَنَسْتَدْرِجُهُمْ اور فَلَمَّا زَاغُوْٓا اور نذرھم یعنی ہم ان کی بے خبری میں آہستہ آہستہ مہلت بڑھاتے رہتے ہیں' ان کے بہکتے ہی ہم بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں' ہم انہیں ان کی سرکشی میں حیران چھوڑ دیتے ہیں' بالآخر ان کی جائے بازگشت جہنم میں بن جاتی ہے' جیسے فرمان ہے' ظالموں کو مع ان کے ساتھیوں کے قبروں سے اٹھائیں گے' اور جیسے فرمایا ظالم آگ کو دیکھ کر جان لے گا کہ اس میں کودنا پڑے گا لیکن کوئی صورت چھٹکارے کی نہ پائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾

اسے تو اللہ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے۔ ہاں شرک کے سوا کے گناہ جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا O یہ تو اللہ کو چھوڑ صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں O جسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے بیڑا اٹھایا ہے کہ تیرے بندوں میں سے ازل میں مقرر شدہ حصہ میں لے کر رہوں گا O

مشرک کی پہچان اور ان کا انجام: ☆☆ (آیت:۱۱۶-۱۱۸) اس سورت کے شروع میں پہلی آیت کے متعلق ہم پوری تفسیر کر چکے ہیں اور وہیں اس آیت سے تعلق رکھنے والی حدیثیں بھی بیان کر دی ہیں' حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے' قرآن کی کوئی آیت مجھے اس آیت سے زیادہ محبوب نہیں (ترمذی) مشرکین سے دنیا اور آخرت کی بھلائی دور ہو جاتی ہے اور وہ راہ حق سے دور جا پڑتے ہیں وہ اپنے نفس کو اور اپنے دونوں جہان کو برباد کر لیتے ہیں۔ یہ مشرکین عورتوں کے پرستار ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ہر صنم کے ساتھ ایک جنیہ

عورت ہے' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اِنٰثًا سے مراد بت ہیں- یہ قول اور بھی مفسرین کا ہے- ضحاکؒ کا قول ہے کہ مشرک فرشتوں کو پوجتے تھے اور انہیں اللہ کی لڑکیاں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی عبادت سے ہماری اصل غرض اللہ کی نزدیکی حاصل کرنا ہے اور ان کی تصویریں عورتوں کی شکل کی قائم کرتے تھے- پھر حکم کرتے تھے اور تقلید کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ صورتیں فرشتوں کی ہیں جو اللہ کی لڑکیاں ہیں-

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

اور انہیں راہ سے بہکاتا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا اور انہیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں اور ان سے کہوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں- سنو جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا ○ وہ ان سے زبانی وعدے کرتا رہے گا اور سبز باغ دکھاتا رہے گا' شیطان کے جو وعدے ان سے ہیں' وہ سراسر فریب کاریاں ہیں ○ یہ لوگ ہیں جن کی جگہ جہنم ہے جہاں سے انہیں نہ بھاگنا ملے گا نہ چھٹکارا ○ اور جو ایمان لائیں اور بھلے کام کریں' ہم انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں یہ ابدالآباد رہیں گے- یہ ہے اللہ کا وعدہ جو سراسر سچا ہے- کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟ ○

یہ تفسیر آیت اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ الخ' کے مضمون سے خوب ملتی ہے جہاں ان کے بتوں کے نام لے کر اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ خوب انصاف ہے کہ لڑکے تو تمہارے اور لڑکیاں میری؟ اور آیت میں ہے وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا الخ'[3] ان لوگوں نے اللہ اور جنات میں نسب نکالے ہیں- ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد مردے ہیں- حسنؒ فرماتے ہیں' ہر بے روح چیز اناث ہے خواہ خشک لکڑی ہو خواہ پتھر ہو لیکن یہ قول غریب ہے-

پھر ارشاد ہے کہ دراصل یہ شیطان کے پجاری ہیں کیونکہ وہی انہیں یہ راہ سجھاتا ہے اور یہ دراصل اسی کی مانتے ہیں' جیسے فرمان ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ الخ' اے بنی آدم کیا میں نے تم سے شیطان کی عبادت نہ کرنے کا وعدہ نہیں لیا تھا؟ اسی وجہ سے فرشتے قیامت کے روز صاف کہہ دیں گے کہ ہماری عبادت کے دعویدار دراصل شیطانی پوجا کے پھندے میں تھے' شیطان کو رب نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور اپنی بارگاہ سے نکال باہر کر دیا ہے' اس نے بھی بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ اللہ کے بندوں کو معقول تعداد میں بہکائے گا' قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے کو جہنم میں اپنے ساتھ لے جائے گا- ایک بچ رہے گا جو جنت کا مستحق ہوگا' شیطان نے کہا ہے کہ میں انہیں حق سے

بہکاؤں گا اور انہیں امید دلاتا رہوں گا کہ یہ توبہ ترک کر بیٹھیں گے' خواہشوں کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ موت کو بھول بیٹھیں گے' نفس پروری اور آخرت سے غافل پڑ جائیں گے۔ جانوروں کے کان کاٹ کر یا سوراخ دار کر کے اللہ کے سوا دوسروں کے نام کرنے کی انہیں تلقین کروں گا اللہ کی بنائی صورتوں کو بگاڑنا سکھاؤں گا جیسے جانوروں کو خصی کرنا۔

ایک حدیث میں اس سے بھی ممانعت آئی ہے (شاید مراد اس سے نسل منقطع کرنے کی غرض سے ایسا کرنا ہے) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ چہرے پر گودنا گدوانا' جو صحیح مسلم کی حدیث میں ممنوع ہے اور جس کے کرنے والے پر اللہ کی لعنت وارد ہوئی ہے' ابن مسعود سے صحیح سند سے مروی ہے کہ گودنے والیوں اور گدوانے والیوں' پیشانی کے بال نوچنے والیوں اور نچوانے والیوں اور دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں پر جو حسن وخوبصورتی کے لئے اللہ کی بناوٹ کو بگاڑتی ہیں' اللہ کی لعنت ہے' میں ان پر لعنت کیوں نہ کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور جو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ پھر آپ نے آیت وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ پڑھی' بعض اور مفسرین کرام ؒ سے مروی ہے کہ مراد اللہ کے دین کو بدل دینا ہے جیسے اور آیت میں ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ یعنی اپنا چہرہ قائم رکھ کر اللہ کے یکطرفہ دین کا رخ اختیار کرنا' یہ اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر تمام انسانوں کو اس نے پیدا کیا ہے۔ اللہ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں' اس سے پچھلے (آخری) جملے کو جب گرامر کے معنی میں لیا جائے تو یہ تفسیر ٹھیک ہو جاتی ہے یعنی فطرت اللہ کو نہ بدلو لوگوں کو میں نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے' اسی پر رہنے دو۔

صحیحین میں ہے' ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ پھر اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ بے عیب ہوتا ہے لیکن پھر لوگ اس کے کان وغیرہ کاٹ دیتے ہیں اور اسے عیب دار کر دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے' اللہ عزوجل فرماتا ہے' میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے دین پر پیدا کیا لیکن شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا۔ پھر میں نے اپنے حلال کو ان پر حرام کر دیا۔ شیطان کو دوست بنانے والا اپنا نقصان کرنے والا ہے' جس نقصان کی کبھی تلافی نہ ہو سکے۔ کیونکہ شیطان انہیں سبز باغ دکھاتا رہتا ہے۔ فلاح و بہبود ان کی غلط راہ میں انہیں سمجھاتا ہے اور دراصل وہ بڑا فریب اور صاف دھوکا ہوتا ہے' چنانچہ شیطان قیامت کے دن صاف کہے گا اللہ کے وعدے سچے تھے اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی۔ میرا کوئی زور تم پر تھا ہی نہیں۔ میری پکار کو سنتے ہی کیوں تم مست و بے عقل بن گئے؟ اب مجھے کیوں کوستے ہو؟ اپنے تئیں برا کہو۔ شیطانی وعدوں کو صحیح جاننے والے اس کی دلائی ہوئی امیدوں کو پوری ہونے والی سمجھنے والے آخرش جہنم واصل ہوں گے جہاں سے چھٹکارا محال ہے۔

ان بدبختوں کے ذکر کے بعد اب نیک لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جو دل سے میرے ماننے والے ہیں اور جسم سے میری تابعداری کرنے والے ہیں' میرے احکام پر عمل کرتے ہیں' میری منع کردہ چیزوں سے باز رہتے ہیں' میں انہیں اپنی نعمتیں دوں گا' انہیں جنتوں میں لے جاؤں گا جن کی نہریں جہاں یہ چاہیں خود بخود بہنے لگیں جس میں زوال' کمی یا نقصان بھی نہیں ہے' اللہ کا یہ وعدہ اٹل اور بالکل سچا ہے اور یقیناً ہونے والا ہے اللہ سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہو گی؟ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں نہ بجز اس کے کوئی مربی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے' سب سے زیادہ سچی بات اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہتر ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور تمام کاموں میں سب سے برا کام دین میں نئی نکلی ہوئی بات ہے اور ہر ایسی نئی بات کا نام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۸ ۱۱ ۱۵

حقیقت حال نہ تو تمہاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر موقوف ہے۔ جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حمایت و مدد اللہ کے پاس کر سکے ○ جو ایماندار ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا ○ بہ اعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے جو اپنا منہ اللہ کے احکام پر دھر دے اور ہو بھی نیک کار ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیمؑ کے دین کی پیروی کر رہا ہو ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنا لیا ہے ○ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہر چیز کو گھیرے رکھنے والا ہے ○

مصائب گناہوں کا کفارہ: ☆☆ (آیت:۱۲۳-۱۲۶) حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں میں چرچا ہونے لگا' اہل کتاب تو یہ کہہ کر اپنی فضیلت جتا رہے تھے کہ ہمارے نبیؑ تمہارے نبیؑ سے پہلے کے ہیں اور ہماری کتاب بھی تمہاری کتاب سے پہلے کی ہے اور مسلمان کہہ رہے تھے کہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اور ہماری کتاب تمام اگلی کتابوں کے فیصلے کرنے والی ہے' اس پر یہ آیتیں اتریں اور مسلمانوں کی اور دین والوں پر فضیلت بیان ہوئی۔ مجاہدؒ سے مروی ہے کہ عرب نے کہا نہ تو ہم مرنے کے بعد جئیں گے نہ ہمیں عذاب ہوگا۔ یہودیوں نے کہا صرف ہم ہی جنتی ہیں' یہی قول نصرانیوں کا بھی تھا اور کہتے تھے آگ ہمیں صرف چند دن ستائے گی۔ آیت کا مضمون یہ ہے کہ صرف اظہار کرنے اور دعویٰ کرنے سے صداقت وحقانیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ایماندار وہ ہے جس کا دل صاف ہو اور عمل شاہد ہوں اور اللہ تعالیٰ کی دلیل اس کے ہاتھوں میں ہو۔ نہ تمہاری خواہشیں اور نرے دعوے کوئی وقعت رکھیں نہ اہل کتاب کی تمنائیں اور بلند باتیں نجات کا مدار ہیں بلکہ وقار و نجات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی فرمانبرداری اور رسولوں کی تابعداری میں ہے' برائی کرنے والے کسی نسبت کی وجہ سے ناممکن ہے کہ اس برائی کے خمیازے سے چھوٹ جائیں بلکہ رتی رتی بھلائی اور برائی قیامت کے دن اپنی آنکھوں اپنے سامنے دیکھ لیں گے۔ یہ آیت صحابہؓ پر بہت گراں گذری تھی اور حضرت صدیقؓ نے کہا تھا کہ حضورؐ اب نجات کیسے ہوگی؟ جبکہ ایک ایک عمل کا بدلہ ضروری ہے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔ ابوبکر یہ سزا وہی ہے جو کبھی تیری بیماری کی صورت میں ہوتی ہے' کبھی تکلیف کی صورت میں' کبھی صدمے اور غم ورنج کی صورت میں اور کبھی بلا و مصیبت کی شکل میں (مسند احمد) اور روایت میں ہے' حضورؐ نے فرمایا' ہر برائی کرنے والا دنیا

میں بدلہ پالے گا۔ ابن مردویہ میں ہے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام' سے فرمایا دیکھو' جس جگہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سولی دی گئی ہے' وہاں تم نہ چلنا' غلام بھول گیا اور حضرت عبداللہؓ کی نظر ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر پڑی تو فرمانے لگے واللہ جہاں تک میری معلومات ہیں' میری گواہی ہے کہ تو روزے دار اور نمازی اور رشتے ناتے جوڑنے والا تھا۔ مجھے اللہ سے امید ہے کہ جو لغزشیں تجھ سے ہوگئیں' ان کا بدلہ دنیا میں ہی ہو گیا۔ اب تجھے اللہ کوئی عذاب نہ کرے گا۔ پھر حضرت مجاہدؒ کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے' میں نے حضرت ابوبکرؓ سے سنا ہے' وہ فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا' جو شخص برائی کرتا ہے' اس کا بدلہ دنیا میں ہی پا لیتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت ابن زبیر کو سولی پر دیکھ کر فرمایا' اے ابو حبیب اللہ تجھ پر رحم کرے' میں نے تیرے والد کی زبانی یہ حدیث سنی ہے' ابن مردویہ میں ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں یہ آیت اتری۔ جب حضورؐ نے اسے پڑھ کر سنایا تو حضرت صدیقؓ غم ناک ہو گئے۔ انہیں یہ معلوم ہونے لگا کہ گویا ہر ہر عمل کا بدلہ ہی ملنا جب ٹھہرا تو نجات مشکل ہو جائے گی۔ آپؐ نے فرمایا' سنو صدیق تم اور تمہارے ساتھی یعنی مومن تو دنیا میں ہی بدلہ دے دیئے جاؤ گے اور ان مصیبتوں کے باعث تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ قیامت کے دن پاک صاف اٹھو گے۔ ہاں اور لوگوں کی برائیاں جمع ہوتی جاتی ہیں اور قیامت کے دن انہیں سزا دی جائے گی۔ یہ حدیث ترمذی نے بھی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی مولی بن سباع مجہول ہے۔ اور بھی بہت سے طریق سے اس روایت کا ماحصل مروی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے' حضرت عائشہؓ نے کہا' یا رسول اللہؐ یہ آیت سب سے زیادہ ہم پر بھاری پڑتی ہے تو آپؐ نے فرمایا' مومن کا یہ بدلہ وہی ہے جو مختلف قسم کی پریشانیوں اور تکلیفوں کی صورت میں اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' یہاں تک کہ مومن اپنی نقدی جیب میں رکھ لے' پھر ضرورت کے وقت تلاش کرے' تھوڑی دیر نہ ملے' پھر جیب میں ہاتھ ڈالنے سے نکل آئے تو اتنی دیر میں جو اسے صدمہ ہوا اس سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ بھی اس کی برائیوں کا بدلہ ہو جاتا ہے۔ یونہی مصائب دنیا اسے کندن بنا دیتے ہیں کہ قیامت کا کوئی بوجھ اس پر نہیں رہتا جس طرح سونا بھٹی میں تپا کر نکال لیا جائے' اس طرح یہ دنیا میں پاک صاف ہو کر اللہ کے پاس جاتا ہے۔ ابن مردویہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا' مومن کو ہر چیز میں اجر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ موت کی سختی کا بھی۔ مسند احمد میں ہے' جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور انہیں دور کرنے والے بکثرت نیک اعمال نہیں ہوتے تو اللہ اس پر کوئی غم ڈال دیتا ہے جس سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ سعید بن منصور لائے ہیں کہ جب صحابہؓ پر اس آیت کا مضمون گراں گذرا تو حضورؐ نے ان سے فرمایا' ٹھیک ٹھاک رہو اور ملے جلے رہو' مسلمان کی ہر تکلیف اس کے گناہ کا کفارہ ہے یہاں تک کہ کانٹے کا لگنا بھی اور اس سے کم تکلیف بھی۔ اور روایت میں ہے کہ صحابہؓ رو رہے تھے اور رنج میں تھے جو حضورؐ نے ان سے یہ فرمایا' ایک شخص نے حضورؐ سے پوچھا کہ ہماری ان بیماریوں میں ہمیں کیا ملتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں۔ اسے سن کر حضرت کعب بن عجزہؓ نے دعا مانگی کہ یا اللہ مرتے دم تک مجھ سے بخار جدا نہ ہو لیکن حج و عمرہ' جہاد اور نماز باجماعت سے محروم نہ ہوں۔ ان کی یہ دعا قبول ہوئی۔ جب ان کے جسم پر ہاتھ لگایا جاتا تو بخار چڑھا رہتا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مسند احمد) حضورؐ سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ کیا ہر برائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں اسی جیسا اور اسی جتنا لیکن ہر بھلائی کا بدلہ دس گنا کر کے دیا جائے گا پس اس پر افسوس ہے جس کی اکائیاں دہائیوں سے بڑھ جائیں (ابن مردویہ)۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اس سے مراد کافر ہیں جیسے اور آیت میں ہے وَهَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں یہاں برائی سے مراد شرک ہے۔ یہ شخص اللہ کے سوا اپنا کوئی ولی اور مددگار نہ پائے گا ہاں یہ اور بات ہے کہ توبہ کر لے امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ٹھیک بات یہی ہے کہ ہر برائی کو یہ آیت شامل ہے جیسے کہ احادیث گذر چکیں۔ واللہ اعلم۔

بدعملیوں کی سزا کا ذکر کر کے اب نیک اعمال کی جزا کا بیان فرما رہا ہے۔ بدی کی سزا یا تو دنیا میں ہی ہو جاتی ہے اور بندے کے لئے یہی اچھا ہے یا آخرت میں ہوتی ہے اللہ اس سے محفوظ رکھے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دونوں جہان کی عافیت عطا فرمائے اور مہربانی اور درگذر کرے اور اپنی پکڑ و ناراضگی سے بچا لے۔ اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور اپنے احسان و کرم و رحم سے انہیں قبول کرتا ہے۔ کسی مرد عورت کے کسی نیک عمل کو وہ ضائع نہیں کرتا ہاں یہ شرط ہے کہ ہو وہ ایماندار ان نیک لوگوں کو وہ اپنی جنت میں داخل کرے گا اور ان کی حسنات میں کوئی کمی نہیں آنے دے گا۔ فتیل کہتے ہیں اس گٹھلی کے درمیان جو ہلکا سا چھلکا ہوتا ہے اس کو مگر یہ دونوں تو کھجور کے بیج میں ہوتے ہیں اور قطمیر کہتے ہیں اس بیج کے اوپر کے لفافے کو اور یہ تینوں لفظ اس موقعہ پر قرآن میں آئے ہیں۔

پھر فرمایا اس سے اچھے دین والا کون ہے جو نیک نیتی کے ساتھ اس کے فرمان کے مطابق اس کے احکام بجالائے اور ہو بھی وہ محسن یعنی شریعت کا پابند دین حق اور ہدایت پر چلنے والا رسول کی حدیث پر عمل کرنے والا۔ ہر نیک عمل کی قبولیت کے لئے یہ دونوں باتیں شرط ہیں یعنی خلوص اور وحی کے مطابق ہونا خلوص سے یہ مطلب کہ فقط اللہ کی رضامندی مطلوب ہو اور ٹھیک ہونا یہ ہے کہ شریعت کی ماتحتی میں ہو۔ پس ظاہر تو قرآن و حدیث کے موافق ہونے سے ٹھیک ہو جاتا ہے اور باطن نیک نیتی سے سنور جاتا ہے۔ اگر ان دو باتوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل فاسد ہوتا ہے۔ اخلاص نہ ہونے سے منافقت آ جاتی ہے۔ لوگوں کی رضاجوئی اور انہیں دکھانا مقصود ہو جاتا ہے اور عمل قابل قبول نہیں رہتا سنت کے موافق نہ ہونے سے ضلالت و جہالت کا مجموعہ ہو جاتا ہے اور اس سے بھی عمل پایہ قبولیت سے گر جاتا ہے اور چونکہ مومن کا عمل ریاکاری اور شریعت کی مخالفت سے بچا ہوا ہوتا ہے اس لئے اس کا عمل سب سے اچھا عمل ہو جاتا ہے جو اللہ کو پسند آتا ہے اور اس کی جزا کا بلکہ اور گناہوں کی بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔

اعزاز خلیل کیوں اور کیسے ملا: ☆☆ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کرو یعنی آنحضرت ﷺ کی اور آپ کے قدم بہ قدم چلنے والوں کی جو بھی قیامت تک ہوں۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ الخ یعنی ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہے اور نبی ہوئے۔ اور آیت میں فرمایا ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ الخ پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کر جو مشرک نہ تھے حنیف کہتے ہیں قصداً شرک سے بیزار اور پوری طرح حق کی طرف متوجہ ہو جانے والے کو جسے کوئی روکنے والا روک نہ سکے اور کوئی ہٹانے والا ہٹا نہ سکے۔

پھر حضرت خلیل اللہؑ کی اتباع کی تاکید اور ترغیب کے لئے ان کا وصف بیان کیا کہ وہ اللہ کے دوست ہیں یعنی بندہ ترقی کر کے جس اعلیٰ سے اعلیٰ درجے تک پہنچ سکتا ہے اس تک وہ پہنچ گئے۔ خلت کے درجے سے کوئی درجہ بڑا نہیں۔ محبت کا یہ اعلیٰ تر مقام ہے اور یہاں تک حضرت ابراہیمؑ عروج کر گئے ہیں۔ اس کی وجہ ان کی کامل اطاعت ہے جیسے فرمان ہے وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى یعنی ابراہیم کو جو حکم ملا وہ اسے بخوشی بجالائے کبھی اللہ کی مرضی سے منہ نہ موڑا۔ کبھی عبادت سے نہ اکتائے۔ کوئی چیز انہیں اللہ کی عبادت سے مانع نہ ہوئی۔ اور آیت میں ہے وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ الخ جب جب جس جس طرح اللہ نے ان کی آزمائش لی وہ پورے اترے۔ جو جو اللہ نے

فرمایا انہوں نے کر دکھایا۔ فرمان ہے کہ ابراہیم یکسوئی سے توحید کے رنگ میں شرک سے بچتا ہوا ہمارا تابع فرمان بنا رہا۔ حضرت معاذؓ نے یمن میں صبح کی نماز میں جب یہ آیت پڑھی تو ایک شخص نے کہا لَقَدْ قَرَّتْ عَيْنُ أُمِّ إِبْرَاهِيمَ ابراہیم کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلیل اللہ لقب کی یہ وجہ ہوئی کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے موقعہ پر آپ اپنے ایک دوست کے پاس مصر میں یا موصل میں گئے کہ وہاں سے کچھ اناج غلہ لے آئیں۔ یہاں کچھ نہ ملا۔ خالی ہاتھ لوٹے۔ جب اپنی بستی کے قریب پہنچے تو خیال آیا آؤ اس ریت کے تودے میں سے اپنی بوریاں بھر کر لے چلوں تاکہ گھر والوں کو قدرے تسکین ہو جائے۔ چنانچہ بھر لیں اور جانوروں پر لاد کے لے چلے اللہ کی قدرت سے وہ ریت سچ مچ آٹا بن گیا۔ آپ تو گھر پہنچ کر لیٹ رہے۔ تھکے ہارے تو تھے ہی آنکھ لگ گئی۔ گھر والوں نے بوریاں کھولیں اور انہیں بہترین آٹے سے بھرا ہوا پایا' آٹا گوندھا' روٹیاں پکائیں' جب یہ جاگے اور گھر میں سب کو خوش خوش پایا اور روٹیاں بھی تیار دیکھیں تو تعجب سے پوچھنے لگے آٹا کہاں سے آیا جو تم نے روٹیاں پکائیں۔ انہوں نے کہا' آپ ہی تو اپنے دوست کے ہاں سے لائے ہیں۔ اب آپ سمجھ گئے اور فرمایا ہاں یہ میں اپنے دوست اللہ عزوجل سے لایا ہوں۔ پس اللہ نے بھی آپ کو اپنا دوست بنالیا اور خلیل اللہ نام رکھ دیا لیکن اس کی صحت اور اس واقعہ میں ذرا تامل ہے' زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی روایت ہو جسے ہم سچا نہیں کہہ سکتے گو جھٹلا بھی نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو یہ لقب اس لئے ملا کہ آپ کے دل میں اللہ کی محبت حد درجہ کی تھی۔ کامل اطاعت شعاری اور فرمانبرداری تھی۔ اپنی عبادتوں سے اللہ کو خوش کر لیا تھا' نبی ﷺ نے بھی اپنے آخری خطبہ میں فرمایا تھا' لوگو اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل اور ولی دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر بن ابو قحافہ کو بناتا بلکہ تمہارے ساتھی اللہ کے خلیل ہیں' (بخاری و مسلم) اور روایت میں ہے اللہ نے جس طرح ابراہیمؑ کو خلیل بنالیا تھا' اسی طرح مجھے بھی اپنا خلیل کر لیا ہے۔ ایک مرتبہ اصحابؓ رسول آپؐ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے آپس میں ذکر تذکرے کر رہے تھے' ایک کہہ رہے تھے تعجب ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا' اس سے بھی بڑھ کر مہربانی یہ کہ حضرت موسیٰؑ سے خود باتیں کیں اور انہیں کلیم بنایا' ایک نے کہا اور عیسیٰ تو روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں۔ ایک نے کہا آدم صفی اللہ اور اللہ کے پسندیدہ ہیں۔ حضورؐ جب باہر تشریف لائے۔ سلام کیا اور یہ باتیں سنیں تو فرمایا بے شک تمہارا قول صحیح ہے۔ ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ کلیم اللہ ہیں اور عیسیٰ روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں اور آدم صفی اللہ ہیں اور اسی طرح محمد ﷺ ہیں' سنو میں حقیقت بیان کرتا ہوں۔ کچھ فخر کے طور پر نہیں کہتا کہ حبیب اللہ ہوں میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے شفاعت قبول کیا جانے والا ہوں اور سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دینے والا ہوں۔ اللہ میرے لئے جنت کو کھول دے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے۔ قیامت کے دن تمام اگلوں پچھلوں سے زیادہ اکرام و عزت والا ہوں۔ یہ بطور فخر کے نہیں بلکہ بطور سچائی کے معلوم کرانے کے لیے میں تم سے کہہ رہا ہوں' یہ حدیث اس سند سے تو غریب ہے لیکن اس کے بعض کے شاہد موجود ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' کیا تم اس سے تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیمؑ کے لئے تھی اور کلام حضرت موسیٰؑ کے لئے تھا اور دیدار حضرت محمدؐ کے لئے۔ صلوات اللہ و سلامہ علیھم اجمعین (مستدرک حاکم) اسی طرح کی روایت حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے صحابہؓ' تابعینؒ اور سلف و خلف سے مروی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عادت تھی کہ مہمانوں کے ساتھ کھائیں۔ ایک دن آپ مہمان کی جستجو میں نکلے لیکن کوئی نہ ملا۔ واپس آئے' گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے۔ پوچھا اے اللہ کے بندے تجھے میرے گھر میں آنے کی اجازت کس نے دی؟ اس نے کہا اس مکان کے حقیقی مالک نے' پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں ملک الموت ہوں۔ مجھے

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اسے یہ بشارت سنا دوں کہ اللہ نے اسے اپنا خلیل کر لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیمؑ نے کہا پھر تو مجھے ضرور بتایئے کہ وہ بزرگ کون ہیں؟ اللہ کی قسم گو وہ زمین کے کسی دور کے گوشے میں ہوں۔ میں ضرور جا کر ان سے ملاقات کروں گا پھر اپنی باقی زندگی ان کے قدموں میں ہی گذاروں گا۔ یہ سن کر حضرت ملک الموت نے کہا۔ وہ شخص خود آپ ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا' کیا سچ مچ میں ہی ہوں؟ فرشتے نے کہا' ہاں آپ ہی ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ آپ مجھے یہ بھی بتائیں گے کہ کس بنا پر کن کاموں پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا؟ فرشتے نے فرمایا' اس لئے کہ تم ہر ایک کو دیتے رہتے ہو اور کسی سے خود کچھ طلب نہیں کرتے۔

اور روایت میں ہے جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو خلیل اللہ کے ممتاز اور مبارک لقب سے اللہ نے ملقب کیا تب سے تو ان کے دل میں اس قدر اللہ کا خوف اور ہیبت رب سما گئی کہ ان کے دل کا اچھلنا دور سے اس طرح سنا جاتا تھا جس طرح فضا میں پرند کے پرواز کی آواز۔ صحیح حدیث میں جناب رسول آخر الزمان ﷺ کی نسبت بھی وارد ہے کہ جس وقت اللہ کا خوف آپ پر غالب آ جاتا تھا تو آپ کے رونے کی آواز جسے آپ ضبط کرتے جاتے تھے' اس طرح دور و نزدیک والوں کو سنائی دیتی تھی جیسے کسی ہنڈیا کے کھولنے کی آواز ہو۔ پھر فرماتا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت میں اور اس کی غلامی میں اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جس طرح جب جو تصرف ان میں وہ کرنا چاہتا ہے بغیر کسی روک ٹوک کے بغیر کسی کے مشورے کے اور بغیر کسی کے شرک اور مدد کے کر گذرتا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے ارادے سے اسے باز رکھ سکے۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم میں حائل ہو سکے۔ کوئی نہیں جو اس کی مرضی کو بدل سکے' وہ عظمتوں اور قدرتوں والا' وہ عدل و حکمت والا' وہ لطف و رحم والا' واحد و صمد اللہ ہے۔ اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو گھیرے ہوئے ہے' مخفی سے مخفی اور چھوٹی سے چھوٹی اور دور سے دور والی چیز بھی اس پر پوشیدہ نہیں' ہماری نگاہوں سے جو پوشیدہ ہیں اس کے علم میں سب ظاہر ہیں۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ
وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي
لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ
وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ
وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿١٢٧﴾

تجھ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنہیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کی رغبت رکھتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور اس بارے میں کہ یتیموں کی کارگذاری انصاف کے ساتھ کرو۔ تم جو نیک کام کرو بے شبہ اللہ اسے پوری طرح جاننے والا ہے ○

یتیموں کے مربیوں کی گوشمالی اور منصفانہ احکام: ☆☆ (آیت:۱۲۷) صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی پرورش میں کوئی یتیم بچی ہو جس کا ولی وارث وہی ہو' مال میں شریک ہو گیا ہو' اب چاہتا یہ ہو کہ اس

یتیم سے میں نکاح کرلوں' اس بنا پر اور جگہ کی شادی روکتا ہو۔ ایسے شخص کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس آیت کے اترنے کے بعد جب پھر لوگوں نے حضورؐ سے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت وَيَسْتَفْتُونَكَ الخ' نازل فرمائی۔ فرماتی ہیں کہ اس آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہے وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَٰبِ اس سے مراد پہلی آیت وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَٰمَىٰ الخ ہے۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ یتیم لڑکیوں کے ولی وارث جب ان کے پاس مال کم پاتے یا وہ حسین نہ ہوتیں تو ان سے نکاح کرنے سے باز رہتے اور اگر مالدار اور صاحب جمال پاتے تو نکاح کی رغبت کرتے لیکن اس حال میں بھی چونکہ ان لڑکیوں کا اور کوئی محافظ نہیں ہوتا تھا' ان کے مہر اور حقوق میں کمی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا کہ بغیر پورا مہر اور پورے حقوق دینے کے نکاح کر لینے کی اجازت نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایسی یتیم بچی جس سے اس کے ولی کو نکاح حلال ہو تو وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ جو مہر اس جیسی اس کے کنبے قبیلے کی اور لڑکیوں کو ملا ہے' اسے بھی دے اور اگر ایسا نہ کرے تو اسے چاہئے' اس سے نکاح بھی نہ کرے۔ اس سورت کے شروع کی اس مضمون کی پہلی آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس یتیم بچی سے خود اس کا ایسا ولی جسے اس سے نکاح کرنا حلال ہے' اسے اپنے نکاح میں لانا نہیں چاہتا خواہ کسی وجہ سے ہو لیکن یہ جان کر کہ جب یہ دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی تو جو مال میرے اور اس لڑکی کے درمیان شراکت میں ہے' وہ بھی میرے قبضے سے جاتا رہے گا' اس کا نکاح روکتا ہے تو ایسے ناواجبی فعل سے اس آیت میں روک دیا گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت میں دستور تھا کہ یتیم لڑکی کا والی جب لڑکی کو اپنی ولایت میں لیتا تو اس پر ایک کپڑا ڈال دیتا۔ اب کسی کی مجال نہ تھی کہ اس سے نکاح کرے۔ اگر وہ خوش شکل اور مالدار ہوتی تو اس سے خود آپ نکاح کر لیتا اور مال بھی ہضم کر جاتا اور اگر وہ صورت شکل میں اچھی نہ ہوتی اور مالدار ہوتی تو اسے دوسری جگہ نکاح کرنے سے روک دیتا۔ وہ بیچاری یونہی مر جاتی اور یہ اس کا مال قبضہ میں کر لیتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ اس آیت میں منع فرما رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس کے ساتھ ہی یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت والے چھوٹے لڑکوں کو اور چھوٹی بڑی لڑکیوں کو وارث نہیں سمجھتے تھے۔ اس رسم کو بھی قرآن نے ختم کر دیا اور ہر ایک کو حصہ دلوایا اور فرمایا کہ لڑکی اور لڑکے کو خواہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے' حصہ ضرور دو۔ ہاں لڑکی کو آدھا اور لڑکے کو پورا یعنی دو لڑکیوں کے برابر اور یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف کا حکم دیا کہ جب جمال و مال والی سے خود تم اپنا نکاح کر لیتے ہو تو پھر ان سے بھی کر لیا کرو جو مال و جمال میں کم ہوں۔ پھر فرمایا یقین مانو کہ تمہارے تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ تو تمہیں چاہئے کہ خیر کے کام کرو۔ حکم برداری کرو اور نیک بدلے حاصل کرو۔

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ۖ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿١٣٠﴾

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے پرواہی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کر لیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں' صلح بہت بہتر چیز ہے' طمع ہر ہر نفس میں حاضر کر دی گئی ہے' اگر تم اچھا سلوک اور پرہیزگاری کرو تو تم جو کر رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ پوری طرح خبردار ہے ○ تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو گو تم اس کی کتنی ہی آرزو کرو۔ پس بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو اور اگر تم اصلاح کرو اور احتیاط کرو تو بیشک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔ اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے ○

میاں بیوی میں صلح وخیر کا اصول: ☆☆ (آیت:۱۲۸-۱۳۰) اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے حالات اور ان کے احکام بیان فرما رہا ہے۔ کبھی مرد اس سے ناخوش ہو جاتا ہے۔ کبھی چاہنے لگتا ہے اور کبھی الگ کر دیتا ہے۔ پس پہلی حالت میں جبکہ عورت کو اپنے شوہر کی ناراضگی کا خیال ہے اور اسے خوش کرنے کے لئے اپنے تمام حقوق سے یا کسی خاص حق سے وہ دست برداری کر لے تو کر سکتی ہے۔ مثلاً اپنا کھانا کپڑا چھوڑ دے یا شب باشی کا حق معاف کر دے تو دونوں کے لئے جائز ہے۔ پھر اسی کی رغبت دلاتا ہے کہ صلح ہی بہتر ہے۔ حضرت سودہ بنت زمعہؓ جب بہت بڑی عمر کی ہو جاتی ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ انہیں جدا کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو کہتی ہیں کہ میں اپنی باری کا حق حضرت عائشہؓ کو دیتی ہوں چنانچہ اسی پر صلح ہو گئی اور حضورؐ نے اسے قبول فرما لیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ اسی پر یہ آیت اتری۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' میاں بیوی جس بات پر رضامند ہو جائیں' وہ جائز ہے۔ آپ فرماتے ہیں' حضورؐ کے وصال کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں جن میں سے آپ نے آٹھ کو باریاں تقسیم کر رکھی تھیں۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت سودہؓ کا دن بھی حضور حضرت عائشہؓ کو دیتے تھے۔ حضرت عروہ کا قول ہے کہ حضرت سودہؓ نے بڑی عمر میں جب یہ معلوم کیا کہ حضورؐ انہیں چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ آپ کو صدیقہؓ سے پوری محبت ہے۔ اگر میں اپنی باری انہیں دے دوں تو کیا عجب کہ حضورؐ راضی ہو جائیں اور میں آپ کی بیویوں میں ہی آخر دم تک رہ جاؤں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ رات گزارنے میں اپنی تمام بیویوں کو برابر کے درجے پر رکھا کرتے تھے۔ عموماً ہر روز سب بیویوں کے ہاں آتے بیٹھتے بولتے چالتے مگر ہاتھ نہ بڑھاتے۔ پھر آخر میں جن بیوی صاحبہ کی باری ہوتی' ان کے ہاں جاتے اور رات وہیں گذارتے۔ پھر حضرت سودہؓ کا واقعہ بیان فرمایا جو اوپر گذرا (ابوداؤد) معجم ابوالعباس کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت سودہؓ کو طلاق کی خبر بھجوائی۔ یہ حضرت عائشہؓ کے ہاں جا بیٹھیں' جب آپ تشریف لائے تو کہنے لگیں' آپ کو اس اللہ کی قسم ہے جس نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا اور اپنی مخلوق میں سے آپ کو برگزیدہ اور اپنا پسندیدہ بنایا' آپ مجھ سے رجوع کر لیجئے۔ میری عمر بڑی ہو گئی ہے۔ مجھے مرد کی خاص خواہش نہیں رہی لیکن یہ چاہت ہے کہ قیامت کے دن آپ کی بیویوں میں اٹھائی جاؤں چنانچہ آپؐ نے یہ منظور فرما لیا اور رجوع کر لیا۔ پھر یہ کہنے لگیں یارسول اللہ ﷺ میں اپنی باری کا دن اور رات آپ کی محبوب حضرت عائشہؓ کو ہبہ کرتی ہوں۔

بخاری شریف میں ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک بڑھیا عورت جو اپنے خاوند کو دیکھتی ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کر سکتا بلکہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں اپنے حق چھوڑتی ہوں تو مجھے جدا نہ کر' تو آیت دونوں کو رخصت دیتی ہے۔ یہی صورت اس وقت بھی ہے جب کسی کی دو بیویاں ہوں اور ایک سے اس کو بوجہ اس کے بڑھاپے یا بدصورتی کے محبت نہ ہو اور وہ اسے جدا کرنا چاہتا ہو اور یہ بوجہ اپنے لگاؤ یا بعض اور مصالح کے الگ ہونا پسند نہ کرتی ہو تو اسے حق ہے کہ اپنے بعض یا سب حقوق سے الگ ہو جائے اور خاوند اس کی بات کو منظور کر کے اسے جدا نہ کرے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے ایک سوال کیا (جسے اس کی بیہودگی کی وجہ سے) آپ نے

ناپسند فرمایا اور اسے کوڑا مار دیا۔ پھر ایک اور نے اسی آیت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا' ہاں یہ باتیں پوچھنے کی ہیں' اس سے ایسی صورت مراد ہے کہ مثلاً ایک شخص کی بیوی ہے لیکن وہ بڑھیا ہو گئی ہے' اولاد نہیں ہوتی' اس نے اولاد کی خاطر کسی جوان عورت سے اور نکاح کیا۔ پھر یہ دونوں جس چیز پر آپس میں اتفاق کر لیں' جائز ہے۔ حضرت علیؓ سے جب اس آیت کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بوجہ اپنے بڑھاپے کے یا بدصورتی کے یا بدخلقی کے یا گندگی کے اپنے خاوند کی نظروں میں گر جائے اور اس کی چاہت یہ ہو کہ خاوند مجھے چھوڑ نہ دے تو یہ اپنا پورا یا ادھورا مہر معاف کر دے یا اپنی باری معاف کر دے وغیرہ تو اس طرح صلح کر سکتے ہیں۔ سلف اور ائمہ سے برابر اس کی یہی تفسیر مروی ہے بلکہ تقریباً اس پر اتفاق ہے۔ میرے خیال سے تو اس کا کوئی مخالف نہیں۔ واللہ اعلم۔

محمد بن مسلم کی صاحبزادی حضرت رافع بن خدیج کے گھر میں تھیں' بوجہ بڑھاپے کے یا کسی اور امر کے یہ انہیں چاہتے نہ تھے۔ یہاں تک کہ طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر انہوں نے کہا' آپ مجھے طلاق تو نہ دیجئے ہاں جو آپ چاہیں فیصلہ کریں' مجھے منظور ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ان دونوں آیتوں میں ذکر ہے اس عورت کا جس سے اس کا خاوند بگڑا ہوا ہو' اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ اگر وہ چاہے تو اسے طلاق دے دے اور اگر وہ چاہے تو اس بات کو پسند کر کے اس کے گھر میں رہے کہ وہ مال کی تقسیم میں اور باری کی تقسیم میں اس پر دوسری بیوی کو ترجیح دے گا۔ اب اسے اختیار ہے اگر یہ دوسری شق کو منظور کر لے تو شرعاً خاوند کو جائز ہے کہ اسے باری نہ دے اور جو مہر وغیرہ اس نے چھوڑا ہے' اسے اپنی ملکیت سمجھے۔ حضرت رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ جب سن رسیدہ ہو گئیں تو انہوں نے ایک نوجوان لڑکی سے نکاح کیا اور پھر اسے زیادہ چاہنے لگے اور اسے اگلی بیوی پر مقدم رکھنے لگے۔ آخر اس نے تنگ آ کر طلاق طلب کی۔ آپ نے دے دی۔ پھر عدت ختم ہونے کے قریب لوٹا لی لیکن پھر وہی حال ہوا کہ جوان بیوی کو زیادہ چاہنے لگے اور اس کی طرف جھک گئے اس نے پھر طلاق مانگی۔ آپ نے دوبارہ طلاق دے دی۔ پھر لوٹا لیا لیکن پھر وہی نقشہ پیش آیا۔ پھر اس نے قسم دی کہ مجھے طلاق دے دو تو آپ نے فرمایا دیکھو اب یہ تیسری آخری طلاق ہے۔ اگر تم چاہو تو میں دے دوں اور اگر چاہو تو اسی طرح رہنا منظور کرو۔ اس نے سوچ کر جواب دیا کہ اچھا مجھے اسی طرح منظور ہے چنانچہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو گئیں اور اسی طرح رہنے سہنے لگیں۔

اس جملے کا کہ صلح خیر ہے' ایک معنی تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی کو یہ اختیار دینا کہ اگر تو چاہے تو اسی طرح رہ کہ دوسری بیوی کے برابر تیرے حقوق نہ ہوں اور اگر تو چاہے تو طلاق لے لے' یہ بہتر ہے اس سے کہ یونہی دوسری کو اس پر ترجیح دیئے ہوئے رہے۔ لیکن اس سے اچھا مطلب یہ ہے کہ بیوی اپنا کچھ چھوڑ دے اور خاوند اسے طلاق نہ دے اور آپس میں مل کر رہیں۔ یہ طلاق دینے اور لینے سے بہتر ہے جیسے کہ خود نبی اللہ علیہ صلوات اللہ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی زوجیت میں رکھا اور انہوں نے اپنا دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہبہ کر دیا۔ آپؐ کے اس فعل میں بھی آپ کی امت کے لئے بہترین نمونہ ہے کہ ناموافقت کی صورت میں بھی طلاق کی نوبت نہ آئے۔ چونکہ خدا کے نزدیک صلح' افتراق سے بہتر ہے اس لئے یہاں فرما دیا کہ صلح خیر ہے۔ بلکہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے' تمام حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسند چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ پھر فرمایا تمہارا احسان اور تقویٰ کرنا یعنی عورت کی طرف کی ناراضگی سے درگذر کرنا اور اسے باوجود ناپسندیدگی کے اس کا پورا حق دینا' باری میں لین دین میں برابری کرنا یہ بہترین فعل ہے جسے اللہ بخوبی جانتا ہے اور جس پر وہ بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ گو تم چاہو کہ اپنی کئی ایک بیویوں کے درمیان ہر طرح بالکل پورا عدل و انصاف اور برابری کرو تو بھی تم کر نہیں سکتے۔ اس لئے کہ گو ایک ایک رات کی باری باندھ لو لیکن محبت' چاہت' شہوت' جماع وغیرہ میں برابری

کیسے کر سکتے ہو؟ ابن ملکیہؒ فرماتے ہیں' یہ بات حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے' حضورؐ انہیں بہت چاہتے تھے اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ حضور عورتوں کے درمیان صحیح طور پر مساوات رکھتے تھے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے' الٰہی یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں تھی۔ اب جو چیز میرے قبضہ سے باہر ہے یعنی دلی تعلق اس میں تو مجھے ملامت نہ کرنا (ابوداؤد) اس کی اسناد صحیح ہے لیکن امام ترمذیؒ فرماتے ہیں' دوسری سند سے یہ مرسلاً مروی ہے اور وہ زیادہ صحیح ہے۔ پھر فرمایا بالکل ہی ایک جانب جھک نہ جاؤ کہ دوسری کو لٹکا دو' وہ نہ بے خاوند کی رہے نہ خاوند والی۔ تم اس سے بے رخی برتو اور ہو وہ تمہاری زوجیت میں' نہ تو اسے طلاق ہی دو' جو وہ اپنا دوسرا نکاح کر لے نہ اس کے وہ حق ادا کرو جو ہر بیوی کے اس کے میاں پر ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ہی ایک کی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہوگا[1] (احمد وغیرہ) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث مرفوع طریق سے سوائے ہمام کی حدیث کے پہچانی نہیں جاتی۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اپنے کاموں کی اصلاح کر لو اور جہاں تک تمہارے اختیار میں عورتوں کی درمیان عدل و انصاف اور برابری ہے کرو اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ گو اگر تم کسی وقت کسی ایک کی طرف کچھ مائل ہو گئے ہو' اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ پھر تیسری حالت بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی صورت ہی نباہ کی نہ ہو اور دونوں الگ ہو جائیں تو اللہ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اسے اس سے اچھا شوہر اور اسے اس سے اچھی بیوی دے دے گا۔ اللہ کا فضل بہت وسیع ہے۔ وہ بڑے احسانوں والا ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے۔ تمام افعال ساری تقدیریں اور پوری شریعت حکمت سے سراسر بھرپور ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا
اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿١٣١﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ
قَدِيْرًا ﴿١٣٣﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿١٣٤﴾ ع ۱۹/۸

زمین و آسمان کی ہر ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو' اور اگر تم کفر کرو تو اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اللہ بہت بے حاجت اور تعریف کیا گیا ہے ○ اللہ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ کافی کارساز ہے ○ اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو وہ تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو لے آئے' اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ○ جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت کا ثواب موجود ہے' اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے ○

مانگو تو صرف اللہ اعلیٰ و اکبر سے مانگو: ☆☆ (آیت: ۱۳۱-۱۳۴) اللہ تعالیٰ مطلع کرتا ہے کہ زمین و آسمان کا مالک اور حاکم وہی ہے۔

فرماتا ہے جواحکام تمہیں دیئے جاتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اس کی وحدانیت کو مانو۔ اس کی عبادت کرو اور کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ یہی احکام تم سے پہلے کے اہل کتاب کو دیئے گئے تھے اور اگر تم کفر کرو (تو خدا کا کیا بگاڑو گے؟) وہ تو زمین آسمان کا تنہا مالک ہے' جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اگر تم اور تمام روئے زمین کے انسان کفر کرنے لگو تو بھی اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور لائق ستائش ہے۔ اور جگہ فرمایا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ انہوں نے کفر کیا اور منہ موڑ لیا۔ اللہ نے ان سے بے نیازی کی اور اللہ بہت ہی بے نیاز اور تعریف کیا گیا ہے۔ اپنے تمام بندوں سے غنی اور اپنے تمام کاموں میں حمد کیا گیا ہے۔ آسمان وزمین کی ہر چیز کا وہ مالک ہے اور ہر شخص کے تمام افعال پر وہ گواہ ہے اور ہر چیز کا وہ عالم اور شاہد ہے۔ وہ قادر ہے کہ اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو تو وہ تمہیں برباد کردے اور غیروں کو آباد کردے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بدل کر تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے' بعض سلف سے منقول ہے کہ اس آیت پر غور کرو اور سوچو کہ گنہگار بندے اللہ کے نزدیک کس قدر رذیل اور فرومایہ ہیں؟ اور آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ پر یہ کام کچھ مشکل نہیں۔

پھر فرماتا ہے' اے وہ شخص جس کا پورا قصد اور جس کی تمام تر کوشش صرف دنیا کے لئے ہے تو جان لے کہ دونوں جہان دنیا اور آخرت کی بھلائیاں اللہ کے قبضے میں ہیں۔ تو جب اس سے دونوں ہی طلب کرے گا تو وہ تجھے دے گا اور تجھے بے پرواہ کردے گا اور آسودہ بنادے گا۔ اور جگہ فرمایا' بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے اللہ ہمیں دنیا دے' ان کا کوئی حصہ آخرت میں نہیں اور ایسے بھی ہیں جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب' ہمیں دنیا کی بھلائیاں دے اور آخرت میں بھی بھلائیاں عطا فرما اور جہنم کے عذاب سے ہمیں نجات عطا فرما۔ یہ ہیں جنہیں ان کے اعمال کا پورا حصہ ملے گا۔ اور جگہ ہے' جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھے' ہم اس کی کھیتی میں زیادتی کریں گے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ الخ' جو شخص دنیا طلب ہو تو ہم جسے چاہیں' جتنا چاہیں' دنیا میں دے دیں۔

امام ابن جریر نے اس آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جن منافقوں نے دنیا کی جستجو میں ایمان قبول کیا تھا' انہیں دنیا چاہے مل گئی یعنی مسلمانوں سے مال غنیمت میں سے حصہ مل گیا لیکن آخرت میں ان کے لئے اللہ کے پاس جو تیاری ہے' وہ انہیں وہاں ملے گی یعنی جہنم کی آگ اور وہاں کے گوناگوں عذاب۔ تو امام صاحب مذکور کے نزدیک یہ آیت مثل آیت مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا الخ' کے ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس آیت کے معنی تو بظاہر یہی ہیں لیکن پہلی آیت کو بھی اسی معنی میں لینا ذرا غور طلب امر ہے کیونکہ اس آیت کے الفاظ تو صاف بتا رہے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی اللہ العالمین کے ہاتھ ہے۔ تو ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی ہمت ایک ہی چیز کی جستجو میں خرچ نہ کردے بلکہ دونوں چیزوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرے' جو تمہیں دنیا دیتا ہے' وہی آخرت کا مالک بھی ہے۔ یہ بڑی پست ہمتی ہو گی کہ تم اپنی آنکھیں بند کرلو اور بہت دینے والے سے تھوڑا مانگو' نہیں نہیں بلکہ تم دنیا اور آخرت کے بڑے بڑے کاموں اور بہترین مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اپنا نصب العین صرف دنیا کو نہ بنالو' عالی ہمتی اور بلند پروازی سے وسعت نظری کو کام میں لاکر عیش جاودانی کی کوشش وسعی کرو یاد رکھو دونوں جہان کا مالک وہی ہے۔ ہر ہر نفع اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی نہیں جسے اس کے ساتھ شراکت ہو یا اس کے کاموں میں دخل ہو۔ سعادت وشقاوت اس نے تقسیم کی ہے۔ خزانوں کی کنجیاں اس نے اپنی مٹھی میں رکھ لی ہیں۔ وہ ہر ایک مستحق کو جانتا ہے اور جس کا وہ مستحق ہوتا ہے' اسے وہی پہچانتا ہے' بھلا تم غور تو کرو کہ تمہیں دیکھنے سننے کی طاقت دینے والے کا دیکھنا سننا کیسا ہوگا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

اے ایمان والو عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتے دار عزیزوں کے' وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے۔ سو تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا' اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے ○

انصاف اور سچی گواہی تقویٰ کی روح ہے: ☆☆ (آیت:۱۳۵) اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ عدل وانصاف پر مضبوطی سے جمے رہیں۔ اس سے ایک انچ ادھر ادھر نہ سرکیں' ایسا نہ ہو کہ ڈر کی وجہ سے یا کسی لالچ کی بنا پر یا کسی خوشامد میں یا کسی پر رحم کھا کر یا کسی سفارش سے عدل وانصاف چھوڑ بیٹھیں۔ سب مل کر عدل کو قائم وجاری کریں۔ ایک دوسرے کی اس معاملہ میں مدد کریں اور اللہ کی مخلوق میں عدالت کے سکے جما دیں۔ اللہ کے لئے گواہ بن جائیں جیسے اور جگہ ہے وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ الخ' یعنی گواہیاں اللہ کی رضا جوئی کے لئے دو جو بالکل صحیح' صاف سچی اور بے لاگ ہوں۔ انہیں بدلو نہیں' چھپاؤ نہیں' چبا کر نہ بولو' صاف صاف سچی شہادت دو گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو۔ تم حق گوئی سے نہ رکو اور یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گذار غلاموں کی مخلصی کی صورتیں بہت سی نکال دیتا ہے۔ کچھ اسی پر موقوف نہیں کہ جھوٹی شہادت سے ہی اس کا چھٹکارا ہو گا۔ گو سچی شہادت ماں باپ کے خلاف ہوتی ہو' گو اس شہادت سے رشتے داروں کا نقصان ہوتا ہو لیکن تم سچ کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ گواہی سچی دے دو اس لئے کہ حق ہر ایک پر غالب ہے' گواہی کے وقت نہ تو نگر کا لحاظ کرو نہ غریب پر رحم کرو۔

ان کی مصلحتوں کو اللہ تم سے بہت بہتر جانتا ہے' تم ہر صورت اور ہر حالت میں سچی شہادت ادا کرو' دیکھو کسی کے برے میں آ کر خود اپنا برا نہ کر لو کسی کی دشمنی میں عصبیت اور قومیت میں فنا ہو کر عدل وانصاف ہاتھ سے نہ چھوڑ بیٹھو بلکہ ہر حال' ہر آن عدل کا' انصاف کا مجسمہ بنے رہو' جیسے اور جگہ فرمان باری ہے وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کرتے رہو۔ یہی تقویٰ کی شان کے قریب تر ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو جب رسول کریم ﷺ نے خیبر والوں کی کھیتیوں اور باغوں کا اندازہ کرنے کو بھیجا تو انہوں نے آپ کو رشوت دینی چاہی کہ آپ مقدار کم بتائیں تو آپ نے فرمایا' سنو اللہ کی قسم نبی ﷺ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہیں اور تم میرے نزدیک کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہو لیکن باوجود اس کے حضورؐ کی محبت میں آ کر یا تمہاری عداوت کو سامنے رکھ کر نا ممکن ہے کہ میں انصاف سے ہٹ جاؤں اور تم میں عدل نہ کروں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے بس اسی سے تو زمین وآسمان قائم ہے۔ یہ پوری حدیث سورہ مائدہ کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرماتا ہے اگر تم نے شہادت میں تحریف کی یعنی بدل دی' غلط گوئی سے کام لیا' واقعہ کے خلاف گواہی دی' دبی زبان سے پیچیدہ الفاظ کہے واقعات غلط پیش کر دیئے یا کچھ چھپا لیا' کچھ بیان کیا تو یاد رکھو اللہ جیسے باخبر حاکم کے سامنے یہ چال چل نہیں سکتی۔

وہاں جا کر اس کا بدلہ پاؤ گے اور سزا بھگتو گے' حضور رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے' بہترین گواہ وہ ہیں جو دریافت کرنے سے پہلے ہی سچی گواہی دے دیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسولؐ پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں ایمان لاؤ' جو شخص اللہ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے' وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا○

ایمان کی تکمیل مکمل اطاعت میں مضمر ہے: ☆☆ (آیت:۱۳۶) ایمان والوں کو حکم ہو رہا ہے کہ ایمان میں پورے پورے داخل ہو جائیں تمام احکام کو' کل شریعت کو' ایمان کی تمام جزئیات کو مان لیں' یہ خیال نہ ہو کہ اس میں تحصیل حاصل ہے نہیں بلکہ تکمیل کامل ہے۔ ایمان لائے ہو تو اب اسی پر قائم رہو۔ اللہ کو مانا ہے تو جسے جس طرح وہ منوائے مانتے چلے جاؤ۔ یہی مطلب ہر مسلمان کی اس دعا کا ہے کہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت کر یعنی ہماری ہدایت کو ثابت رکھ' مدام رکھ' اس میں ہمیں مضبوط کر اور دن بدن بڑھا تا رہ' اسی طرح یہاں بھی مومنوں کو اپنی ذات پر اور اپنے رسولؐ پر ایمان لانے کو فرمایا ہے۔ اور آیت میں ایمانداروں سے خطاب کر کے فرمایا' اللہ سے ڈرو اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ پہلی کتاب سے مراد قرآن ہے اور اس سے پہلے کی کتاب سے مراد تمام نبیوں پر جو کتابیں نازل ہوئیں' سب ہیں۔ قرآن کے لئے لفظ "نَزَّلَ" بولا گیا اور دیگر کتابوں کے لئے اَنْزَلَ اس لئے کہ قرآن بتدریج وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا کر کے اترا اور باقی کتابیں پوری پوری ایک ساتھ نازل ہوئیں۔ پھر فرمایا جو شخص اللہ کے ساتھ' اس کے فرشتوں کے ساتھ' اس کی کتابوں کے ساتھ' اس کے رسولوں کے ساتھ' آخرت کے دن کے ساتھ کفر کرے' وہ راہ ہدایت سے بہک گیا اور بہت دور کی غلط راہ پڑ گیا' گمراہی میں ادھر سے ادھر ہو گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿١٣٨﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿١٣٩﴾

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا' پھر ایمان لا کر پھر کفر کیا' پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے' اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ ہدایت بھائے گا ○ منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب یقینی ہے ○ جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں۔ کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ پس عزت تو ساری کی ساری اللہ کے قبضہ میں ہے ○

صحبت بد سے بچو: ☆☆ (آیت:۱۳۷-۱۳۹) ارشاد ہو رہا ہے کہ جو ایمان لا کر پھر مرتد ہو جائے' پھر وہ مومن ہو کر کافر بن جائے' پھر اپنے کفر پر جم جائے اور اسی حالت میں مر جائے' نہ اس کی توبہ قبول نہ اس کی بخشش کا امکان نہ اس کا چھٹکارا' نہ فلاح' نہ اللہ اسے بخشے' نہ راہ راست پر لائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تلاوت فرما کر فرماتے تھے' مرتد سے تین بار کہا جائے کہ توبہ کر لے۔

پھر فرمایا یہ منافقوں کا حال ہے کہ آخرش ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ پھر وہ مومنوں کو چھوڑ کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں' ادھر بظاہر مومنوں سے ملے جلے رہتے ہیں اور کافروں میں بیٹھ کر ان مومنوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں' ہم تو انہیں بیوقوف بنا رہے ہیں۔ دراصل ساتھ تو ہم تمہارے ہیں' پس اللہ تعالیٰ ان کے مقصود اصلی کو ان کے سامنے پیش کر کے اس میں ان کی ناکامی کو بیان فرماتا ہے کہ تم چاہتے ہو ان کے پاس تمہاری عزت ہو' یہ تمہیں دھوکا ہوا ہے اور تم غلطی کر رہے ہو۔ بگوش ہوش سنو۔ عزتوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے' وہ جسے چاہے عزت دیتا ہے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ الخ' اور فرمایا وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ الخ' یعنی عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول اور مومنوں کا حق ہے لیکن منافق بے سمجھ لوگ ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اگر حقیقی عزت چاہتے ہو تو خدا کے نیک بندوں کے ساتھ مل جاؤ۔ اس کی عبادت کی طرف جھک جاؤ اور اس جناب باری سے عزت کے خواہاں بنو' دنیا اور آخرت میں وہ تمہیں عزیز بنا دے گا۔

مسند احمد میں امام حنبل کی یہ حدیث اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص فخر و غرور کے طور پر اپنی عزت ظاہر کرنے کے لئے اپنا نسب اپنے کفار باپ دادوں سے جوڑے اور نو تک پہنچ جائے' وہ بھی ان کے ساتھ دسواں جہنمی ہوگا۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَاۨ ﴿۱۴۰﴾

اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے' مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں کرنے نہ لگیں (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے ○

کفر کی مجالس میں بیٹھنا نہیں چاہیے: ☆☆ (آیت:۱۴۰) پھر فرمان ہے جب میں تمہیں منع کر چکا کہ جس مجلس میں اللہ کی آیتوں سے انکار کیا جا رہا ہو اور انہیں مذاق میں اڑایا جا رہا ہو' اس میں نہ بیٹھو پھر بھی اگر تم ایسی مجلسوں میں شریک ہوتے رہو گے تو یاد رکھو میرے ہاں تم بھی

ان کے شریک کار سمجھے جاؤ گے۔

ان کے گناہ میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ جیسے ایک حدیث میں ہے کہ جس دسترخوان پر شراب نوشی ہو رہی ہو اس پر کسی ایسے شخص کو نہ بیٹھنا چاہئے جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس آیت میں جس ممانعت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورہ انعام کی جو مکیہ ہے یہ آیت وَاِذَا رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ یَخُوۡضُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡھُمۡ الخ جب تو انہیں دیکھے جو میری آیتوں میں غوطے لگانے بیٹھ جاتے ہیں تو ان سے منہ موڑ لے۔ حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں اس آیت کا یہ حکم اِنَّکُمۡ اِذًا مِّثۡلُھُمۡ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَمَا عَلَی الَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ مِنۡ حِسَابِھِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ وَّلٰکِنۡ ذِکۡرٰی لَعَلَّھُمۡ یَتَّقُوۡنَ○ سے منسوخ ہو گیا ہے یعنی متقیوں پر ان کے احسان کا کوئی بوجھ نہیں لیکن نصیحت ہے کیا عجب کہ وہ بچ جائیں۔ پھر فرمان باری ہے اللہ تعالیٰ تمام منافقوں کو اور سارے کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ یعنی جس طرح یہ منافق ان کافروں کے کفر میں یہاں شریک ہیں قیامت کے دن جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لئے وہاں کے سخت تر دل ہلا دینے والے عذابوں کے سہنے میں بھی ان کے شریک حال رہیں گے۔ وہاں کی سزاؤں میں وہاں کی قید و بند میں طوق و زنجیر میں گرم پانی کے کڑوے گھونٹ اتارنے میں اور پیپ کے لہو کے زہر مار کرنے میں بھی ان کے ساتھ ہوں گے اور دائمی سزا کا اعلان سب کو ساتھ ہی سنا دیا جائے گا۔

الَّذِیۡنَ یَتَرَبَّصُوۡنَ بِکُمۡ ۚ فَاِنۡ کَانَ لَکُمۡ فَتۡحٌ مِّنَ اللّٰہِ قَالُوۡۤا اَلَمۡ نَکُنۡ مَّعَکُمۡ ۫ۖ وَ اِنۡ کَانَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ نَصِیۡبٌ ۙ قَالُوۡۤا اَلَمۡ نَسۡتَحۡوِذۡ عَلَیۡکُمۡ وَ نَمۡنَعۡکُمۡ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ فَاللّٰہُ یَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ وَ لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾ ع ۷ ۱۷

یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ فتح دے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں؟ اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو کہنے لگتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا پس قیامت کے دن خود اللہ تم میں فیصلہ کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا○

عمل میں صفر دعویٰ میں اصلی مسلمان: ☆☆ (آیت:۱۴۱) منافقوں کی بدباطنی کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کی بربادی ان کی پستی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں ٹوہ لیتے رہتے ہیں اگر کسی جہاد میں مسلمان کامیاب و کامران ہو گئے اللہ کی مدد سے یہ غالب آ گئے تو ان کے پیٹ میں گھسنے کے لئے آ آ کر کہتے ہیں کیوں جی ہم بھی تو تمہارے ساتھی ہیں۔ اور اگر کسی وقت مسلمانوں کی آزمائش کے لئے اللہ نے کافروں کو غلبہ دے دیا جیسے احد میں ہوا تھا گو انجام کار حق ہی غالب رہا تو یہ ان کی طرف لپکتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو پوشیدہ طور پر تو ہم تمہاری تائید ہی کرتے رہے اور انہیں نقصان پہنچاتے رہے۔ یہ ہماری ہی چالاکی تھی جس کی بدولت آج تم نے ان پر فتح پالی۔ یہ ہیں ان کے کرتوت کہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ چھوڑتے ہیں "دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا" گو یہ اپنی اس مکاری کو اپنے لئے باعث فخر جانتے ہوں لیکن دراصل یہ سراسر ان کی بے ایمانی اور کم یقینی کی دلیل ہے۔ بھلا کچا رنگ کب تک رہتا ہے؟ گاجر کی پونگی کب تک بجے گی؟ کاغذ کی ناؤ کب تک چلے گی؟

وقت آ رہا ہے کہ اپنے کئے پر نادم ہوں گے' اپنی بیوقوفی پر ہاتھ ملیں گے' اپنے شرمناک کرتوت پر آنسو بہائیں گے' اللہ کا سچا فیصلہ سن لیں گے اور تمام بھلائیوں سے ناامید ہو جائیں گے' بھرم کھل جائے گا' چھپا کھلا ہو جائے گا' راز فاش ہو جائے گا' اندر کا باہر آ جائے گا' یہ پالیسی اور حکمت عملی' یہ مصلحت وقت اور مقتضائے موقعہ نہایت ڈراونی صورت سے سامنے آ جائے گا اور عالم الغیب کے بے پناہ عذابوں کا شکار بن جائیں گے' ناممکن ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ مومنوں پر راہ دے دے۔ حضرت علیؓ سے ایک شخص نے اس کا مطلب پوچھا تو آپ نے اول جملے کے ساتھ ملا کر پڑھ دیا۔ مطلب یہ تھا کہ قیامت کے دن ایسا نہ ہوگا۔ یہ بھی مروی ہے کہ سبیل سے مراد حجت ہے لیکن تاہم اس کے ظاہری معنی مراد لینے میں بھی کوئی مانع نہیں یعنی یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اب سے لے کر قیامت تک کوئی ایسا وقت لائے کہ کافر اس قدر غلبہ حاصل کر لیں کہ مسلمانوں کا نام مٹا دیں۔ یہ اور بات ہے کہ کسی جگہ کسی وقت دنیوی طور پر انہیں غلبہ مل جائے لیکن انجام کار مسلمانوں کے حق میں ہی مفید ہوگا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

فرمان خداوندی ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ ہم اپنے رسولوں کی اور ایماندار بندوں کی مدد دنیا میں بھی لازمی طور پر ضرور کریں گے اور اس معنی کے کرنے میں ایک لطافت یہ بھی ہے کہ منافقوں کے دلوں میں مسلمانوں کو ذلت اور بربادی کا شکار دیکھنے کا جو انتظار تھا' مایوس کر دیا گیا کہ کفار کو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ اس طرح غالب نہ کر دے گا کہ تم پھولے نہ سماؤ اور وہ جس ڈر سے مسلمانوں کا ساتھ کھلے طور پر نہ دیتے تھے' اس ڈر کو بھی زائل کر دیا کہ تم نہ سمجھو کہ کسی وقت بھی مسلمان مٹ جائیں گے۔ اسی مطلب کی وضاحت آیت فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ الخ' میں کر دی ہے۔ اس آیہ کریمہ سے حضرات علماء کرام نے اس امر پر بھی استدلال کیا ہے کہ مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں ایک کافر کو ایک مسلمان پر غالب کر دینا ہے اور اس میں مسلم کی ذلت ہے۔ جن بعض ذی علم حضرات نے اس سودے کو جائز رکھا ہے' ان کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنی ملک سے اس کو اسی وقت آزاد کر دے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا
اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا
قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ
وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

بیشک منافق اللہ سے چال بازیاں کر رہے ہیں' وہ انہیں اس چال بازی کا بدلہ دینے والا ہے' اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں' صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں ○ اور یاد اللہ تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں۔ بیچ میں ہی معلق ڈگمگا رہے ہیں' نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف' جسے اللہ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا ○

دو رپوڑ کے درمیان کی بکری: ☆☆ (آیت:۱۴۳) سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی آیت يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ الخ' اسی مضمون کی گذر چکی ہے' یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ یہ کم سمجھ منافق اس اللہ کے سامنے چالیں چلتے ہیں جو سینوں میں چھپی ہوئی باتوں اور دل کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہے۔ کم فہمی سے یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ جس طرح ان کا نفاق دنیا میں چل گیا اور مسلمانوں میں ملے جلے رہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پاس بھی یہ مکاری چل جائے گی۔ چنانچہ قرآن میں ہے کہ قیامت کے دن بھی یہ لوگ اللہ کے سامنے اپنی یک رنگی کی قسمیں

کھائیں گے جیسے یہاں کھاتے ہیں لیکن اس عالم الغیب کے سامنے یہ ناکارہ قسمیں ہرگز کارآمد نہیں ہو سکتیں۔ اللہ بھی انہیں دھوکے میں رکھ رہا ہے' وہ ڈھیل دیتا ہے' بڑھوتری دیتا ہے' یہ پھولے نہیں سماتے' خوش ہوتے ہیں اور اپنے لئے اسے اچھائی سمجھتے ہیں' قیامت میں بھی ان کا یہی حال ہوگا۔ مسلمانوں کے نور کے سہارے میں ہوں گے۔ وہ آگے نکل جائیں گے' یہ آوازیں دیں گے کہ ٹھہرو ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں' جواب ملے گا کہ پیچھے مڑ جاؤ' اور روشنی تلاش کر لاؤ' یہ مڑیں گے' ادھر حجاب حائل ہو جائے گا۔ مسلمانوں کی جانب رحمت اور ان کے لئے زحمت' حدیث شریف میں ہے جو سنائے گا اللہ بھی اسے سنائے گا اور جو ریاکاری کرے گا اللہ بھی اسے دکھائے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے ان منافقوں میں وہ بھی ہوں گے کہ بظاہر لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ ان کی نسبت فرمائے گا انہیں جنت میں لے جاؤ' فرشتے لے جا کر دوزخ میں ڈال دیں گے' اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔

پھر ان منافقوں کی بدذوقی کا بیان ہو رہا ہے کہ انہیں نماز جیسی بہترین عبادت میں بھی یکسوئی اور خشوع وخضوع نہیں نصیب ہوتا کیونکہ نیک نیتی' حسن عمل حقیقی ایمان سچا یقین ان میں ہے ہی نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ تھکے ہارے ہوئے بدن سے کسمسا کر نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے نمازی کو چاہئے کہ ذوق وشوق سے' راضی خوشی' پوری رغبت اور انتہائی توجہ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو اور یقین مانے کہ اس کی آواز پر اللہ کے کان ہیں اس کی طلب پوری کرنے کو اللہ تیار ہے' یہ تو ہوئی ان منافقوں کی ظاہری حالت کہ تھکے ہارے تنگ دلی کے ساتھ بطور بیگار ٹالنے کے نماز کے لئے آئے۔ پھر اندرونی حالت یہ ہے کہ اخلاص سے کوسوں دور ہیں' رب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ نمازی مشہور ہونے کے لئے' لوگوں میں اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لئے نماز پڑھ رہے ہیں' بھلا ان صنم آشنا دل والوں کو نماز میں کیا ملے گا؟ یہی وجہ ہے کہ ان نمازوں میں جن میں لوگ ایک دوسرے کو کم دیکھ سکیں یہ غیر حاضر رہتے ہیں مثلاً عشاء کی نماز اور فجر کی نماز۔

بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سب سے زیادہ بوجھل نماز منافقوں پر عشاء اور فجر کی ہے' اگر دراصل یہ ان نمازوں کے فضائل کے دل سے قائل ہوتے تو گو گھٹنوں کے بل بھی چل کر آنا پڑتا یہ ضرور آ جاتے۔ میں تو ارادہ کر رہا ہوں کہ تکبیر کہلوا کر کسی کو اپنی امامت کی جگہ کھڑا کر کے نماز شروع کرا کر کچھ لوگوں سے لکڑیاں اٹھوا کر ان کے گھروں میں جاؤں جو جماعت میں شامل نہیں ہوتے اور لکڑیاں ان کے گھروں کے اردگرد لگا کر حکم دوں کہ آگ لگا دو اور ان کے گھروں کو جلا دو۔ ایک روایت میں ہے اللہ کی قسم اگر انہیں ایک چرب ہڈی یا دو اچھے کھر ملنے کی امید ہو تو دوڑے چلے آئیں لیکن آخرت کی اور اللہ کے ثوابوں کی انہیں اتنی بھی قدر نہیں۔ اگر بال بچوں اور عورتوں کا جو گھروں میں رہتی ہیں' مجھے خیال نہ ہوتا تو قطعاً میں ان کے گھر جلا دیتا۔

ابویعلیٰ میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' جو شخص لوگوں کی موجودگی میں نماز کو سنوار کر ٹھہر ٹھہر کر ادا کرے لیکن جب کوئی نہ ہو تو بری طرح نماز پڑھ لے یہ وہ ہے جس نے اپنے رب کی اہانت کی۔ پھر فرمایا یہ لوگ ذکر اللہ بھی بہت ہی کم کرتے ہیں یعنی نماز میں ان کا دل نہیں لگتا' یہ اپنی کہی ہوئی بات سمجھتے بھی نہیں بلکہ غافل دل اور بے پرواہ نفس سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' یہ نماز منافق کی ہے' یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کی طرف دیکھ رہا ہے یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا اور شیطان نے اپنے دونوں سینگ اس کے اردگرد لگا دیئے تو یہ کھڑا ہوا اور جلدی جلدی چار رکعتیں پڑھ لیں جن میں اللہ کا ذکر برائے نام ہی کیا (مسلم وغیرہ)۔

یہ منافق متحیر اور ششدر و پریشاں حال ہیں' ایمان اور کفر کے درمیان ان کا دل ڈانواڈول ہو رہا ہے' نہ تو صاف طور سے مسلمانوں کے ساتھی ہیں نہ بالکل کفار کے ساتھ' کبھی نور ایمان چمک اٹھا تو اسلام کی صداقت کرنے لگے۔ کبھی کفر کی اندھیریاں غالب آ گئیں تو ایمان

سے الگ تھلگ ہو گئے' نہ تو حضورؐ کے صحابہ کی طرف ہیں نہ یہودیوں کی جانب- رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسی دو ریوڑ کے درمیان کی بکری کہ کبھی تو وہ میں میں کرتی اس ریوڑ کی طرف دوڑتی ہے کبھی اس طرف- اس کے نزدیک ابھی طے نہیں ہوا کہ ان میں جائے یا اس کے پیچھے لگے- ایک روایت میں ہے کہ اسی معنی کی حدیث حضرت عبید بن عمیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی موجودگی میں کچھ الفاظ کے ہیر پھیر سے بیان کی تو حضرت عبداللہؓ نے اپنے سنے ہوئے الفاظ دوہرا کر کہا یوں نہیں بلکہ دراصل حدیث یوں ہے جس پر حضرت عبیدؓ ناراض ہوئے (ممکن ہے ایک بزرگ نے ایک طرح کے الفاظ سنے ہوں' دوسرے نے دوسری قسم کے)-

ابن ابی حاتم میں ہے مومن کافر اور منافق کی مثال ان تین شخصوں جیسی ہے جو ایک دریا پر گئے- ایک تو کنارے ہی کھڑا رہ گیا' دوسرا اتر کر پار ہو کر منزل مقصود کو پہنچ گیا' تیسرا اترا چلا' جب بیچوں بیچ پہنچا تو ادھر والے نے پکارنا شروع کیا کہ کہاں ہلاک ہونے چلا' ادھر آ' واپس چلا آ' ادھر والے نے آواز دی' آ جاؤ نجات کے ساتھ منزل مقصود پر میری طرف پہنچ جاؤ- آدھا راستہ طے کر چکے ہو' اب یہ حیران ہو کر کبھی ادھر دیکھتا ہے' کبھی ادھر نظر ڈالتا ہے تذبذب ہے کہ کدھر جاؤں' کدھر نہ جاؤں؟ اتنے میں ایک زبردست موج آئی اور بہا کر لے چلی' غوطے کھا کھا کر مر گیا' پس پار جانے والا مسلمان ہے کنارے کھڑا بلانے والا کافر ہے اور موج میں ڈوب مرنے والا منافق ہے' اور حدیث میں ہے' منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو ہرے بھرے ٹیلے پر بکریوں کو دیکھ کر آئی اور سونگھ کر چل دی' پھر دوسرے ٹیلے پر چڑھی اور سونگھ کر آ گئی- پھر فرمایا جسے اللہ ہی راہ حق سے پھیر دے' اس کا ولی و مرشد کون ہے؟ اس کے گمراہ کردہ کو کون راہ دکھا سکے؟ اللہ نے منافقوں کو ان کی بدترین بدعملی کے باعث راستی سے دھکیل دیا ہے' اب نہ کوئی انہیں راہ راست پر لا سکے نہ چھٹکارا دلا سکے' اللہ کی مرضی کا خلاف کون کر سکتا ہے- وہ سب پر حاکم ہے- اس پر کسی کی حکومت نہیں-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا
مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ
تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ
وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ
اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ
شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ- کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صاف حجت قائم کر لو؟ ○ منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے- ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار پا لے ○ ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لئے دینداری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں- اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا ○ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گذاری کرتے رہو اور باایمان رہو اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے ○

کافر سے دوستی آگ سے دوستی کے مترادف ہے: ☆☆ (آیت:۱۴۴-۱۴۷) کافروں سے دوستیاں کرنے سے' ان سے دلی محبت

رکھنے سے‘ ان کے ساتھ ہر وقت اٹھنے بیٹھنے سے‘ مسلمانوں کے بھید ان کو دینے سے اور پوشیدہ تعلقات ان سے قائم رکھنے سے اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو روک رہا ہے جیسے اور آیت میں ہے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ الخ‘ مومنوں کو چاہئے کہ بجز مومنوں کے کفار سے دوستی نہ کریں۔ ایسا کرنے والا اللہ کے ہاں کسی بھلائی کا مستحق نہیں۔ ہاں اگر صرف بچاؤ کے طور پر ظاہر داری ہو تو اور بات ہے‘ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈرا رہا ہے یعنی اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو گے تو تمہیں اس کے عذابوں سے ڈرنا چاہئے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان مروی ہے کہ آپ نے فرمایا‘ قرآن میں جہاں کہیں ایسی عبارتوں میں سلطان کا لفظ ہے وہاں اس سے مراد حجت ہے یعنی تم نے اگر مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دلی دوستی کے تعلقات پیدا کئے تو تمہارا یہ فعل کافی ثبوت ہو گا اور پوری دلیل ہو گا اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے‘ کئی ایک سلف مفسرین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

پھر منافقوں کا انجام بیان فرماتا ہے کہ یہ اپنے اس سخت کفر کی وجہ سے جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں داخل کئے جائیں گے دَرْكَ درجہ کے مقابل کا مظہر ہے‘ بہشت میں درجے ہیں۔ ایک سے ایک بلند اور دوزخ میں درك ہیں ایک سے ایک پست۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں‘ انہیں آگ کے صندوقوں میں بند کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا اور یہ جلتے بھنتے رہیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں‘ یہ صندوق لوہے کے ہوں گے جو آگ لگتے ہی آگ کے ہو جائیں گے اور چاروں طرف سے بالکل بند ہوں گے اور کوئی نہ ہو گا جو ان کی کسی طرح کی مدد کرے‘ جہنم سے نکال سکے یا عذابوں میں ہی کچھ کم کرا سکے۔ ہاں ان میں سے جو توبہ کر لیں‘ نادم ہو جائیں اور سچے دل سے نفاق سے ہٹ جائیں اور رب سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہیں‘ پھر اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کریں‘ صرف اللہ کی خوشنودی اللہ اور مرضی مولی کے لئے نیک اعمال پر کمر کس لیں‘ ریاکاری کو اخلاص سے بدل دیں‘ اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لیں تو بیشک اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور انہیں سچے مومنوں میں داخل کر دے گا اور بڑے ثواب اور اعلیٰ اجر عنایت فرمائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں‘ اپنے دین کو خالص کر لو تو تھوڑا عمل بھی تمہیں کافی ہو جائے گا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ غنی ہے‘ بے نیاز ہے‘ بندوں کو سزا کرنی وہ نہیں چاہتا‘ ہاں جب گناہوں پر دلیر ہو جائیں تو گوشمالی ضروری ہے‘ پس فرمایا۔ اگر تم اپنے اعمال کو سنوار لو اور اللہ پر اور اس کے رسول پر سچے دل سے ایمان لاؤ تو کوئی وجہ نہیں جو اللہ تمہیں عذاب کرے۔ وہ تو چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی بھی قدردانی کرنے والا ہے‘ جو اس کا شکر کرے‘ وہ اس کی عزت افزائی کرتا ہے‘ وہ پورے اور صحیح علم والا ہے۔ جانتا ہے کہ کس کا عمل اخلاص والا اور قبولیت اور قدر کے لائق ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کس دل میں قوی ایمان ہے‘ اور کونسا دل ایمان سے خالی ہے‘ جو اخلاص اور ایمان والے ہیں‘ انہیں بھرپور اور کامل بدلے اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے گا (اللہ ہمیں ایمان و اخلاص کی دولت سے مالا مال کرے اور پھر اجر و ثواب سے نہال کرے۔ آمین)

الحمدللہ! تفسیر محمدی ابن کثیر کا پانچواں پارہ ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہمیں اپنے کلام کے سمجھنے سمجھانے کی اور اس پر عامل بن جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! الٰہ تو اس پاک تفسیر کو میرے ہاتھوں ختم کرا اور پوری کتاب چھپی ہوئی مجھے دکھا۔ میرے نامہ اعمال سے گناہوں کو مٹا کر نیکیاں ثابت کرا اور اپنے نیک بندوں میں شمار کر‘ آمین!!!

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾

برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے اللہ تعالیٰ خوب سنتا جانتا ہے ○ اگر تم کسی نیکی کو علانیہ کرو یا پوشیدہ یا کسی برائی سے درگذر کرو پس یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی معافی کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے ○

مظلوم کو فریاد کا حق ہے: ☆☆ (آیت:۱۴۸-۱۴۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو دوسرے کے لئے بددعا کرنی جائز نہیں' ہاں جس پر ظلم کیا گیا ہو اسے اپنے ظالم پر بددعا کرنی جائز ہے اور وہ بھی اگر صبر و ضبط کر لے تو افضلیت اسی میں ہے۔ ابوداؤد میں ہے ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کوئی چیز چور چرا لے گئے تو آپ ان پر بددعا کرنے لگیں۔ حضور رسول مقبول ﷺ نے یہ سن کر فرمایا! کیوں اس کا بوجھ ہلکا کر رہی ہو؟'' حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس پر بددعا نہ کرنی چاہئے بلکہ یہ دعا کرنی چاہئے اَللّٰهُمَّ اَعِنِّی عَلَیْهِ وَاسْتَخْرِجْ حَقِّیْ مِنْهُ یا اللہ اس چور پر تو میری مدد کر اور اس سے میرا حق دلوا دے' آپ سے ایک اور روایت میں مروی ہے کہ اگرچہ رخصت ہے مظلوم ظالم کو کوسے مگر یہ خیال رہے کہ حد سے نہ بڑھ جائے۔ عبدالکریم بن مالک جزری رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' گالی دینے والے کو یعنی برا کہنے والے کو برا تو کہہ سکتے ہیں لیکن بہتان باندھنے والے پر بہتان نہ باندھو۔ اور آیت میں ہے وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ جو مظلوم اپنے ظالم سے اس کے ظلم کا انتقام لے' اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ ابوداؤد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''دو گالیاں دینے والوں کا وبال اس پر ہے جس نے گالیاں دینا شروع کیا۔ ہاں اگر مظلوم حد سے بڑھ جائے تو اور بات ہے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص کسی کے ہاں مہمان بن کر جائے اور میزبان اس کا حق مہمانی ادا نہ کرے تو اسے جائز ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنے میزبان کی شکایت کرے جب تک کہ وہ حق ضیافت ادا نہ کرے۔ ابوداؤد' ابن ماجہ وغیرہ میں ہے ''صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ آپ ہمیں ادھر ادھر بھیجتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ ہماری مہمانداری نہیں کرتے'' آپ نے فرمایا ''سنو اگر وہ اپنے لائق میزبانی کریں تو خیر' ورنہ تم ان سے خود لوازمات میزبانی لے لیا کرو۔ مسند احمد کی حدیث میں فرمان رسولؐ ہے کہ ''جو مسلمان کسی اہل قبلہ کے ہاں مہمان بن کر جائے' ساری رات گذر جائے لیکن وہ لوگ اس کی مہمانداری نہ کریں تو ہر مسلمان پر اس کی نصرت ضروری ہے تاکہ اس میزبان کے مال سے' اس کی کھیتی سے بقدر اس کی مہمانی دلائیں۔ مسند کی اور حدیث میں ہے ''ضیافت کی رات ہر مسلمان پر واجب ہے' اگر کوئی مسافر صبح تک محروم رہ جائے تو یہ اس میزبان کے ذمہ قرض ہے' خواہ ادا کرے خواہ باقی رکھے۔'' ان احادیث کی وجہ سے امام احمد رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب ہے کہ ضیافت واجب ہے۔ ابوداؤد شریف وغیرہ میں ہے ''ایک شخص سرکار رسالت مآب میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ مجھے میرا پڑوسی بہت ایذا پہنچاتا ہے' آپ نے فرمایا' ایک کام کر' اپنا کل مال اسباب گھر سے نکال کر باہر رکھ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا اور راستے پر اسباب ڈال کر وہیں بیٹھ گیا' اب جو گذرتا وہ پوچھتا' کیا بات ہے؟ یہ کہتا ہے میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے۔ میں تنگ آ گیا ہوں' وہ اسے برا بھلا کہتا' کوئی کہتا' ارے اس پڑوسی پر' کوئی کہتا اللہ اسے غارت کرے' جب پڑوسی کو اپنی اس طرح کی رسوائی کا حال معلوم ہوا تو اس کے پاس آیا۔ منتیں کر کے لے گیا کہ اپنے گھر چلو۔ اللہ کی قسم اب مرتے دم تک آپ کو کسی طرح نہ ستاؤں گا۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ
اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ
يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا
وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

ع ۲۱ / ۱۱

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں ○ یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے ○ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔ یہ ہیں جنہیں اللہ ان کے پورے ثواب دے گا' اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے ○

پھر ارشاد ہے کہ اے لوگو تم کسی نیکی کو ظاہر کرو تو اور پوشیدہ کرو تو' تم پر کسی نے ظلم کیا ہو اور تم اس سے درگزر کرو تو اللہ کے پاس تمہارے لئے بڑا ثواب' پورا اجر اور اعلیٰ درجے ہیں۔ خود وہ بھی معاف کرنے والا ہے اور بندوں کی بھی یہ عادت اسے بھاتی ہے' وہ باوجود انتقام کی قدرت کے پھر بھی معاف فرماتا رہتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ "عرش کے اٹھانے والے فرشتے اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں" بعض تو کہتے ہیں" سُبْحَانَكَ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ یا اللہ تیری ذات پاک ہے کہ تو باوجود جاننے کے پھر بھی بردباری اور چشم پوشی کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں سُبْحَانَكَ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ اے قدرت کے باوجود درگذر کرنے والے اللہ تمام پاکیاں تیری ذات کو سزاوار ہیں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے' صدقے اور خیرات سے کسی کا مال گھٹتا نہیں' عفو و درگذر کرنے اور معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ اور عزت بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ کے حکم سے تواضع' فروتنی اور عاجزی اختیار کرے' اللہ اس کا مرتبہ اور توقیر اور بڑھا دیتا ہے۔"

کسی ایک بھی نبی کو نہ ماننا کفر ہے! ☆☆ (آیت: ۱۵۰-۱۵۲) اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جو ایک نبی کو بھی نہ مانے کافر ہے' یہودی سوائے حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہما کے اور تمام نبیوں کو مانتے تھے' نصرانی افضل الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا اور انبیاء پر ایمان رکھتے تھے' سامری یوشع علیہ السلام کے بعد کسی کی نبوت کے قائل نہ تھے۔ حضرت یوشع حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے خلیفہ تھے' مجوسیوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اپنا نبی زرتشت کو مانتے تھے لیکن ان کی شریعت کے جب یہ منکر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے وہ شریعت ہی ان سے اٹھالی۔ واللہ اعلم۔

پس یہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کی یعنی کسی نبی کو مانا' کسی سے انکار کر دیا۔ کسی الٰہی دلیل کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنی نفسانی خواہش' جوش' تعصب اور تقلید آبائی کی وجہ سے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک نبی کو نہ ماننے والا اللہ کے نزدیک تمام نبیوں کا منکر ہے اس لئے کہ اگر اور انبیاء کو بوجہ ان کے نبی ہونے کے مانتا تو اس نبی کو ماننا بھی اسی وجہ سے اس پر ضروری تھا' جب وہ ایک کو نہیں مانتا تو معلوم ہوا کہ جنہیں وہ مانتا ہے' انہیں بھی کسی دنیوی غرض اور ہوا و ہوس کی وجہ سے مانتا ہے۔ پس ان کی شریعت ماننے نہ ماننے کے

درمیان کی ہے۔ یہ یقینی اور حتمی کفار ہیں' کسی نبی پر ان کا شرعی ایمان نہیں بلکہ تقلیدی اور تعصبی ایمان ہے جو قابل قبول نہیں' پس ان کفار کو اہانت اور رسوائی والے عذاب ہوں گے۔ کیونکہ جن پر یہ ایمان نہ لا کر ان کی توہین کرتے تھے۔ اس کا بدلہ یہی ہے کہ ان کی توہین ہو اور انہیں ذلت والے عذاب میں ڈالا جائے۔ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ خواہ غور وفکر نہ کر کے نبوت کی تصدیق نہ کرنا ہو' خواہ حق واضح ہو چکنے کے بعد دنیوی وجہ سے منہ موڑ کر نبوت سے انکار کر جانا ہو' جیسے اکثر یہودی علماء کا شیوہ حضورؐ کے بارے میں تھا کہ محض حسد کی وجہ سے آپ کی عظیم الشان نبوت کے منکر ہو گئے اور آپ کی مخالفت وعداوت میں آ کر مقابلے پر تل گئے۔ پس اللہ نے ان پر دنیا کی ذلت بھی ڈالی اور آخرت کی ذلت کی مار بھی ان کے لئے تیار کر رکھی۔ پھر امت محمدؐ کی تعریف ہو رہی ہے کہ یہ اللہ پر ایمان رکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام کو اور تمام آسمانی کتابوں کو بھی خدائی کتابیں تسلیم کرتے ہیں جیسے اور آیت میں ہے کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ پھر ان کے لئے جو اجر جمیل اور ثواب عظیم اس نے تیار کر رکھا ہے' اسے بھی بیان فرما دیا کہ ان کے ایمان کامل کے باعث انہیں اجر وثواب عطا ہوں گے۔ اگر ان سے کوئی گناہ بھی سرزد ہو گیا تو اللہ معاف فرما دے گا اور ان پر اپنی رحمت کی بارش برسائیں گے۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

تجھ سے یہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ تو ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب لا دے۔ حضرت موسیٰ سے تو انہوں نے اس سے بہت بڑی درخواست کی تھی' کہا تھا کہ تو ہمیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو دکھا دے پس ان کے اس ظلم کے باعث ان پر کڑاکے کی بجلی آ پڑی' پھر باوجودیکہ ان کے پاس بہت دلیلیں پہنچ چکی تھیں' انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا لیکن ہم نے یہ بھی معاف فرما دیا' اور ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ اور صریح دلیل عنایت فرمائی ○

محسوس معجزہ کی مانگ اور بنی اسرائیل کی حجت بازیاں: ☆☆ (آیت:۱۵۳) یہودیوں نے جناب رسالت مآب ﷺ سے کہا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے تورات ایک ساتھ لکھی ہوئی ہمارے پاس لائے' آپ بھی کوئی آسمانی کتاب پوری لکھی لکھائی لے آیئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے نام اللہ تعالیٰ خط بھیجے کہ ہم آپ کی نبوت کو مان لیں۔ یہ سوال بھی ان کا بدنیتی سے بطور مذاق کے اور بطور کفر کے تھا۔ جیسے کہ اہل مکہ نے بھی اسی طرح کا ایک سوال کیا تھا' جس طرح سورۂ سبحان میں مذکورہ ہے کہ ''جب تک عرب کی سرزمین میں دریاؤں کی ریل پیل اور تروتازگی کا دور دورہ نہ ہو جائے' ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔'' پس بطور تسلی کے آنحضرت ﷺ سے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے' ان کی اس سرکشی اور بے جا سوال پر آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ ان کی یہ بدعادت پرانی ہے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ سے اس سے بھی زیادہ بیہودہ سوال کیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ خود دکھائے' اس تکبر اور سرکشی اور فضول سوال کی پاداش بھی یہ بھگت چکے ہیں یعنی ان پر آسمانی بجلی گری تھی۔ جیسے سورۂ بقرہ میں تفصیل وار بیان گذر چکا۔ ملاحظہ ہو آیت وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً الخ' یعنی ''جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو ہم

صاف طور پر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، پس تمہیں بجلی کے کڑاکے نے پکڑ لیا اور ایک دوسرے کے سامنے سب ہلاک ہو گئے پھر بھی ہم نے تمہاری موت کے بعد پھر تمہیں زندہ کر دیا کہ تم شکر کرو۔''

پھر فرماتا ہے کہ ''بڑی بڑی نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد بھی ان لوگوں نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔'' مصر میں اپنے دشمن فرعون کا حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں ہلاک ہونا' اس کے تمام لشکروں کا نامرادی کی موت مرنا' ان کا اس دریا سے بچ کر پار نکل آنا' ابھی ابھی ان کی نگاہوں کے سامنے ہوا تھا لیکن وہاں سے چل کر کچھ دور جا کر بت پرستوں کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے پیغمبرؑ سے کہتے ہیں ''ہمارا بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دو۔'' جس کا پورا بیان سورۂ اعراف میں ہے اور سورۂ طٰہٰ میں بھی' پھر حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہیں' ان کی توبہ کی قبولیت کی یہ صورت ٹھہرتی ہے کہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی وہ گوسالہ پرستوں کو قتل کریں جب قتل شروع ہو جاتا ہے' اللہ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور مرے ہوؤں کو بھی دوبارہ زندہ کر دیتا ہے۔ پس یہاں فرماتا ہے' ہم نے اس سے بھی درگذر کیا اور یہ جرم عظیم بھی بخش دیا اور موسیٰؑ کو ظاہر حجت اور کھلا غلبہ عنایت فرمایا۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيظًا ﴿۱۵۴﴾

اور ان کا قول لینے کے لئے ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لا کھڑا کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازہ میں جاؤ اور یہ بھی فرما دیا کہ ہفتے کے دن میں تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت سخت قول قرار لئے ۝

بنی اسرائیل پر عائد پابندیاں: ☆☆ (آیت: ۱۵۴) اور جب ان لوگوں نے توراۃ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری سے بیزاری ظاہر کی تو ان کے سروں پر طور پہاڑ کو معلق کھڑا کر دیا اور ان سے کہا کہ اب بولو! پہاڑ گرا کر دبا دوں یا احکام قبول کرتے ہو؟ تو یہ سب سجدے میں گر پڑے اور گریہ وزاری شروع کی اور احکام الٰہی بجا لانے کا مضبوط عہد و پیان کیا یہاں تک کہ دل میں دہشت تھی اور سجدے میں کنکھیوں سے اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ نہ گر پڑے اور دب کر نہ مر جائیں' پھر پہاڑ ہٹایا گیا۔

ان کی دوسری سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ قول و فعل دونوں کو بدل دیا' حکم ملا تھا کہ بیت المقدس کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور حطة کہیں ''یعنی اے اللہ ہماری خطائیں بخش کہ ہم نے جہاد چھوڑ دیا اور تھک کر بیٹھ رہے جس کی سزا میں چالیس سال میدان تیہہ میں سرگشتہ و حیران و پریشان رہے'' لیکن ان کی کم ظرفی کا یہاں مظاہرہ ہوا اور اپنی رانوں کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے میں جانے لگے اور حِنْطَةٌ فِيْ شَعْرَةٍ کہنے لگے یعنی گیہوں کی بالیں ہمیں دے۔ پھر ان کی اور شرارت سنئے۔ ہفتہ والے دن کی تعظیم و تکریم کرنے کا ان سے وعدہ لیا گیا اور مضبوط عہد و پیان ہو گیا لیکن انہوں نے اس کی بھی مخالفت کی' نافرمانی پر کمر بستہ ہو کر حرمت کے ارتکاب کے حیلے نکال لئے۔ جیسے کہ سورۂ اعراف میں مفصل بیان ہے۔ ملاحظہ ہو آیت وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ الخ' ایک حدیث میں بھی ہے کہ یہودیوں سے خاصتہ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن کی تعظیم کا عہد لیا تھا۔ یہ پوری حدیث سورۂ سبحان کی آیت لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ الخ' کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ!

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥٥﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾

(یہ سزا) بہ سبب ان کی عہد شکنی کے اور احکام الٰہی کے ساتھ کفر کرنے کے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے اور یوں کہنے کے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے حالانکہ دراصل ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے' پس یہ قدرے قلیل ہی ایمان لاتے ہیں ○ اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث ○

اہل کتاب' قاتلان انبیاء عیسیٰ علیہ السلام کی روداد اور مراحل قیامت: ☆☆ (آیت: ۱۵۵-۱۵۶) اہل کتاب کے ان گناہوں کا بیان ہو رہا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمتوں سے دور ڈال دیئے گئے اور ملعون وجلاوطن کر دیئے گئے- اولاً تو ان کی عہد شکنی یہ تھی کہ جو وعدے اللہ سے انہوں نے کئے ان پر قائم نہ رہے' دوسرے اللہ کی آیتوں یعنی حجت و دلیل اور نبیوں کے معجزوں سے انکار اور کفر' تیسری بے وجہ ناحق انبیاء کرام کا قتل- ان کے رسولوں کی ایک بڑی جماعت ان کے ہاتھوں قتل ہوئی- چوتھی ان کا یہ خیال اور یہ قول کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں یعنی پردے میں ہیں' جیسے مشرکین نے کہا تھا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ یعنی' اے نبی تیری دعوت سے ہمارے دل پردے میں ہیں' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ" ہمارے دل علم کے ظروف ہیں- وہ علم وعرفان سے پر ہیں-" سورۂ بقرہ میں بھی اس کی نظیر گذر چکی ہے' اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تردید کرتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے کیونکہ یہ کفر میں پختہ ہو چکے تھے- پس پہلی تفسیر کی بنا پر یہ مطلب ہوا کہ وہ عذر کرتے تھے کہ ہمارے دل بوجہ ان پر غلاف ہونے کے نبی کی باتوں کو یاد نہیں کر سکتے تو انہیں جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں بلکہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دل مسخ ہو گئے ہیں اور دوسری تفسیر کی بنا پر تو جواب ہر طرح ظاہر ہے- سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس کی پوری تفصیل وتشریح گذر چکی ہے- پس بطور نتیجے کے فرما دیا کہ اب ان کے دل کفر وسرکشی اور کمی ایمان پر ہی رہیں گے-

پھر ان کا پانچواں جرم عظیم بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے سیدہ مریم علیہا السلام پر زناکاری جیسی بدترین شرمناک تہمت لگائی اور اسی زناکاری کے حمل سے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا شدہ بتلایا' بعض نے اس سے بھی ایک قدم آگے رکھا اور کہا کہ یہ بدکاری حیض کی حالت میں ہوئی تھی- اللہ کی ان پر پھٹکار ہو کہ ان کی بدزبانی سے اللہ کے مقبول بندے بھی نہ بچ سکے-

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ﴿١٥٧﴾

اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریمؑ کو قتل کر دیا' حالانکہ نہ تو انہوں نے انہیں قتل کیا نہ سولی چڑھایا بلکہ ان کے لئے وہی صورت بنادی گئی تھی' یقین جانو کہ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے حال میں شک میں ہیں' انہیں اس کا کوئی یقین نہیں' بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے' اتنا یقینی ہے ○

بنی اسرائیل کا تمسخر اور بڑ بازی: ☆☆ (آیت:۱۵۷) پھر ان کا چھٹا گناہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ بطور تمسخر اور اپنی بڑائی کے یہ ہانک بھی لگاتے ہیں کہ ''ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو مار ڈالا'' - جیسے کہ بطور تمسخر کے مشرکین حضورؐ سے کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے' تو' تو مجنون ہے- پورا واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت دے کر بھیجا اور آپ کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے دکھائے مثلاً بچپن کے اندھوں کو بینا کرنا' کوڑھیوں کو اچھا کرنا' مردوں کو زندہ کرنا' مٹی کے پرند بنا کر پھونک مارنا اور ان کا جاندار ہو کر اڑ جانا وغیرہ' تو یہودیوں کو سخت طیش آیا اور یہ مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور ہر طرح سے ایذا رسانی شروع کر دی' آپ کی زندگی تنگ کر دی' کسی بستی میں چند دن آرام کرنا بھی آپ کو نصیب نہ ہوا' ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں میں اپنی والدہ کے ساتھ سیاحت میں گذاری' پھر بھی انہیں سکھ نہ آیا' اور یہ اس زمانے کے دمشق کے بادشاہ کے پاس گئے- یہ ستارہ پرست مشرک شخص تھا (اس مذہب والوں کے ملک کو اس وقت یونان کہا جاتا تھا) یہاں آ کر یہ بہت روئے پیٹے اور بادشاہ کو حضرت عیسیٰؑ کے خلاف اکسایا اور کہا کہ یہ شخص بڑا مفسد ہے- لوگوں کو بہکا رہا ہے' روز نئے فتنے کھڑے کرتا ہے' امن میں خلل ڈالتا ہے' لوگوں کو بغاوت سکھاتا ہے وغیرہ- بادشاہ نے اپنے گورنر کو جو بیت المقدس میں تھا' ایک فرمان لکھا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کر لے اور سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر لوگوں کو اس دکھ سے نجات دلوائے- اس نے فرمان شاہی پڑھ کر یہودیوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ لے کر اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں روح اللہ تھے' آپ کے ساتھ اس وقت بارہ تیرہ یا زیادہ سے زیادہ سترہ آدمی تھے' جمعہ کے دن عصر کے بعد اس نے محاصرہ کیا اور ہفتہ کی رات تک مکان کو گھیرے میں لئے رہا-

جب حضرت عیسیٰؑ نے یہ محسوس کر لیا کہ اب یا تو وہ مکان میں گھس کر آپ کو گرفتار کر لیں گے یا آپ کو خود باہر نکلنا پڑے گا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا' تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈال دی جائے یعنی اس کی صورت اللہ مجھ جیسی بنا دے اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو اور مجھے اللہ مخلصی دے؟ میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں'' - اس پر ایک نوجوان نے کہا مجھے یہ منظور ہے لیکن حضرت عیسیٰؑ نے انہیں اس قابل نہ جان کر دوبارہ یہی کہا' تیسری دفعہ بھی کہا مگر ہر مرتبہ صرف یہی تیار ہوئے' رضی اللہ تعالیٰ عنہ- اب آپ نے یہی منظور فرما لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صورت قدرتاً بدل گئی' بالکل یہ معلوم ہونے لگا کہ حضرت عیسیٰؑ یہی ہیں اور چھت کی طرف ایک روزن نمودار ہو گیا اور حضرت عیسیٰؑ کی اونگھ کی حالت ہو گئی اور اسی طرح وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے-

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا- بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا ہے' اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے ○ اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے' اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے ○

(آیت:۱۵۹) جیسے قرآن کریم میں ہے اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ الخ' یعنی جب اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ''اے عیسیٰؑ میں تم سے مکمل تعاون کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔'' حضرت روح اللہؑ کے سوئے ہوئے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد یہ لوگ اس گھر سے باہر نکلے' یہودیوں کی جماعت نے اس بزرگ صحابی کو جس پر جناب مسیح علیہ السلام کی شباہت ڈال دی گئی تھی' عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور راتوں رات اسے سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ اب یہود خوشیاں منانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا اور لطف تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی کم عقل اور جاہل جماعت نے بھی یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی اور ہاں صرف وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس مکان میں تھے اور جنہیں یقینی طور پر معلوم تھا کہ مسیح آسمان پر چڑھا لئے گئے اور یہ فلاں شخص ہے جو دھوکے میں ان کی جگہ کام آیا۔ باقی عیسائی بھی یہودیوں کا سا راگ الاپنے لگے' یہاں تک کہ پھر یہ بھی گھڑ لیا کہ والدہ عیسیٰؑ سولی تلے بیٹھ کر روتی چلاتی رہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے کچھ باتیں بھی کیں' واللہ اعلم۔

دراصل یہ سب باتیں اللہ کی طرف سے اپنے بزرگ بندوں کا امتحان ہیں جو اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے' پس اس غلطی کو اللہ تعالیٰ نے واضح اور ظاہر کر کے حقیقت حال سے اپنے بندوں کو مطلع فرما دیا اور اپنے سب سے بہتر رسولؐ اور بڑے مرتبے والے پیغمبر کی زبانی اپنے پاک اور سچے اور بہترین کلام میں صاف فرما دیا کہ ''حقیقتاً نہ کسی نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کیا' نہ سولی دی بلکہ ان کی شبیہہ جس پر ڈالی گئی تھی' اسے عیسیٰؑ ہی سمجھ بیٹھے' جو یہود و نصاریٰ آپ کے قتل کے قائل ہو گئے' وہ سب کے سب شک و شبہ میں حیرت و ضلالت میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں نہ انہیں خود کچھ علم ہے' صرف انکل پچو سنی سنائی باتوں کی تقلیدی چال کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں''۔ اسی لئے پھر اسی کے متصل فرما دیا کہ ''یہ یقینی امر ہے کہ روح اللہؑ کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ جناب باری عزاسمہ نے جو غالب تر ہے اور جس کی قدرتیں بندوں کے فہم میں بھی نہیں آسکتیں اور جس کی حکمتوں کی تہہ تک اور جس کے کاموں کی لم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا' اپنے خاص بندے کو جنہیں اپنی روح کہا تھا' اپنے پاس اٹھا لیا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانا چاہا تھا' آپ گھر میں آئے اور گھر میں بارہ حواری تھے' آپ کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' آپ نے فرمایا! تم میں بعض ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں مگر کچھ مجھ سے کفر کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا ''تم میں سے کون شخص اسے پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شبیہہ ڈالی جائے اور میری جگہ وہ قتل کر دیا جائے اور جنت میں میرا رفیق بنے''۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت روح اللہ کی پیش گوئی کے مطابق بعض نے آپ سے بارہ بارہ بار کفر کیا۔ پھر ان کے تین گروہ ہو گئے۔ یعقوبیہ' نسطوریہ اور مسلمان' یعقوبیہ تو کہنے لگے خود اللہ ہم میں تھا' جب تک چاہا رہا' پھر آسمان پر چڑھ گیا' نسطوریہ کا خیال ہو گیا کہ اللہ کا لڑکا ہم میں تھا' جسے ایک زمانے تک ہم میں رکھ کر پھر اللہ نے اپنے پاس چڑھا لیا اور مسلمان کا یہ عقیدہ رہا کہ اللہ کا بندہ اور رسولؑ ہم میں تھا۔ جب تک اللہ نے چاہا' وہ ہم میں رہا اور پھر اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔ ان پہلے دو گمراہ فرقوں کا زور ہو گیا اور انہوں نے تیسرے سچے اور اچھے فرقے کو کچلنا اور دبانا شروع کیا' چنانچہ یہ کمزور ہوتے گئے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کو مبعوث فرما کر اسلام کو غالب کیا۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہے اور نسائی میں حضرت ابو معاویہؓ سے بھی یہ منقول ہے۔ اسی طرح سلف میں سے بہت سے بزرگوں کا قول ہے' حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس وقت شاہی سپاہی اور یہودی حضرت عیسیٰؑ پر چڑھ دوڑے اور گھیرا ڈال دیا اس وقت آپ کے ساتھ سترہ آدمی تھے۔ ان لوگوں نے جب دروازے کھول کر دیکھا تو دیکھا کہ سب کے سب حضرت عیسیٰؑ کی صورت میں ہیں تو کہنے لگے تم لوگوں نے ہم پر جادو کر دیا ہے' اب یا تو تم اسے جو حقیقی عیسیٰ ہوں' ہمیں سونپ دو یا اسے منظور کر لو کہ ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں۔ یہ سن کر روح اللہؑ نے فرمایا ''کوئی ہے جو جنت میں میرا رفیق بنے اور یہاں میرے بدلے سولی پر

چڑھنا منظور کرے'' ایک صحابی اس کے لئے تیار ہو گئے اور کہنے لگے' عیسیٰؑ میں تیار ہوں' چنانچہ دشمنان دین نے انہیں گرفتار کیا۔ قتل کیا اور سولی چڑھایا اور بغلیں بجانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا' حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ دھوکے میں پڑ گئے اور اللہ نے اپنے رسولؑ کو اسی وقت اپنے پاس چڑھا لیا۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم کرا دیا کہ وہ دنیا سے خارج ہونے والے ہیں تو آپ پر بہت گراں گذرا اور موت کی گھبراہٹ بڑھ گئی تو آپ نے حواریوں کی دعوت کی' کھانا تیار کیا اور سب سے کہہ دیا کہ آج رات کو میرے پاس تم سب ضرور آنا' مجھے ایک ضروری کام ہے۔ جب وہ آئے تو خود کھانا کھلایا۔ سب کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے رہے' جب وہ کھا چکے تو خود ان کے ہاتھ دھلائے اور اپنے کپڑوں سے ان کے ہاتھ پونچھے۔ یہ ان پر بھاری پڑا اور برا بھی لگا لیکن آپ نے فرمایا ''سنو اس رات میں جو کر رہا ہوں' اگر تم میں کسی نے مجھے اس سے روکا تو میرا اس کا کچھ واسطہ نہیں نہ وہ میرا نہ میں اس کا''۔ چنانچہ وہ سب خاموش رہے۔ جب آپ ان تمام کاموں سے فارغ ہو گئے تو فرمایا' دیکھو تمہارے نزدیک میں تم سب سے بڑے مرتبے کا ہوں اور میں نے تمہاری خدمت خود کی ہے' یہ اس لئے کہ تم میری اس سنت پر عامل بن جاؤ۔ خبردار تم میں سے کوئی اپنے تئیں اپنے بھائیوں سے بڑا نہ سمجھے' بلکہ ہر بڑا چھوٹے کی خدمت کرے۔ جس طرح خود میں نے تمہاری کی ہے۔ اب تم سے میرا جو خاص کام تھا جس کی وجہ سے آج میں نے تمہیں بلایا ہے وہ بھی سن لو کہ ''تم سب مل کر آج رات بھر خشوع وخضوع سے میرے لئے دعائیں کرو کہ میرا اللہ میری اجل کو موخر کر دے'' چنانچہ سب نے دعائیں شروع کیں لیکن خشوع وخضوع کا وقت آنے سے پہلے ہی اس بے طرح انہیں نیند آنے لگی کہ زبان سے ایک لفظ نکالنا مشکل ہو گیا' آپ انہیں بیدار کرنے لگے اور ایک ایک کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہنے لگے' تمہیں کیا ہو گیا؟ ایک رات بھی جاگ نہیں سکتے؟ میری مدد نہیں کرتے؟ لیکن سب نے جواب دیا' اے رسول اللہؑ ہم خود حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک چھوڑ کئی کئی راتیں جاگتے تھے' جاگنے کے عادی ہیں لیکن اللہ جانے آج کیا بات ہے کہ بری طرح نیند نے گھیر رکھا ہے۔ دعا کے اور ہمارے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے' تو آپ نے فرمایا۔ اچھا پھر چرواہا نہ رہے گا اور بکریاں تین تیرہ ہو جائیں گی' غرض اشاروں کنایوں میں اپنا مطلب ظاہر کرتے رہے پھر فرمایا ''دیکھو تم میں سے ایک شخص صبح کا مرغ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرے ساتھ کفر کرے گا اور تم میں سے ایک چند درہموں کے بدلے مجھے بیچ دے گا اور میری قیمت کھائے گا'' اب یہ لوگ یہاں سے باہر نکلے۔ ادھر ادھر چلے گئے' یہود جو اپنی جستجو میں تھے' انہوں نے شمعون حواری کو پہچان کر اسے پکڑا اور کہا' یہ بھی اس کا ساتھی ہے' مگر شمعون نے کہا'' غلط ہے۔ میں اس کا ساتھی نہیں ہوں۔ انہوں نے یہ باور کر کے اسے چھوڑ دیا لیکن کچھ آگے جا کر یہ دوسری جماعت کے ہاتھ لگ گیا' وہاں سے بھی اسی طرح انکار کر کے اپنا آپ چھڑوایا۔ اتنے میں مرغ نے بانگ دی۔ اب یہ پچھتانے لگے اور سخت غمگین ہوئے۔ صبح ایک حواری یہودیوں کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں تمہیں عیسیٰ کا پتہ بتلا دوں تو تم مجھے کیا دلواؤ گے؟ انہوں نے کہا تیس درہم' چنانچہ اس نے وہ رقم لے لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتلا دیا۔ اس سے پہلے وہ شبہ میں تھے۔ اب انہوں نے گرفتار کر لیا اور رسیوں میں جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور بطور طعنہ زنی کے کہتے جاتے تھے کہ آپ تو مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ جنات کو بھگا دیا کرتے تھے' مجنوں کو اچھا کر دیا کرتے تھے' اب کیا بات ہے کہ خود اپنے تئیں نہیں بچا سکتے۔ ان رسیوں کو بھی نہیں توڑ سکتے' تھو ہے تمہارے منہ پر! یہ کہتے جاتے تھے اور کانٹے ان کے اوپر ڈالتے جاتے تھے۔ اسی طرح بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے جب اس لکڑی کے پاس لائے جہاں سولی دینی تھی اور ارادہ کیا کہ سولی چڑھا دیں' اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؑ کو اپنی طرف چڑھا لیا اور انہوں نے دوسرے شخص کو جو آپ کے مشابہ تھا' سولی پر چڑھا دیا۔'' پھر سات دن کے بعد حضرت مریمؑ اور وہ عورت جس کو حضرت عیسیٰؑ نے جن سے نجات دلوائی

تھی، وہاں آئیں اور رونے پیٹنے لگیں تو ان کے پاس حضرت عیسیٰؑ آئے اور ان سے کہا کہ ''کیوں روتی ہو؟ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلند کر لیا ہے اور مجھے ان کی ازیتیں نہیں پہنچیں، ان پر تو شبہ ڈال دیا گیا ہے، میرے حواریوں سے کہو کہ مجھ سے فلاں جگہ ملیں'' چنانچہ یہ بشارت جب حواریوں کو ملی تو وہ سب کے سب گیارہ آدمی اس جگہ پہنچے، جس حواری نے آپ کو بیچا تھا، اسے انہوں نے وہاں نہ پایا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے اپنا گلا گھونٹ کر آپ ہی مر گیا، اس نے خودکشی کر لی۔ آپ نے فرمایا ''اگر وہ توبہ کرتا تو اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا''۔ پھر پوچھا کہ یہ بچہ جو تمہارے ساتھ ہے، اس کا نام یحیٰی ہے، اب یہ تمہارا ساتھی ہے۔ سنو صبح کو تمہاری زبانیں بدل دی جائیں گی، ہر شخص اپنی اپنی قوم کی زبان بولنے لگے گا، تو اسے چاہئے کہ اسی قوم میں جا کر اسے میری دعوت پہنچائے اور اللہ سے ڈرائے۔ یہ واقعہ نہایت ہی غریب ہے۔

ابن اسحاق کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ جس نے حضرت عیسیٰؑ کے قتل کے لئے اپنی فوج بھیجی تھی، اس کا نام داؤد تھا۔ حضرت عیسیٰؑ اس وقت سخت گھبراہٹ میں تھے، کوئی شخص اپنی موت سے اس قدر پریشان، حواس باختہ اور اس قدر رووایلا کرنے والا نہ ہو گا جس قدر آپ نے اس وقت کیا۔ یہاں تک کہ فرمایا، اے اللہ اگر تو موت کے پیالے کو کسی سے بھی ٹالنے والا ہے تو مجھ سے ٹال دے اور یہاں تک کہ گھبراہٹ اور خوف کے مارے ان کے بدن سے خون پھوٹ کر بہنے لگا، اس وقت اس مکان میں آپ کے ساتھ بارہ حواری تھے، جن کے نام یہ ہیں فرطوس، یعقوبس، ربدا نجس، (یعقوب کا بھائی) اندارابلیس، فیلبس، ابن یلما، منتا، طوماس، یعقوب بن حلقایا، نداوسیس، قتابیا، لیودس وکریا یوطا۔ بعض کہتے ہیں تیرہ آدمی تھے اور ایک کا نام سرجس تھا۔ اسی نے اپنا آپ سولی پر چڑھایا جانا حضرت عیسیٰؑ کی بشارت پر منظور کیا تھا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھا لئے گئے اور بقیہ لوگ یہودیوں کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے، اب جو گنتی گنتے ہیں تو ایک کم نکلا۔ اس کے بارے میں ان میں آپس میں اختلاف ہوا۔ یہ لوگ جب اس جماعت پر چھاپہ مارتے ہیں اور انہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عیسیٰؑ کو چونکہ پہچانتے نہ تھے تو لیودس وکریا یوطا نے تیس درہم لے کر ان سے کہا تھا کہ میں سب سے پہلے جاتا ہوں۔ جسے میں جا کر بوسہ دوں، تم سمجھ لینا کہ عیسیٰ وہی ہے، جب یہ اندر پہنچتے ہیں، اس وقت حضرت عیسیٰ اٹھا لئے گئے تھے اور حضرت سرجس آپ کی صورت میں بنا دیئے گئے تھے، اس نے جا کر حسب قرارداد انہی کا بوسہ لیا اور یہ گرفتار کر لئے گئے۔ پھر تو یہ بہت نادم ہوا اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر پھانسی پر لٹک گیا اور نصرانیوں میں ملعون بنا۔ بعض کہتے ہیں، اس کا نام یودس رکریا یوطا تھا، یہ جیسے ہی حضرت عیسیٰؑ کی پہچان کرانے کے لئے اس گھر میں داخل ہوا، حضرت عیسیٰ تو اٹھا لئے گئے اور خود اس کی صورت حضرت عیسیٰ جیسی ہو گئی اور اسی کو لوگوں نے پکڑ لیا، یہ ہزار چیختا چلاتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں، میں تو تمہارا ساتھی ہوں، میں نے ہی تو تمہیں عیسیٰ کا پتہ دیا تھا لیکن کون سنے؟ آخر اسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ اب اللہ ہی کو علم ہے کہ یہی تھا یا وہ تھا، جس کا ذکر پہلے ہوا۔ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ حضرت روح اللہ کی مشابہت جس پر ڈال دی گئی تھی، اسے صلیب پر چڑھایا اور حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ''حضرت عیسیٰ کی شبیہ آپ کے ان تمام ساتھیوں پر ڈال دی گئی تھی۔'' اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ جناب روح اللہ کی موت سے پہلے جملہ اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے اور قیامت تک آپ ان کے گواہ ہوں گے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔

ایک تو یہ کہ عیسیٰؑ موت سے پہلے یعنی جب آپ قتل دجال کے لیے دوبارہ زمین پر آئیں گے، اس وقت تمام مذاہب اٹھ جائیں گے اور صرف ملت اسلامیہ جو دراصل ابراہیم حنیف کی ملت ہے، رہ جائے گی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں موتہ سے مراد موت عیسیٰ ہے۔[1] ابو مالک

" فرماتے ہیں جب جناب مسیح اتریں گے' اس وقت کل اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے۔ ابن عباسؓ سے اور روایت میں ہے' خصوصاً یہودی ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں یعنی نجاشی اور ان کے ساتھی۔ آپ سے مروی ہے کہ قسم اللہ کی حضرت عیسیٰ اللہ کے پاس اب زندہ موجود ہیں۔ جب آپ زمین پر نازل ہوں گے' اس وقت اہل کتاب میں سے ایک بھی باقی نہ بچے گا جو آپ پر ایمان لائے۔ آپ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اپنے پاس اٹھالیا ہے اور قیامت سے پہلے آپ کو دوبارہ زمین پر اس حیثیت سے بھیجے گا کہ ہر نیک و بد آپ پر ایمان لائے گا۔ حضرت قتادہ' حضرت عبدالرحمٰن وغیرہ بہت سے مفسرین کا یہی فیصلہ ہے اور یہی قول حق ہے اور یہی تفسیر بالکل ٹھیک ہے' ان شاء اللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے ہم اسی کو بادلائل ثابت کریں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر اہل کتاب آپ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا ہے۔ اس لئے کہ موت کے وقت حق و باطل سب پر کھل جاتا ہے تو ہر کتابی حضرت عیسیٰؑ کی حقانیت کو زمین سے سدھارنے سے پہلے یاد کر لیتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' کوئی یہودی نہیں مرتا جب تک کہ وہ حضرت روح اللہؑ پر ایمان نہ لائے۔ حضرت مجاہدؒ کا یہی قول ہے۔ بلکہ ابن عباسؓ سے تو یہاں تک مروی ہے کہ اگر کسی اہل کتاب کی گردن تلوار سے اڑا دی جائے تاہم اس کی روح نہیں نکلتی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لائے اور یہ نہ کہہ دے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت ابی کی تو قرات میں قَبْلَ مَوْتِهِمْ ہے۔ ابن عباسؓ سے پوچھا جاتا ہے کہ فرض کرو کوئی دیوار سے گر کر مر جائے؟ فرمایا' پھر بھی اس درمیانی فاصلے میں وہ ایمان لا چکتا ہے۔ عکرمہؒ' محمد بن سیرینؒ' محمد ضحاکؒ' سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک قول امام حسنؒ سے ایسا بھی مروی ہے کہ جس کا مطلب پہلے قول کا سا بھی ہوسکتا ہے اور حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے کا بھی ہوسکتا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی نہیں مگر کہ وہ آنحضرت ﷺ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لائے گا۔ عکرمہؒ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' اب سب اقوال میں زیادہ ترصحیح قول پہلا ہی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ آسمان سے قریب قیامت کے اتریں گے' اس وقت کوئی اہل کتاب آپ پر ایمان لائے بغیر نہ رہے گا۔ فی الواقع امام صاحب کا یہ فیصلہ حق بجانب ہے۔ اس لئے کہ یہاں کی آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود یہودیوں کے اس دعوے کو غلط ثابت کرنا ہے کہ ہم نے جناب مسیح کو قتل کیا اور سولی دی۔ اور اسی طرح جن جاہل عیسائیوں نے بھی کہا ہے' ان کے قول کو بھی باطل کرنا ہے' تو اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ فی الواقع نفس الامر میں نہ تو روح اللہ مقتول ہوئے' نہ مصلوب ہوئے بلکہ ان کے لئے شبہ ڈال دیا گیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ جیسے ایک شخص کو قتل کیا لیکن خود انہیں اس حقیقت کا علم نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تو اپنے پاس چڑھا لیا۔ وہ زندہ ہیں' اب تک باقی ہیں۔ قیامت کے قریب اتریں گے' جیسے صحیح متواتر حدیثوں میں ہے' مسیح ہر گمراہ کو قتل کریں گے صلیب کو توڑیں گے۔ خنزیروں کو قتل کریں گے' جزیہ قبول نہیں کریں گے' اعلان کر دیں گے کہ یا تو اسلام کو قبول کرو یا تلوار سے مقابلہ کرو۔ پس اس آیت میں خبر دیتا ہے کہ اس وقت تمام اہل کتاب آپ کے ہاتھ پر ایمان قبول کریں گے اور ایک بھی ایسا نہ رہے گا جو اسلام کو مانے بغیر رہ جائے یا رہ سکے۔ پس جسے یہ گمراہ یہود اور یہ جاہل نصرانی مرا ہوا جانتے ہیں اور سولی پر چڑھایا ہوا مانتے ہیں' یہ ان کی حقیقی موت سے پہلے ہی ان پر ایمان لائیں گے اور جو کام انہوں نے ان کی موجودگی میں کئے ہیں اور کریں گے' یہ ان پر قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دیں گے یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کے قبل زندگی کے مشاہدہ کئے ہوئے کام اور دوبارہ کی آخری زندگی جو زمین پر گذاریں گے' اس میں ان کے سامنے جو کام انہوں نے کئے' وہ سب آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوں گے اور اللہ کے سامنے انہیں پیش

کریں گے۔

ہاں ان کی تفسیر میں جو دو قول اور بیان ہوئے ہیں وہ بھی واقعہ کے اعتبار سے بالکل صحیح اور درست ہیں۔ فرشتہ موت کے آ جانے کے بعد احوال آخرت، سچ جھوٹ کا معائنہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہر شخص سچائی کو سچ کہنے اور سمجھنے لگتا ہے لیکن وہ ایمان اللہ کے نزدیک معتبر نہیں، اسی سورت کے شروع میں ہے وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْاٰنَ الخ، اور جگہ فرمان ہے فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ الخ، یعنی جو لوگ موت کے آ جانے تک برائیوں میں مشغول رہے ان کی توبہ قبول نہیں اور جو لوگ عذاب اللہ دیکھ کر ایمان لائیں، انہیں بھی ان کا ایمان نفع نہ دے گا۔ پس ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر ہم کہتے ہیں کہ پچھلے دو اقوال کی جو امام ابن جریرؒ نے تردید کی ہے، یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ امام صاحب فرماتے ہیں اگر پچھلے دونوں قولوں کو اس آیت کی تفسیر میں صحیح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ کسی یہودی یا نصرانی کے اقرباء اس کے وارث نہ ہوں، اس لئے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ پر اور حضرت محمدؐ پر ایمان لا کر مرا اور اس کے وارث یہود و نصاریٰ ہیں، اور مسلمان کا وارث کافر ہو نہیں سکتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب ایمان ایسے وقت لائے کہ اللہ کے نزدیک معتبر ہو، نہ ایسے وقت ایمان لانا جو بالکل بے سود ہے۔ ابن عباسؓ کے قول پر گہری نظر ڈالئے کہ دیوار سے گرتے ہوئے، درندے کے جبڑوں میں، تلوار کے چلتے ہوئے وہ ایمان لاتا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ایسی حالت کا ایمان مطلق نفع نہیں دے سکتا جیسے قرآن کی مندرجہ بالا دونوں آیتیں ظاہر کر رہی ہیں۔ واللہ اعلم۔ میرے خیال سے تو یہ بات بہت صاف ہے کہ اس آیت کی تفسیر کے پچھلے دونوں قول بھی معتبر مان لینے سے کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔ اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک ہیں۔ لیکن ہاں آیت سے واقعی مطلب تو وہی ہے جو پہلا قول ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں، قیامت کے قریب زمین پر اتریں گے اور یہودیوں و نصرانیوں دونوں کو جھوٹا بتائیں گے اور جو افراط و تفریط انہوں نے کی ہے، اسے باطل قرار دیں گے۔ ایک طرف ملعون جماعت یہودیوں کی ہے جنہوں نے آپ کو آپ کی عزت سے بہت گرا دیا اور ایسی ناپاک باتیں آپ کی شان میں کہیں جن سے ایک بھلا انسان نفرت کرے۔ دوسری جانب نصرانی ہیں جنہوں نے آپ کے مرتبے کو اس قدر بڑھایا کہ جو آپ میں نہ تھا۔ اس کا بھی اثبات کیا اور مقام نبوت سے مقام ربوبیت تک پہنچا دیا جس سے اللہ کی ذات بالکل پاک ہے۔

اب ان حدیثوں کو سنئے جن میں بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آخر زمانے میں قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر اتریں گے اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی طرف سب کو بلائیں گے۔ صحیح بخاری شریف جسے ساری امت نے قبول کیا ہے، اس میں امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ رحمتہ والرضوان کتاب ذکر انبیاء میں یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابن مریمؑ نازل ہوں گے، عادل منصف بن کر صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ہٹا دیں گے۔ مال اس قدر بڑھ جائے گا کہ اسے لینا کوئی منظور نہ کرے گا، ایک سجدہ کر لینا، دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے محبوب تر ہو گا۔ اس حدیث کو بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے بطور شہادت قرآنی کے اسی آیت وان من کی آخر تک تلاوت کی۔

صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ اور سند سے یہی روایت بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ سجدہ اس وقت فقط اللہ رب العالمین کے لئے ہی ہو گا۔ اور اس آیت کی تلاوت میں قبل موتہ کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ قبل موت عیسی بن مریم پھر اسے حضرت ابو ہریرہؓ کا تین مرتبہ دوہرانا بھی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے، حضرت عیسیٰ حج یا عمرے پر یا دونوں پر لبیک کہیں

گے' میدان حج میں' روحاء میں۔ یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے' عیسیٰ بن مریمؑ اتریں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' صلیب کو مٹائیں گے' نماز باجماعت ہوگی اور مال راہ اللہ میں اس قدر کثرت سے دیا جائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ خراج چھوڑ دیں گے' روحاء میں جائیں گے اور وہاں سے حج یا عمرہ کریں گے یا دونوں ایک ساتھ کریں گے۔ پھر ابو ہریرہؓ نے یہی آیت پڑھی لیکن آپ کے شاگرد حضرت حنظلہؒ کا خیال ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا "حضرت عیسیٰ کے انتقال سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے"۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب حدیث کے ہی الفاظ ہیں یا حضرت ابو ہریرہؓ کے اپنے۔

صحیح بخاری میں ہے اس وقت کیا ہوگا جب تم میں مسیح بن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔ ابوداؤد' مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "انبیاء کرام علیہم السلام سب ایک باپ کے بیٹے بھائی کی طرح ہیں' مائیں جدا جدا اور دین ایک۔ عیسیٰ بن مریم سے زیادہ تر نزدیک میں ہوں اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں' یقیناً وہ اترنے والے ہیں۔ پس تم انہیں پہچان رکھو۔ درمیانہ قد ہے' سرخ وسفید رنگ ہے' وہ دوگیروے رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے اوڑھے اور باندھے ہوں گے' بال خشک ہونے کے باوجود ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے ہوں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ قبول نہ کریں گے' لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے' ان کے زمانے میں تمام ملتیں مٹ جائیں گی' صرف اسلام ہی اسلام رہے گا' ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ دجال کو ہلاک کرے گا۔ پھر زمین پر امانت واقع ہوگی یہاں تک کہ کالے ناگ اونٹوں کے ساتھ' چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چرتے چگتے پھریں گے اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے' انہیں وہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے' چالیس برس تک ٹھہریں گے' پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے"۔ ابن جریر کی اسی روایت میں ہے' آپ لوگوں سے اسلام پر جہاد کریں گے' اس حدیث کا ایک ٹکڑا بخاری شریف میں بھی ہے۔ اور روایت میں ہے "سب سے زیادہ قریب تر حضرت عیسیٰ سے دنیا اور آخرت میں میں ہوں"۔

صحیح مسلم میں ہے "قیامت قائم نہ ہوگی' جب تک رومی اعماق یا والق میں نہ اتریں اور ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے مسلمانوں کا لشکر نہ نکلے گا' جو اس وقت تمام زمین کے لوگوں سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہوں گے' جب صفیں بندھ جائیں گی تو رومی کہیں گے تم سے ہم لڑنا نہیں چاہتے' ہم میں سے جو دین بدل کر تم میں جا ملے' ہم ان سے لڑنا چاہتے ہیں۔ تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ لیکن مسلمان کہیں گے واللہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اپنے ان کمزور بھائیوں کو تمہارے حوالے کر دیں۔ چنانچہ لڑائی شروع ہوگی۔ مسلمانوں کے اس لشکر کا تہائی حصہ تو شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوگا' ان کی توبہ اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائے گا اور تہائی حصہ شہید ہو جائے گا' جو اللہ کے نزدیک سب سے افضل شہید ہیں لیکن آخری تہائی حصہ فتح حاصل کرے گا اور رومیوں پر غالب آ جائے گا' پھر یہ کسی فتنے میں نہ پڑیں گے' قسطنطنیہ کو فتح کریں گے' ابھی تو وہ اپنی تلواریں زیتون کے درختوں پر لٹکائے ہوئے مال غنیمت تقسیم کر ہی رہے ہوں گے جو شیطان چیخ کر کہے گا کہ تمہارے بال بچوں میں دجال آ گیا' اس کے اس جھوٹ کو سچ جان کر مسلمان یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے' شام میں پہنچیں گے' دشمنوں سے جنگ آزما ہونے کے لئے صفیں ٹھیک کر رہے ہوں گے کہ دوسری جانب نماز کی اقامت ہوگی اور حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ان گے' ان کی امامت کرائیں گے' جب دشمن رب انہیں دیکھے گا تو اسی طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے' اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے یونہی چھوڑ دیں' جب بھی وہ گھلتے گھلتے ختم ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے حربے پر اس کا خون لوگوں کو دکھائیں گے"۔

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں "معراج والی رات میں نے ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی' آپس میں قیامت کی نسبت بات چیت ہونے لگی' ابراہیم علیہ السلام نے اپنی لاعلمی ظاہر کی' اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی' لیکن حضرت عیسیٰ نے

فرمایا' اس کے آنے کا ٹھیک وقت تو سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا' ہاں مجھ سے میرے رب نے جو عہد لیا ہے' وہ یہ ہے کہ دجال نکلے گا' اس کے ہمراہ دو شاخیں ہوں گی' مجھے دیکھ کر اس طرح پگھلنے لگے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے' یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان یہاں میرے پیچھے ایک کافر ہے اور اسے قتل کر لے' اللہ تعالیٰ ان سب کو غارت کر دے گا اور لوگ امن و امان کے ساتھ اپنے اپنے وطن اور شہروں کو لوٹ جائیں گے' اب یاجوج ماجوج نکلیں گے' اور ہر طرف سے چڑھ دوڑیں گے' تمام شہروں کو روندیں گے' جس جس چیز پر گذر ہو گا' اسے ہلاک کر دیں گے' جس پانی کے پاس سے گذریں گے' پی جائیں گے' لوگ پھر لوٹ کر میرے پاس آئیں گے' میں اللہ سے دعا کروں گا' اللہ ان سب کو ایک ساتھ فنا کر دے گا لیکن ان کے مردہ جسموں سے ہوا بگڑ جائے گی' بدبو پھیل جائے گی' پھر مینہ برسے گا اور اس قدر کہ ان کی تمام لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گا۔ بس اس وقت قیامت کی اس طرح آمد آمد ہو گی جس طرح پورے دن کی حاملہ عورت ہو کہ اس کے گھر والے نہیں جانتے کہ صبح کو بچہ ہو جائے یا شام کو ہو جائے۔ رات کو پیدا ہو یا دن کو؟۔"

مسند احمد میں ہے حضرت ابونضرہؒ فرماتے ہیں' ہم حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ کے پاس جمعہ والے دن آئے کہ ہمارا لکھا ہوا قرآن ان کے قرآن سے ملائیں' جمعہ کا جب وقت آیا تو آپ نے ہم سے فرمایا "غسل کر لو" پھر خوشبو لے آئے جو ہم نے ملی' پھر ہم مسجد میں آئے اور ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے جنہوں نے ہم سے دجال والی حدیث بیان کی۔ پھر حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ آئے' ہم کھڑے ہو گئے' پھر سب بیٹھ گئے' آپ نے فرمایا "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مسلمانوں کے تین شہر ہو جائیں گے' ایک دونوں سمندر کو ملنے کی جگہ پر' ایک خیرہ میں اور ایک شام میں' پھر تین گھبراہٹیں لوگوں کو ہوں گی' پھر دجال نکلے گا' یہ پہلے شہر کی طرف جائے گا' وہاں کے لوگ تین حصوں میں ہو جائیں گے' ایک حصہ تو کہے گا ہم اس کے مقابلہ پر ٹھہرے رہیں گے اور دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے؟ دوسری جماعت گاؤں کے لوگوں میں مل جائے گی اور تیسری جماعت دوسرے شہر میں چلی جائے گی جو ان سے قریب ہو گا' دجال کے ساتھ ستر ہزار لوگ ہوں گے' جن کے سروں پر تاج ہوں گے' ان کی اکثریت یہودیوں کی اور عورتوں کی ہو گی' یہاں کے یہ مسلمان ایک گھاٹی میں سمٹ کر محصور ہو جائیں گے' ان کے جانور جو چرنے چگنے کو گئے ہوں گے' وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے' اس سے ان کے مصائب بہت بڑھ جائیں گے اور بھوک کے مارے برا حال ہو جائے گا' یہاں تک کہ اپنی کمانوں کی تانیں سینک سینک کر کھا لیں گے' جب سخت تنگی میں ہوں گے تو انہیں سمندر میں سے آواز آئے گی کہ لوگو تمہاری مدد آ گئی۔ اس آواز کو سن کر یہ لوگ خوش ہوں گے' کیونکہ آواز سے جان لیں گے کہ یہ کسی آسودہ شخص کی آواز ہے' عین صبح کی نماز کے وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے' ان کا امیر آپ سے کہے گا کہ اے روح اللہ آگے بڑھیئے اور نماز پڑھایئے لیکن آپ کہیں گے کہ اس امت کے بعض بعض کے امیر ہیں' چنانچہ انہی کا امیر آگے بڑھے گا اور نماز پڑھائے گا' نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنا حربہ ہاتھ میں لے کر مسیح دجال کا رخ کریں گے' دجال آپ کو دیکھ کر سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا' آپ اس کے سینہ پر وار کریں گے جس سے وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے لیکن انہیں کہیں امن نہیں ملے گا یہاں تک کہ اگر وہ کسی درخت تلے چھپیں گے تو وہ درخت پکار کر کہے گا کہ اے مومن یہ ایک کافر میرے پاس چھپا ہوا ہے اور اسی طرح پتھر بھی۔

"ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک خطبہ کا کم و بیش حصہ دجال کا واقعہ بیان کرنے اور اس سے ڈرانے میں ہی صرف کیا' جس میں یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی ابتداء سے لے کر انتہا تک کوئی فتنہ اس سے بڑا نہیں۔ تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کو اس سے آگاہ کرتے رہے ہیں' میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو' وہ یقیناً تمہیں میں آئے گا' اگر میری موجودگی میں آ گیا تو میں آپ اس سے نمٹ لوں گا اور اگر بعد میں آیا تو ہر شخص کو اپنا آپ اس سے بچانا پڑے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کو ہر مسلمان کا خلیفہ بناتا ہوں۔ وہ شام و عراق کے

درمیان نکلے گا' دائیں بائیں خوب گھومے گا' لوگو اے اللہ کے بندو! دیکھو دیکھو تم ثابت قدم رہنا' سنو میں تمہیں اس کی ایسی صفت سناتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں سنائی۔ وہ ابتداء میں دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں' پس تم یاد رکھنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں' پھر وہ اس سے بھی بڑھ جائے گا اور کہے گا میں اللہ ہوں' پس تم یاد رکھنا کہ اللہ کو ان آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا' ہاں مرنے کے بعد دیدار باری تعالیٰ بار ہوسکتا ہے۔ اور سنو! وہ کانا ہوگا اور تمہارا رب کانا نہیں' اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہوگا جسے پڑھا لکھا اور ان پڑھ غرض ہر ایمان دار پڑھ لے گا۔ اس کے ساتھ آگ ہوگی اور باغ ہوگا۔ اس کی آگ دراصل جنت ہوگی اور اس کا باغ دراصل جہنم ہوگا' سنو تم میں سے جسے وہ آگ میں ڈالے' وہ اللہ سے فریاد رسی چاہے اور سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے' اس کی وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جائے گی جیسے کہ خلیل اللہ پر نمرود کی آگ ہوگی' اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے مرے ہوئے باپ کو زندہ کردوں تو تو مجھے رب مان لے گا۔ وہ اقرار کرے گا' اتنے میں دو شیطان اس کی ماں اور باپ کی شکل میں ظاہر ہوں گے اور ان سے کہیں گے' بیٹے یہی تیرا رب ہے۔ تو اسے مان لے' اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک شخص پر مسلط کردیا جائے گا۔ اسے آرے سے چروا کر دو ٹکڑے کروا دے گا' پھر لوگوں سے کہے گا میرے اس بندے کو دیکھنا' اب میں اسے زندہ کردوں گا' لیکن پھر بھی یہ یہی کہے گا کہ اس کا رب میرے سوا اور ہے' چنانچہ یہ اسے اٹھا بٹھائے گا اور یہ خبیث اس سے پوچھے گا کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دے گا' میرا رب اللہ ہے اور تو اللہ کا دشمن دجال ہے۔ اللہ کی قسم اب تو مجھے پہلے سے بھی بہت زیادہ یقین ہوگیا۔ دوسری سند سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ''یہ مومن میری تمام امت سے زیادہ بلند درجہ کا جنتی ہوگا''۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس حدیث کو سن کر ہمارا خیال تھا کہ یہ شخص حضرت عمر بن خطاب ہی ہوں گے۔ آپ کی شہادت تک ہمارا یہی خیال رہا' حضورؐ فرماتے ہیں اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ آسمان کو پانی برسانے کا حکم دے گا اور آسمان سے بارش ہوگی' وہ زمین کو پیداوار اگانے کا حکم دے گا اور زمین سے پیداوار نکلے گی' اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک قبیلے کے پاس جائے گا' وہ اسے نہ مانیں گے' اسی وقت ان کی تمام چیزیں برباد اور ہلاک ہوجائیں گی' اور قبیلے کے پاس جائے گا جو اسے اللہ مان لے گا' اسی وقت اس کے حکم سے ان پر آسمان سے بارش برسے گی اور زمین پھل اور کھیتی اگائے گی' ان کے جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازے اور دودھ والے ہوجائیں گے۔ سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام زمین کا گشت کرے گا' جب مدینہ کا رخ کرے گا تو یہاں ہر ہر راہ پر فرشتوں کو کھلی تلواریں لئے ہوئے پائے گا تو ضریب کی انتہائی حد پر ضریب احمر کے پاس ٹھہر جائے گا' پھر مدینے میں تین بھونچال آئیں گے' اس وجہ سے جتنے منافق مرد اور جس قدر منافقہ عورتیں ہوں گی' سب مدینہ سے نکل کر اس کے لشکر میں مل جائیں گے اور مدینہ ان گندے لوگوں کو اس طرح اپنے میں سے دور پھینک دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو الگ کردیتی ہے' اس دن کا نام یوم الخلاص ہوگا''۔

ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہؐ اس دن عرب کہاں ہوں گے؟ فرمایا' اوّلاً تو ہوں گے ہی بہت کم اور اکثریت ان کی بیت المقدس میں ہوگی' ان کا امام ایک صالح شخص ہوگا جو آگے بڑھ کر صبح کی نماز پڑھا رہا ہوگا' جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ یہ امام پچھلے پیروں پیچھے ہٹے گا تاکہ آپ آگے بڑھ کر امامت کرائیں لیکن آپ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ' اقامت تمہارے لئے کی گئی ہے پس ان کا امام ہی نماز پڑھائے گا' فارغ ہو کر آپ فرمائیں گے' دروازہ کھول دو' پس کھول دیا جائے گا' ادھر دجال ستر ہزار یہودیوں کا لشکر لئے ہوئے موجود ہوگا' جن کے سر پر تاج اور جن کی تلواروں پر سونا ہوگا' دجال آپ کو دیکھ کر اس طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے اور ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کردے گا لیکن آپ فرمائیں گے' اللہ نے مقرر کردیا ہے کہ تو میرے ہاتھ سے ایک ضرب کھائے گا۔ تو اسے ٹال نہیں سکتا چنانچہ آپ اسے مشرقی باب لد کے پاس پکڑ لیں گے اور وہیں اسے قتل کریں گے' اب یہودی بدحواسی سے منتشر ہو کر بھاگیں گے لیکن انہیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی' ہر پتھر' ہر درخت' ہر دیوار اور

ہر جانور بولتا ہوگا کہ اے مسلمان یہاں یہودی ہے' آ اسے مار ڈال' ہاں ببول کا درخت یہودیوں کا درخت ہے۔ یہ نہیں بولے گا"۔ حضورؐ فرماتے ہیں' اس کا رہنا چالیس تک ہوگا' سال آدھے سال کے برابر اور سال مہینہ بھر جیسا اور مہینہ جمعہ جیسا اور باقی دن مثل شرارہ کے۔ صبح ہی ایک شخص شہر کے ایک دروازے سے چلے گا' ابھی دوسرے دروازے تک نہیں پہنچا تو شام ہو جائے گی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ پھر ان چھوٹے دنوں میں ہم نماز کیسے پڑھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا' اندازہ کر لیا کرو جیسے ان لمبے دنوں میں اندازہ سے پڑھا کرتے تھے۔ حضورؐ فرماتے ہیں' پس عیسیٰ بن مریم میری امت میں حاکم ہوں گے' عادل ہوں گے' امام ہوں گے' باانصاف ہوں گے' صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ کو ہٹا دیں گے۔ صدقہ چھوڑ دیا جائے گا۔ پس بکری اور اونٹ پر کوشش نہ کی جائے گی۔ حد اور بغض بالکل جاتا رہے گا۔ ہر زہریلے کا زہر ہٹا دیا جائے گا' بچے اپنی انگلی سانپ کے منہ میں ڈالیں گے لیکن وہ انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا۔ شیروں سے لڑکے کھیلیں گے۔ نقصان کچھ نہ ہوگا۔ بھیڑیئے بکریوں کے گلے میں اس طرح پھیریں گے جیسے رکھوالا ہو کتا ہو تمام زمین اسلام اور اصلاح سے اس طرح بھر جائے گی برتن پانی سے لبالب بھرا ہو۔ سب کا کلمہ ایک ہو جائے گا اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہو گی۔ لڑائی اور جنگ بالکل موقوف ہو جائے گی۔ قریش اپنا ملک سلب کر لیں گے۔ زمین مثل سفید چاندی کے منور ہو جائے گی اور جیسی برکتیں زمانہ آدمؑ میں تھیں' لوٹ آئیں گی۔ ایک جماعت کو ایک انگور کا خوشہ پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہوگا۔ ایک انار اتنا ہوگا کہ ایک جماعت کھائے اور سیر ہو جائے۔ بیل اتنی اتنی قیمت پر ملے گا اور گھوڑا چند درہموں پر ملے گا۔ لوگوں نے پوچھا اس کی قیامت گر جانے کی کیا وجہ؟ فرمایا اس لئے کہ لڑائیوں میں اس کی سواری بالکل نہ لی جائے گی۔ دریافت کیا گیا' بیل کی قیمت بڑھ جانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس لئے کہ تمام زمین پر کھیتیاں ہونی شروع ہو جائیں گی۔ دجال کے کرنے تین سال پیشتر سے سخت قحط سالی ہوگی' پہلے سال بارش کا تیسرا حصہ بحکم الٰہی روک لیا جائے گا اور زمین کی پیداوار کا بھی تیسرا حصہ کم ہو جائے گا' پھر دوسرے سال اللہ آسمان کو حکم دے گا کہ بارش کی دو تہائیاں روک لے اور یہی حکم زمین کو ہوگا کہ اپنی پیداوار کی دو تہائیاں کم کر دے' تیسرے سال آسمان سے بارش کا ایک قطرہ نہ برسے گا' نہ زمین سے کوئی روئیدگی پیدا ہوگی' تمام جانور اس قحط سے ہلاک ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ پھر اس وقت لوگ زندہ کیسے رہ جائیں گے' آپ نے فرمایا "ان کی غذا کے قائم مقام اس وقت ان کا لا الٰہ الا اللہ کہنا اور اللہ اکبر کہنا اور سبحان اللہ کہنا اور الحمدللہ کہنا ہوگا"۔

امام ابن ماجہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے استاد نے اپنے استاد سے سنا وہ فرماتے تھے یہ حدیث اس قابل ہے کہ بچوں کے استاد اسے بچوں کو بھی سکھا دیں بلکہ لکھوائیں تاکہ انہیں بھی یاد رہے' یہ حدیث اس سند سے ہے تو غریب لیکن اس کے بعض حصوں کی شواہد دوسری حدیثیں ہیں اسی حدیث جیسی ایک حدیث حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اسے بھی ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

"صحیح مسلم شریف میں ہے ایک دن صبح کو آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر کیا اور اس طرح اسے واضح بیان کیا کہ ہم سمجھے' کہیں مدینہ کے نخلستان میں وہ موجود نہ ہو پھر جب ہم لوٹ کر آپ کی طرف آئے تو ہمارے چہروں سے آپ نے جان لیا اور دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ ہم نے کہ سنائی تو آپ نے فرمایا دجال کے علاوہ مجھے تو تم پر اور اس سے بھی بڑا خوف ہے' اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو میں آپ اس سے سمجھ لوں گا اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر مسلمان اس سے آپ بھگت لے گا' میں اپنا خلیفہ ہر مسلمان پر اللہ کو بناتا ہوں' وہ جوان ہوگا' آنکھ اس کی ابھری ہوئی ہوگی' بس یوں سمجھ لو کہ عبدالعزیٰ بن قطن جیسا ہوگا' تم میں جو اسے دیکھے اسے چاہئے کہ سورۂ کہف کی شروع کی آیتیں پڑھے وہ شام و عراق کے درمیانی گوشے سے نکلے گا اور دائیں بائیں گشت کرے گا' اے اللہ کے بندو! خوب ثابت قدم رہنا' ہم نے پوچھا حضورؐ وہ رہے گا کتنی مدت آپ نے فرمایا چالیس دن' ایک دن سال کے برابر' ایک دن ایک مہینے کے برابر' ایک دن جمعہ کے برابر اور باقی دن تمہارے معمولی دنوں جیسے' پھر ہم نے دریافت کیا کہ جو دن سال بھر کے برابر ہوگا' کیا اس میں ایک ہی دن کی نماز کافی ہوں گی؟ آپ نے

فرمایا نہیں بلکہ اندازہ کر لو اور نماز ادا کر لو ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی رفتار کی سرعت کیسی ہو گی؟ فرمایا ایسی جیسے بادل ہواؤں سے بھاگتے ہیں۔ ایک قوم کو اپنی طرف بلائے گا وہ مان لیں گے تو آسمان سے ان پر بارش برسے گی زمین سے کھیتی اور پھل اگیں گے ان کے جانور تر و تازہ اور زیادہ دودھ والے ہو جائیں گے ایک قوم کے پاس جائے گا جو اسے جھٹلائے گی اور اس کا انکار کر دے گی یہ وہاں سے لوٹے گا تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ رہے گا وہ بنجر زمین پر کھڑے ہو کر حکم دے گا کہ اے زمین کے خزانو نکل آؤ تو وہ سب نکل آئیں گے اور شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے پھریں گے۔ یہ ایک نوجوان کو بلائے گا اسے قتل کرے گا اور اس کے ٹھیک دو ٹکڑے کر کے اتنی اتنی دور ڈال دے گا کہ ایک تیر کی کمان سے نکلے ہوئے دوری ہو پھر اسے آواز دے گا تو وہ زندہ ہو کر ہنستا ہوا اس کے پاس آ جائے گا۔ اب اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا اور وہ دمشق کے سفید شرقی مینارے کے پاس دو چادریں اوڑھے باندھے دو فرشتوں کے پروں پر بازو رکھے ہوئے اتریں گے جب سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور جب اٹھائیں گے تو مثل موتیوں کے وہ قطرے لڑھکیں گے جس کافر تک ان کا سانس پہنچ جائے وہ مر جائے گا اور آپ کا سانس وہاں تک پہنچے گا جہاں تک نگاہ پہنچے آپ دجال کا پیچھے کریں گے اور باب لد کے پاس اسے پا کر قتل کریں گے پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے جنہیں اللہ نے اس فتنے سے بچایا ہو گا ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور ان کے جنتی درجوں کی انہیں خبریں دیں گے اب اللہ کی طرف سے حضرت عیسیٰؑ کے پاس وحی آئے گی کہ میں اپنے ایسے بندوں کو بھیجتا ہوں جن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تو تم میرے ان خاص بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ۔

پھر یاجوج ماجوج نکلیں گے اور وہ ہر طرف سے کودتے پھاندتے آ جائیں گے بحیرہ طبریہ پر ان کا پہلا گروہ آئے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا جب ان کے بعد ہی دوسرا گروہ آئے گا تو وہ ایسا سوکھا پڑا ہو گا کہ وہ کہیں گے شاید یہاں کبھی پانی ہو گا؟ حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی مومن وہاں اس قدر محصور رہیں گے کہ ایک بیل کا سر انہیں اس سے بھی اچھا لگے گا جیسے تمہیں آج ایک سو دینار محبوب ہیں اب آپ اور مومن اللہ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے اللہ ان پر گردن کی گلٹی کی بیماری بھیج دے گا جس میں سارے کے سارے ایک ساتھ ایک دم میں فنا ہو جائیں گے پھر حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی زمین پر اتریں گے مگر زمین پر بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں سے اور بدبو سے خالی ہو پھر آپ اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے تو بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر ایک قسم کے پرند اللہ تعالیٰ بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے ڈال آئیں گے پھر بارش ہو گی جس سے تمام زمین دھل دھلا کر ہتھیلی جیسی صاف ہو جائے گی۔ پھر زمین کو حکم ہو گا کہ اپنے پھل نکال اور اپنی برکتیں لوٹا اس دن ایک انار ایک جماعت کو کافی ہو گا اور وہ سب اس کے چھلکے تلے آرام حاصل کر سکیں گے۔ ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے سے نہیں پیا جائے گا۔ پھر پروردگار عالم ایک لطیف اور پاکیزہ ہوا چلائے گا جو تمام ایماندار مردوں عورتوں کی بغل تلے سے نکل جائے گی اور ساتھ ہی ان کی روح بھی پرواز کر جائے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو آپس میں گدھوں کی طرح دھینگا مشتی میں مشغول ہو جائیں گے۔ ان پر قیامت قائم ہو گی۔ مسند احمد میں بھی ایک ایسی ہی حدیث ہے اسے ہم سورۂ انبیاء کی آیت حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ الخ کی تفسیر میں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے جو مجھے پہنچی ہے کہ آپ فرماتے ہیں قیامت یہاں یہاں تک آ جائے گی۔ آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہہ کر فرمایا میرا تو اب جی چاہتا ہے کہ تمہیں اب کوئی حدیث ہی نہ سناؤں میں نے تو یہ کہا تھا کہ کچھ زمانے کے بعد تم بڑے بڑے امر دیکھو گے بیت اللہ جلا دیا جائے گا اور یہ ہو گا وہ ہو گا وغیرہ۔ پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ دجال نکلے گا اور میری امت میں چالیس تک ٹھہرے گا مجھے نہیں معلوم کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریمؑ کو بھیجے گا آپ کی صورت مثل حضرت عروہ بن مسعود کے ہے۔ آپ اسے تلاش کر کے قتل کریں

گے- پھر سات سال تک لوگ اسی طرح رہیں گے کہ وہ بھی کچھ عداوت ہوگی' پھر ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے چلے گی اور سب ایمان والوں کو فوت کردے گی- جس کے دل میں ایک ذرے برابر بھی بھلائی یا ایمان ہوگا اگرچہ وہ کسی پہاڑ کے غار میں ہو' وہ بھی فوت ہو جائے گا' پھر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو پرندوں جیسے ہلکے اور درندوں جیسے دماغوں والے ہوں گے' اچھائی برائی کی کوئی تمیز ان میں نہ ہوگی- شیطان ان کے پاس انسانی صورت میں آ کر انہیں بت پرستی کی طرف مائل کردے گا لیکن ان کی اس حالت میں بھی ان کی روزیوں کے دروازے ان پر کھلے ہوئے ہوں گے اور زندگی بہ آرام گذر رہی ہوگی' پھر صور پھونکا جائے گا' جس سے لوگ گرنے مرنے لگیں گے' ایک شخص جو اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے ان کا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا' سب سے پہلے صور کی آواز اس کے کان میں پڑے گی' جس سے یہ اور تمام اور لوگ بیہوش ہو جائیں گے- غرض سب کے فنا ہو چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ مینہ برسائے گا جو مثل شبنم کے یا مثل سائے کے ہوگا' اس سے دوبارہ جسم پیدا ہوں گے- پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا' سب کے سب جی اٹھیں گے' پھر کہا جائے گا' لوگو! اپنے رب کی طرف چلو' انہیں ٹھہرا کر ان سے سوال کیا جائے گا- پھر فرمایا جائے گا' جہنم کا حصہ نکالو' پوچھا جائے گا کتنوں سے کتنے؟ جواب ملے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے' یہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا اور یہی دن ہے جس میں پنڈلی کھولی جائے گی-

مسند احمد میں ہے' ابن مریم باب لد کے پاس یا لد کی جانب مسیح دجال کو قتل کریں گے- ترمذی میں باب لد ہے اور یہ حدیث صحیح ہے- اس کے بعد امام ترمذیؒ نے چند اور صحابہؓ کے نام لئے ہیں کہ ان سے بھی اس باب کی حدیثیں مروی ہیں تو اس سے مراد وہ حدیثیں ہیں جن میں دجال کا مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہونا مذکور ہے- صرف دجال کے ذکر کی حدیثیں تو بے شمار ہیں' جنہیں جمع کرنا سخت دشوار ہے- مسند میں ہے کہ عرفے سے آتے ہوئے حضورؐ اپنے صحابہؓ کے ایک مجمع کے پاس سے گذرے- اس وقت وہاں قیامت کے ذکر اذکار ہو رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا جب تک دس باتیں نہ ہو لیں' قیامت قائم نہ ہوگی' آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا' دھوئیں کا آنا' دابتہ الارض کا نکلنا' یاجوج ماجوج کا آنا' عیسیٰ بن مریم کا نازل ہونا' دجال کا آنا' تین جگہ زمین کا دھنس جانا' شرق میں' غرب میں اور جزیرہ عرب میں اور عدن سے ایک آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر ایک جگہ کردے گی وہ شب باشی بھی انہی کے ساتھ کریں گے اور جب دوپہر کو وہ آرام کریں گے' یہ آگ ان کے ساتھ ہی رہے گی- یہ حدیث مسلم اور سنن میں بھی ہے اور حضرت حذیفہ بن اسید غفاری سے موقوفاً یہی مروی ہے- واللہ اعلم-

پس آنحضرت ﷺ کی یہ متواتر حدیثیں جو حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت عثمان بن ابوالعاص' حضرت ابو امامہ' حضرت نواس بن سمعان' حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت مجمع جاریہ' حضرت ابو شریح' حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں- یہ صاف دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے' ساتھ ہی ان میں یہ بھی بیان ہے کہ کس طرح اتریں گے اور کہاں اتریں گے اور کس وقت اتریں گے؟ یعنی صبح کی نماز کی اقامت کے وقت شام کے شہر دمشق کے شرقی مینارہ پر آپ اتریں گے- اس زمانہ میں یعنی سن سات سو اکتالیس میں جامع اموی کا مینارہ سفید پتھر سے بہت مضبوط بنایا گیا ہے' اس لئے کہ آگ کے شعلہ سے یہ جل گیا ہے اور یہ آگ لگانے والے غالباً ملعون عیسائی تھے- کیا عجب کہ یہی وہ مینارہ ہو جس پر مسیح بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور خنزیروں کو قتل کریں گے' صلیبوں کو توڑ دیں گے' جزیئے کو ہٹا دیں گے اور سوائے دین اسلام کے اور دین قبول نہ فرمائیں گے جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیثیں گذر چکیں جن میں پیغمبر صادق و مصدوق علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے اور اسے ثابت بتایا ہے- یہ وہ وقت ہوگا جبکہ تمام شک شبہے ہٹ جائیں گے' اور لوگ حضرت عیسیٰ کی پیروی کے ماتحت اسلام قبول کرلیں گے جیسے اس آیت میں ہے اور جیسے فرمان ہے وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ اور ایک قرات میں لعلم ہے یعنی جناب مسیح قیامت کا ایک زبردست نشان ہے' یعنی قرب قیامت کا اس لئے کہ آپ دجال کے آچکنے کے بعد تشریف لائیں گے اور اسے قتل کریں گے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں پیدا کی جس کا علاج

نہ مہیا کیا ہو' آپ ہی کے وقت میں یاجوج ماجوج نکلیں گے' جنہیں اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ہلاک کرے گا۔ قرآن کریم ان کے نکلنے کی خبر بھی دیتا ہے فرمان ہے حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ یعنی ان کا نکلنا بھی قرب قیامت کی دلیل ہے۔ اب حضرت عیسیٰ کی صفتیں ملاحظہ ہوں۔ پہلے کی دو حدیثوں میں بھی آپ کی صفت گذر چکی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ لیلتہ المعراج میں میں نے حضرت موسیٰؑ سے ملاقات کی۔ وہ درمیانہ قد' صاف بالوں والے ہیں' جیسے شنوہ قبیلے کے لوگ ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ سے بھی ملاقات کی' وہ سرخ رنگ میانہ قد ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں' حضرت ابراہیمؑ کو بھی میں نے دیکھا۔ بس وہ بالکل مجھ جیسے تھے۔ بخاری کی اور روایت میں ہے "حضرت عیسیٰ سرخ رنگ' گھنگھریالے بالوں والے' چوڑے چکلے سینے والے تھے' حضرت موسیٰ گندمی رنگ کے جسم اور سیدھے بالوں والے تھے' جیسے زط کے لوگ ہوتے ہیں' اسی طرح آپ نے دجال کی شکل وصورت بھی بیان فرمادی ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی' جیسے پھولا ہوا انگور' آپؐ فرماتے ہیں' مجھے کعبہ کے پاس خواب میں دکھلایا گیا کہ ایک بہت گندمی رنگ والے جن کے سر کے پٹھے دونوں مونڈھوں تک تھے' صاف بالوں والے جن کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' دو شخصوں کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھے طواف کر رہے ہیں' میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ مسیح بن مریم ہیں' میں نے ان کے پیچھے ہی ایک شخص کو دیکھا جس کی داہنی آنکھ کانی تھی' ابن قطن سے بہت ملتا جلتا تھا' سخت الجھے ہوئے بال تھے' وہ بھی دو شخصوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے' میں نے کہا یہ کون ہے؟ کہا گیا یہ مسیح دجال ہے۔

بخاری کی اور روایت میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کی قسم' حضورؐ نے حضرت عیسیٰؑ کو سرخ رنگ نہیں بتلایا بلکہ آپ نے گندمی رنگ بتلایا ہے' پھر اوپر والی پوری حدیث ہے۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں' ابن قطن قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا' جو جاہلیت میں مر چکا تھا۔ وہ حدیث بھی گذر چکی جس میں یہ بیان ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام اپنے نزول کے بعد چالیس سال یہاں رہیں گے۔ پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے۔ ہاں مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ یہاں سال ہا سال رہیں گے تو ممکن ہے کہ چالیس سال کا فرمان اس مدت سمیت کا ہو جو آپ نے دنیا میں اپنے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے پہلے گذاری ہے۔ جس وقت آپ اٹھائے گئے' اس وقت آپ کی عمر تینتیس سال کی تھی اور سات سال اب آخر زمانے کے تو پورے چالیس سال ہو گئے۔ واللہ اعلم (ابن عساکر) بعض کا قول ہے کہ جب آپ آسمانوں پر چڑھائے گئے' اس وقت آپ کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی' یہ بالکل فضول سا قول ہے' ہاں حافظ ابو القاسم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ
وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا
عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ
مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ ع ٢٢ / ١٠

جونفیس چیزیں ان کے لئے حلال کی گئی تھیں وہ ہم نے ان پر حرام کر دیں ان کے ظلم کے باعث اور راہ اللہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث ○ اور سود جس سے وہ منع کئے گئے تھے اسے لینے کے باعث اور لوگوں کا مال ناحق مار کھانے کے باعث ان میں سے جو کفار ہیں ہم نے ان کے لئے المناک عذاب مہیا کر رکھے ہیں ○ لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں اور ایمان والے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور نمازوں کو قائم رکھنے والے ہیں اور زکوۃ کے ادا کرنے والے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ یہ ہیں جنہیں ہم بہت بڑے بڑے اجر عطا فرمائیں گے ○

تاریخ میں بعض سلف سے یہ بھی وارد کیا ہے کہ آپ حضورؐ کے حجرے میں آپ کے ساتھ دفن کئے جائیں گے۔ واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہے کہ یہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے یعنی اس بات کے کہ اللہ کی رسالت آپ نے انہیں پہنچا دی تھی اور خود آپ نے اللہ کی عبودیت کا اقرار کیا تھا جیسے سورۂ مائدہ کے آخر میں وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ سے الْحَكِيْمُ ہے یعنی آپ کی گواہی کا وہاں ذکر ہے اور اللہ کے سوال کا۔

یہودیوں کے خودساختہ حلال وحرام : ☆☆ (آیت:۱۶۰-۱۶۲) اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ حرام کام ان کا مقدر تھا یعنی مقدرات خدا میں یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی کتاب کو بدل دیں اس میں تحریف کر لیں اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیں صرف اپنے تشدد اور اپنی سخت گیری کی وجہ سے دوسرا یہ کہ یہ حرمت شرعی ہے یعنی نزول تورات سے پہلے جو بعض چیزیں ان پر حلال تھیں تورات کی اترنے کے وقت ان کی بعض بدکاریوں کی وجہ سے وہ حرام قرار دے دی گئیں جیسے فرمان ہے كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الخ یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ جو حضرت اسرائیلؑ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے ماسوا تمام طعام بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے۔ پھر تورات میں ان پر بعض چیزیں حرام کی گئیں جیسے سورہ انعام میں فرمایا وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا الخ یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن دار جانور حرام کر دیا اور گائے بکری کی چربی بھی جو الگ تھلگ ہو۔ ہم نے ان پر حرام قرار دے دی یہ اس لئے کہ یہ باغی طاغی اور مخالف رسول اور اختلاف کرنے والے لوگ تھے۔ پہلے یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ ان کے ظلم و زیادتی کے باعث خود راہ اللہ سے الگ ہو کر دوسروں کو اس سے بہکانے کے باعث (جو ان کی پرانی عادت تھی) رسولوں کے دشمن بن جاتے تھے انہیں قتل کر ڈالتے تھے انہیں جھٹلاتے تھے ان کا مقابلہ کرتے تھے اور طرح طرح کے حیلے کر کے سود خوری کرتے تھے جو محض حرام تھی اور بھی جس طرح بن پڑتا لوگوں کے مال مار کھانے کی تاک میں لگے رہتے اور اس بات کو جانتے ہوئے کہ اللہ نے یہ کام حرام کئے ہیں جرات سے انہیں کر گذرتے تھے اس باعث ان پر بعض حلال چیزیں بھی ہم نے حرام کر دیں ان کفار کے لئے دردناک عذاب تیار ہیں۔ ان میں جو سچے دین والے اور پختہ علم والے ہیں اس جملے کی تفسیر سورۂ آل عمران میں گذر چکی ہے اور جو باایمان ہیں یہ تو قرآن کو اور تمام پہلی کتابوں کو مانتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام حضرت ثعلبہ بن سعید زید بن سعید حضرت اسید بن عبید رضی اللہ عنہم ہیں جو اسلام میں آ گئے تھے اور حضور کی نبوت کو مان چکے تھے۔ آگے کا جملہ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ تمام ائمہ کے قرآن میں اور ابی بن کعبؓ کے مصحف میں اسی طرح ہے لیکن بقول علامہ ابن جریرؒ ابن مسعودؓ کے صحیفہ میں وَالْمُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ہے۔ صحیح قرات اگلی ہے جن بعض لوگوں نے اسے کتابتی غلطی بتلایا ہے ان کا قول غلط ہے۔ بعض تو کہتے ہیں اس کی نصبی حالت مدح کی وجہ سے ہے جیسے وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ الخ میں ہے اور کلام عرب میں اور شعروں میں برابر یہ قاعدہ موجود پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ عطف ہے اگلے جملے پر یعنی بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ پر یعنی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور نماز کے قائم کرنے پر بھی ان کا ایمان ہے یعنی اسے واجب و برحق مانتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی ان کا قرآن پر اور الہامی کتابوں پر اور فرشتوں پر ایمان ہے۔ امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن اس میں تامل کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔ اور زکوۃ ادا کرنے والے ہیں یعنی مال کی یا جان کی اور دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم اور صرف اللہ ہی کو لائق عبادت جانتے ہیں اور موت کے بعد کی زندگانی پر بھی یقین کامل رکھتے ہیں کہ ہر بھلے برے عمل کی جزا سزا اس دن ملے گی یہی لوگ ہیں جنہیں ہم اجر عظیم یعنی جنت دیں گے۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن
بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ
وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ
وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلًا
مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ
بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾

یقیناً ہم نے تیری طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی اور ہم نے وحی کی ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولادوں پر اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور اسماعیلؑ کی طرف اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا فرمائی ○ اور تجھ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے تجھ سے بیان کئے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کئے اور موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا ○ ہم نے انہیں رسول بنایا خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر رہ نہ جائے اللہ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے ○

نزول انبیاء' تعداد انبیاء' صحائف اور ان کے مرکزی مضامین: ☆☆ (آیت:۱۶۳-۱۶۵) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سکین اور عدی بن زید نے کہا "اے محمد (ﷺ) ہم نہیں مانتے کہ حضرت موسیٰ کے بعد اللہ نے کسی انسان پر کچھ اتارا ہو۔" اس پر یہ آیتیں اتریں۔ محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں جب آیت یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ سے عَظِيْمًا تک اتری اور یہودیوں کے برے اعمال کا آئینہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کسی انسان پر اللہ نے کوئی اپنا کلام نازل ہی نہیں فرمایا' نہ موسیٰ پر' نہ عیسیٰ پر' نہ کسی اور نبی پر' آپ اس وقت گوٹ لگائے بیٹھے تھے' اسے آپ نے کھول دیا اور فرمایا کسی پر بھی نہیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ الخ' نازل فرمائی۔ لیکن یہ قول غور طلب ہے اس لئے کہ یہ آیت سورۂ انعام میں ہے جو مکیہ ہے اور سورۂ نساء کی مندرجہ بالا آیت مدنیہ ہے جو ان کی تردید میں ہے' جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ آسمان سے کوئی کتاب آپ اتار لائیں جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا۔ پھر ان کے عیوب بیان فرمائے اور ان کی پہلی اور اب کی سیاہ کاریاں واضح کر دیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف اسی طرح وحی نازل فرمائی ہے جس طرح اور انبیاء کی طرف۔ زبور اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتری تھی' ان انبیاء علیہم السلام کے قصے سورۂ قصص کی تفسیر میں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرماتا ہے اس آیت یعنی مکی سورت کی آیت سے پہلے بہت سے انبیاء کا ذکر ہو چکا ہے اور بہت سوں کا نہیں بھی ہوا۔ جن انبیاء کرام کے نام قرآن کے الفاظ میں آ گئے ہیں' وہ یہ ہیں۔ آدم' ادریس' نوح' ہود' صالح' ابراہیم' لوط' اسماعیل' اسحاق' یعقوب' یوسف' شعیب' موسیٰ' ہارون' یونس' داؤد' سلیمان' یوشع' زکریا' عیسیٰ' یحییٰ' (اور بقول اکثر مفسرین ذوالکفل اور ایوب اور الیاس) اور ان سب کے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ۔ اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا' اسی وجہ سے انبیاء اور مرسلین کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں مشہور حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جو تفسیر ابن مردویہ میں یوں ہے کہ آپ نے پوچھا' یارسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ' بہت بڑی جماعت۔ میں نے پھر دریافت کیا "سب سے پہلے کون سے ہیں؟" فرمایا "آدمؑ" میں نے کہا "کیا وہ بھی رسول

تھے؟'' فرمایا ''ہاں۔ اللہ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' پھر ان میں اپنی روح پھونکی' پھر درست اور ٹھیک ٹھاک کیا'' پھر فرمایا' اے ابوذر چار سریانی ہیں۔ آدمؑ شیثؑ نوحؑ خنوخ جن کا مشہور نام ادریس ہے' انہی نے پہلے قلم سے خط لکھا۔ چار عربی ہیں۔ ہودؑ صالحؑ شعیبؑ اور تمہارے نبیؐ اے ابوذر بنواسرائیل کے پہلے نبی حضرت موسیٰؑ ہیں اور آخری حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ تمام نبیوں میں سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبیؐ ہیں۔'' اس پوری حدیث کو جو بہت طویل ہے' حافظ ابو حاتم نے اپنی کتاب الانواع والتقاسیم میں روایت کیا ہے' جس پر صحت کا نشان دیا ہے' لیکن ان کے برخلاف امام ابوالفرج بن جوزی رحمتہ اللہ علیہ اسے بالکل موضوع بتلاتے ہیں' اور ابراہیم بن ہاشم اس کے ایک راوی پر وضاع ہونے کا وہم کرتے ہیں' حقیقت یہ ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل میں سے بہت سے لوگوں نے ان پر اس حدیث کی وجہ سے کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن یہ حدیث دوسری سند سے حضرت ابوامامہ سے بھی مروی ہے' لیکن اس میں معان بن رفاعہ سلامی ضعیف ہیں اور علی بن یزید بھی ضعیف ہیں اور قاسم بن عبدالرحمٰن بھی ضعیف ہیں۔ ایک اور حدیث ابویعلیٰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں۔ چار ہزار بنواسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی اور لوگوں کی طرف' یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ اس میں زیدی اور ان کے استاد رقاشی دونوں ضعیف ہیں' واللہ اعلم۔ ابویعلیٰ کی اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' آٹھ ہزار انبیاء میرے بھائی گذر چکے ہیں۔ ان کے بعد حضرت عیسیٰ آئے اور ان کے بعد میں آیا ہوں۔ اور حدیث میں ہے' میں آٹھ ہزار نبیوں کے بعد آیا ہوں جن میں سے چار ہزار نبی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام راوی معروف ہیں اور سند میں کوئی کمی یا اختلاف نہیں بجز احمد بن طارق کے کہ ان کے بارے میں مجھے کوئی علالت یا جرح نہیں ملی' واللہ اعلم۔ ابوذر غفاری والی طویل حدیث جو انبیاء کی گنتی کے بارے میں ہے' اسے بھی سن لیجئے' آپ فرماتے ہیں' میں مسجد میں آیا اور اس وقت حضورؐ تنہا تشریف فرما تھے' میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا اور کہا' آپ نے نماز کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ''ہاں وہ بہتر چیز ہے' چاہے کوئی زیادتی کرے چاہے کمی'' میں نے کہا ''حضورؐ کون سے اعمال افضل ہیں؟ فرمایا ''اللہ پر ایمان لانا' اس کی راہ میں جہاد کرنا'' میں نے کہا ''حضورؐ کون سا مسلمان اعلیٰ ہے؟'' فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں'' میں نے پوچھا ''کون سی ہجرت افضل ہے؟'' فرمایا ''برائیوں کو چھوڑ دینا'' میں نے پوچھا' کون سی نماز افضل ہے؟ فرمایا'' لمبے قنوت والی'' میں نے کہا کون سا روزہ افضل ہے؟ فرمایا' فرض کفایت کرنے والا ہے اور اللہ کے پاس بہت بڑھا چڑھا ثواب ہے ''میں نے پوچھا کون سا جہاد افضل ہے؟'' فرمایا جس کا گھوڑا بھی کاٹ دیا جائے اور خود اس کا بھی خون بہا دیا جائے۔'' میں نے کہا' آزادگی گردن میں افضل کیا ہے؟'' فرمایا جس قدر گراں قیمت ہو اور مالک کو زیادہ پسند ہو۔'' میں نے پوچھا صدقہ کون سا افضل ہے؟ فرمایا'' کم مال والے کا کوشش کرنا اور چپکے سے محتاج کو دے دینا۔'' میں نے کہا قرآن میں سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ فرمایا'' آیت الکرسی'' پھر آپ نے فرمایا'' اے ابوذر ساتوں آسمان کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کوئی حلقہ کسی چٹیل میدان کے مقابلے میں اور عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہے جیسے وسیع میدان کی حلقے پر'' میں نے کہا حضورؐ انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا'' ایک لاکھ چوبیس ہزار'' میں نے کہا ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا'' تین سو تیرہ کی بہت بڑی پاک جماعت'' میں نے پوچھا سب سے پہلے کون ہیں؟ فرمایا'' آدمؑ'' میں نے کہا' کیا وہ بھی نبی رسول تھے؟ فرمایا'' ہاں انہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح ان میں پھونکی اور انہیں صحیح تر بنایا۔''

پھر آپ نے فرمایا' سنو چار تو سریانی ہیں' آدم' شیث' خنوخ اور یہی ادریس ہیں جس نے سب سے پہلے قلم سے لکھا اور نوح اور چار عربی ہیں۔ ہود' شعیب' صالح اور تمہارے نبیؐ سب سے پہلے رسول حضرت آدم ہیں اور سب سے آخری رسول حضرت محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ' اللہ تعالیٰ نے کتابیں کس قدر نازل فرمائی ہیں؟ فرمایا ایک سو چار' حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے' حضرت خنوخ علیہ السلام پر تیس صحیفے' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے اور تورات' انجیل' زبور اور

فرقان' میں نے کہا یارسول اللہ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا اس کا کل یہ تھا' بادشاہ مسلط کیا ہوا اور مغرور کو اس کے اقتدار کا مقصد سمجھانا تھا کہ میں نے تجھے دنیا جمع کرنے اور ملا ملا کر رکھنے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے کہ تو مظلوم کی پکار کو میرے سامنے سے ہٹا دے۔ اگر میرے پاس پہنچے تو میں اسے رد نہ کروں گا گو وہ مظلوم کافر ہی ہو اور ان میں نصائح بھی تھیں مثلاً یہ کہ عاقل کو لازم ہے کہ وہ اپنے اوقات کے کئی حصے کرے۔ ایک وقت اپنے نفس کا حساب لے' ایک وقت اللہ کی صفت میں غور کرے' ایک وقت اپنے کھانے پینے کی فکر کرے۔ عاقل کو تین چیزوں کے سوا کسی میں اپنے تئیں منہمک نہ کرنا چاہئے۔ ایک تو توشہ آخرت' دوسرے سامان زیست اور تیسرے فکر معاش یا غیر حرام چیزوں سے سرور ولذت' عاقل کو چاہئے کہ اپنے وقت کو غنیمت سمجھ کر اپنے کام میں لگا رہے' اپنی زبان کی نگہداشت کرے جو شخص اپنے قول کو اپنے فعل سے ملاتا رہے' گا وہ بہت کم گو ہوگا' کلام وہی کرو جو تمہیں نفع دے' میں نے پوچھا موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا سراسر عبرتیں' مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کا یقین رکھتا ہے۔ پھر مست ہے' تقدیر کا یقین رکھتا ہے پھر ہائے وائے میں پڑا ہوا ہے' دنیا کی بے ثباتی دیکھتا ہے پھر اس پر اطمینان کئے ہوئے ہے' قیامت کے دن حساب کو جانتا ہے' پھر بے عمل ہے' میں نے کہا حضور اگلے انبیاء کی کتابوں میں جو تھا اس میں سے بھی کچھ ہماری کتاب میں ہمارے ہاتھوں میں ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں پڑھو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى آخر سورت تک' میں نے کہا حضورؐ مجھے وصیت کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں' یہی تیرے اعمال کی روح ہے' میں نے کہا یارسول اللہؐ کچھ اور بھی' آپؐ نے فرمایا' تلاوت قرآن اور ذکر اللہ میں مشغول رہ' وہ تیرے لئے آسمانوں میں ذکر کا اور زمین میں نور کے حصول کا باعث ہوگا۔ میں نے پھر کہا حضورؐ اور زیادہ فرمایئے' فرمایا خبردار زیادہ ہنسی سے بچو۔ وہ دل کو مردہ کر دیتی ہے' اور چہرہ کا نور دور کر دیتی ہے' میں نے کہا اور زیادہ' فرمایا' جہاد میں مشغول رہو' میری امت کی رہبانیت یعنی درویشی یہی ہے' میں نے کہا اور وصیت کیجئے' فرمایا سوائے بھلی بات کہنے کے زبان بند رکھو' اس سے شیطان بھاگ جائے گا اور دینی کاموں میں بڑی تائید ہوگی۔ میں نے کہا کچھ اور بھی فرما دیجئے' فرمایا' اپنے سے نیچے درجے کے لوگوں کو دیکھا کرو اور اپنے سے اعلیٰ درجہ کے لوگوں پر نظریں نہ ڈال' اس سے تیرے دل میں اللہ کی نعمتوں کی عظمت ہوگی' میں نے کہا مجھے اور زیادہ نصیحت کیجئے' فرمایا مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کے ساتھ بیٹھو' اس سے اللہ کی رحمتیں تجھے بہت بڑی معلوم ہوں گی' میں نے کہا اور فرمایئے' فرمایا'' قرابت داروں سے ملتے رہو' گو وہ تجھ سے نہ ملیں' میں نے کہا اور؟ فرمایا حق گوئی کر گو وہ کسی کو کڑوی لگے' میں نے اور بھی نصیحت طلب کی' فرمایا اللہ کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کر' میں نے کہا اور فرمایئے' فرمایا اپنے عیبوں پر نظر رکھا کرو' دوسروں کی عیب جوئی سے باز آ جا' پھر میرے سینے پر آپ نے اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا' اے ابوذر تدبیر کے برابر کوئی عقل مندی نہیں اور حرام سے رک جانے کے برابر کوئی پرہیزگاری نہیں اور اچھے اخلاق جیسا کوئی حسب نسب نہیں۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث کچھ اسی مفہوم کے ساتھ ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ پوچھتے ہیں' کیا خارجی بھی دجال کے قائل ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں' فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں ایک ہزار بلکہ زیادہ نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں۔ ہر ہر نبی نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے لیکن میرے سامنے اللہ نے اس کی وہ علامت بیان فرمائی ہے جو کسی اور سے نہیں فرمائی'' سنو وہ بھینگا ہے اور رب ایسا ہو نہیں سکتا۔ اس کی داہنی آنکھ بھینگی کانی ہے' آنکھ کا ڈھیلا اتنا اٹھا ہوا جیسے چونے کی صاف دیوار پر کسی کا کھنگار پڑا ہو اور اس کی بائیں آنکھ ایک جگمگاتے ستارے جیسی ہے' وہ تمام زبانیں بولے گا' اس کے ساتھ جنت کی صورت ہوگی۔ سرسبز اور پانی والی اور دوزخ کی صورت ہوگی سیاہ دھوئیں دار''

ایک حدیث میں ہے' میں (حضورؐ) ایک لاکھ نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں بلکہ زیادہ کا۔ پھر فرماتا ہے' موسیٰؑ سے خود اللہ نے صاف طور پر کلام کیا۔ یہ ان کی خاص صفت ہے کہ وہ کلیم اللہ تھے' ایک شخص حضرت ابوبکر بن عیاش رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک شخص

اس جملہ کو یوں پڑھتا ہے وَ کَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِيْمًا یعنی موسیٰ نے اللہ سے بات کی ہے' اس پر آپ بہت بگڑے اور فرمایا' یہ کسی کافر نے پڑھا ہوگا۔ میں نے اعمش سے' اعمش نے یحیٰی سے' یحیٰی نے عبدالرحمٰن سے' عبدالرحمٰن نے علی سے' علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا ہے کہ وَ کَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِيْمًا غرض اس شخص کی معنوی اور لفظی تحریف پر آپ اس قدر ناراض ہوئے مگر عجب نہیں یہ کوئی معتزلی ہو' اس لئے کہ معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نہ اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا نہ کسی اور سے۔ کسی معتزلی نے ایک بزرگ کے سامنے اسی آیت کو اسی طرح پڑھا تو انہوں نے اسے ڈانٹ کر فرمایا پھر اس آیت میں یہ بے ایمانی کیسے کرو گے؟ جہاں فرمایا ہے وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ یعنی موسیٰ ہمارے وعدے پر آیا اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا' مطلب یہ ہے کہ یہاں تو یہ تاویل و تحریف نہیں چلے گی۔

ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا تو وہ سیاہ چیونٹی کا اندھیری رات میں کسی صاف پتھر پر چلنا بھی دیکھ لیتے تھے۔'' یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں اور جب موقوفاً بقول ابی ہریرہؓ ثابت ہو جائے تو بہت اچھی ہے۔ مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے کہ کلیم اللہ سے جب اللہ نے کلام کیا' وہ صوف کی چادر اور صوف کی سردول اور غیر مذبوح گدھے کی کھال کی جوتیاں پہنے ہوئے تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ایک لاکھ چالیس ہزار باتیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کیں جو سب وصیتیں تھیں' نتیجہ یہ کہ لوگوں کا کلام حضرت موسیٰؑ سے سنا نہیں جاتا تھا کیونکہ کانوں میں اسی پاک کلام کی گونج رہتی تھی' اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں۔ پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔ ایک اثر ابن مردویہ میں ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں' طور والے دن حضرت موسیٰؑ سے جو کلام اللہ تعالیٰ نے کیا' اس کی صفت جس دن پکارا تھا اس انداز کلام کی صفت سے الگ تھی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا بھید معلوم کرنا چاہا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ ابھی تو میں نے دس ہزار زبانوں کی قوت سے کلام کیا ہے بلکہ ان سب سے بھی بہت زیادہ۔ بنو اسرائیل آپ سے صفت کلام ربانی جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا ''میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا'' انہوں نے کہا' اچھا کچھ تشبیہ تو بیان کرو' آپ نے فرمایا تم نے کڑاکے کی آواز سنی ہوگی' وہ اس کے مشابہ تھی لیکن ویسی نہ تھی' اس کے ایک راوی فضل رقاشی ضعیف ہیں اور بہت ہی ضعیف ہیں۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا تو یہ تمام زبانوں پہ محیط تھا تو حضرت کلیم اللہ نے پوچھا'' باری تعالیٰ یہ تیرا کلام ہے؟ فرمایا نہیں اور نہ تو میرے کلام کی استقامت کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے دریافت کیا کہ اے رب تیری مخلوق میں سے کسی کا کلام تیرے کلام سے مشابہ ہے؟ فرمایا نہیں سوائے سخت تر کڑاکے کے۔ یہ روایت بھی موقوف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت کعبؓ اگلی کتابوں سے روایت کیا کرتے تھے جن میں بنو اسرائیل کی حکایتیں ہر طرح صحیح اور غیر صحیح ہوتی ہیں۔ یہ رسول ہی ہیں جو اللہ کی اطاعت کرنے والوں اور اس کی رضا مندی کے متلاشیوں کو جنتوں کی خوشخبریاں دیتے ہیں' اور اس کے اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کو عذاب اور سزا سے ڈراتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں جو نازل فرمائی ہیں اور اپنے رسول بھیجے ہیں اور ان کے ذریعہ اپنے اوامر و نواہی کی تعلیم دلوائی' یہ اس لئے کہ کسی کو کوئی حجت کسی کا کوئی عذر باقی نہ رہ جائے جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ الخ' یعنی اگر ہم انہیں اس سے پہلے ہی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجے جو ہم ان کی باتیں مانتے اور اس ذلت و رسوائی سے بچ جاتے' اسی جیسی یہ آیت بھی ہے لَوْ لَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ الخ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' اللہ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام برائیوں کو حرام کیا ہے خواہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور ایسا بھی کوئی نہیں جسے بہ نسبت اللہ کے مدح زیادہ پسند ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے خود اپنی مدح آپ کی ہے' اور کوئی ایسا نہیں جسے اللہ سے زیادہ عذر پسند ہو' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوش خبریاں سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اسی وجہ سے اس نے رسول بھیجے اور کتابیں اتاریں۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾
اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ
فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

جو کچھ تیری طرف اتارا ہے اس کی بابت اللہ خود گواہی دیتا ہے کہ اسے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ گواہ ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا وہ یقیناً گمراہی میں دور نکل گئے ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا ○ بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے ○ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول آ گیا ہے۔ پس تم ایمان لاؤ تاکہ تمہارے لئے بہتری ہو اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اللہ دانا ہے اور حکمت والا ○

ہمارے ایمان اور کفر سے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے: ☆☆ (آیت:۱۶۶-۱۷۰) چونکہ سابقہ آیتوں میں حضور ﷺ کی نبوت کا ثبوت تھا اور آپ کی نبوت کے منکروں کی تردید تھی اس لئے یہاں فرماتا ہے کہ گو کچھ لوگ تجھے جھٹلائیں، تیری مخالفت کریں لیکن اللہ خود تیری رسالت کا شاہد ہے، وہ فرماتا ہے کہ اس نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید وفرقان حمید تجھ پر نازل فرمایا ہے جس کے پاس باطل پھٹک ہی نہیں سکتا، اس میں چیزوں کا علم ہے جن پر اس نے اپنے بندوں کو مطلع فرمانا چاہا یعنی دلیلیں، ہدایت اور فرقان، اور اللہ کی رضامندی اور ناراضگی کے احکام اور گذشتہ کی اور آئندہ کی خبریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی وہ مقدس صفتیں ہیں جنہیں نہ تو کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ، بجز اس کے کہ وہ خود معلوم کرائے جیسے ارشاد ہے وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ اور فرمان ہے وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔ حضرت عطا بن سائبؒ جب حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی سے قرآن شریف پڑھ چکتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں تو نے اللہ کا علم لیا ہے۔ پس آج تجھ سے افضل کوئی نہیں، بجز اس کے جو عمل میں تجھ سے بڑھ جائے، پھر آپ نے آیت اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ سے آخر تک پڑھی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی شہادت کے ساتھ ہی ساتھ فرشتوں کی شہادت بھی ہے کہ تیرے پاس جو علم آیا ہے، جو وحی تجھ پر اتری ہے، وہ بالکل سچ اور سراسر حق ہے۔ یہودیوں کی ایک جماعت حضورؐ کے پاس آتی ہے تو آپ فرماتے ہیں، اللہ کی قسم مجھے پختہ طور پر معلوم ہے کہ تم میری رسالت کا علم رکھتے ہو، ان لوگوں نے اس کا انکار کر دیا۔ پس اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔ پھر فرماتا ہے، جن لوگوں نے کفر کیا، حق کی اتباع نہ کی بلکہ اور لوگوں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے یہ صحیح راہ سے ہٹ گئے ہیں اور حقیقت سے الگ ہو گئے ہیں اور ہدایت سے ہٹ گئے ہیں۔ یہ لوگ جو ہماری آیتوں کے منکر ہیں، ہماری کتاب کو نہیں مانتے، اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ ہماری راہ سے روکتے اور رکتے ہیں، ہمارے منع کردہ کاموں کو کر رہے ہیں، ہمارے احکام سے روگرداں ہیں، انہیں ہم نہ بخشیں گے نہ خیر و بھلائی کی طرف ان کی رہبری کریں گے۔ ہاں انہیں جہنم کا راستہ دکھا دیں گے جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق کو لے کر اللہ کے رسولؐ آ گئے، تم اس پر ایمان لاؤ اور

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ
اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ
اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا
تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ
اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى
بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ ع ۲۲

اے اہل کتاب اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گذر جاؤ اور اللہ پر بجز حق کے کچھ نہ کہو' مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کے حکم ہیں' جسے مریم کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہے۔ پس تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ اللہ تین ہیں' اس سے باز آ جاؤ تا کہ تمہارے لئے بہتری ہو' اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بس ہے کام بنانے والا ○

اس کی فرمانبرداری کرو' یہی تمہارے حق میں اچھا ہے اور اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے' تمہارا ایمان نہ اسے نفع پہنچائے' نہ تمہارا کفر اسے ضرر پہنچائے۔ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں۔ یہی قول حضرت موسیٰؑ کا اپنی قوم سے تھا کہ تم اور روئے زمین کے تمام لوگ بھی اگر کفر پر اجماع کر لیں تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' وہ تمام جہان سے بے پرواہ ہے' وہ علیم ہے' جانتا ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق ضلالت کون ہے؟ وہ حکیم ہے۔ اس کے اقوال' اس کے افعال' اس کی شرع' اس کی تقدیر سب حکمت سے پر ہیں۔

اپنی اوقات میں رہو اور حد سے تجاوز نہ کرو! ☆☆ (آیت:۱۷۱) اہل کتاب کو زیادتی سے اور حد سے آگے بڑھ جانے سے اللہ تعالیٰ روک رہا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں حد سے گذر گئے تھے اور نبوت سے بڑھا کر خدائی تک پہنچا رہے تھے' بجائے اطاعت کے عبادت کرنے لگے تھے' بلکہ اور بزرگان دین کی نسبت بھی ان کا عقیدہ خراب ہو چکا تھا۔ وہ انہیں بھی جو عیسائی دین کے عالم اور عامل تھے' معصوم محض جاننے لگ گئے تھے اور یہ خیال کر لیا تھا کہ جو کچھ یہ ائمہ دین کہہ دیں' اس کا ماننا ہمارے لئے ضروری ہے۔ سچ جھوٹ' حق و باطل' ہدایت و ضلالت کے پرکھنے کا کوئی حق ہمیں حاصل نہیں۔ جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مسند احمد میں ہے حضورؐ نے فرمایا ''مجھے تم ایسا نہ بڑھانا جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا' میں تو صرف ایک بندہ ہوں۔ پس تم مجھے عبداللہ اور رسول اللہ کہنا۔'' یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے۔ اسی سند کی اور حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے آپ سے کہا اے محمدؐ! اے ہمارے سردار اور سردار کے لڑکے' اے ہم سب سے بہتر اور بہتر کے لڑکے! تو آپ نے فرمایا ''لوگو اپنی بات کا خود خیال کر لیا کرو' تمہیں شیطان ادھر ادھر نہ کر دے' میں محمد بن عبداللہ ہوں' میں اللہ کا غلام اور اس کا رسول ہوں' قسم اللہ کی میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے مرتبے سے بڑھا دو''۔

پھر فرماتا ہے اللہ پر افترا نہ باندھو' اس کی بیوی اور اولاد نہ مقرر کرو' اللہ اس سے پاک ہے' اس سے دور ہے' اس سے بلند و بالا ہے۔ اس کی بڑائی اور عزت میں کوئی اس کا شریک نہیں' اس کے سوا نہ کوئی معبود نہ رب۔ مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ ہیں' وہ اللہ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہیں اور اس کی مخلوق ہیں' وہ صرف کلمہ کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں' جس کلمہ کو لے کر حضرت جبرئیلؑ حضرت

مریم صدیقہ کے پاس گئے اور اللہ کی اجازت سے اسے ان میں پھونک دیا پس حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ چونکہ محض اسی کلمہ سے بغیر باپ کے آپ پیدا ہوئے' اس لئے خصوصیت سے کلمۃ اللہ کہا گیا۔ قرآن کی روایت میں ہے مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ الخ' یعنی مسیح بن مریم صرف رسول اللہ ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں' ان کی والدہ سچی ہیں' یہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔

اور آیت میں ہے إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ الخ' عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ کی طرح ہے جسے مٹی سے بنا کر فرمایا' ہو جا' پس وہ ہو گیا۔ قرآن کریم اور جگہ فرماتا ہے الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا الخ' جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور ہم نے اپنی روح پھونکی اور خود اسے اور اس کے بچے کو لوگوں کے لئے نشان بنایا۔ اور جگہ فرمایا وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ سے آخر سورت تک۔ حضرت عیسیٰؑ کی بابت ایک اور آیت میں ہے إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ الخ' وہ ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا تھا۔ پس یہ مطلب نہیں کہ خود کلمہ الٰہی عیسیٰ بن گیا بلکہ کلمہ الٰہی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ امام ابن جریرؒ نے إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ الخ' کی تفسیر میں جو کچھ کہا ہے' اس سے یہ مراد ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ جو حضرت جبرئیلؑ کی معرفت پھونکا گیا' اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

صحیح بخاری میں ہے ''جس نے بھی اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے اور محمدؐ کے عبد و رسول ہونے کی' عیسیٰؑ کے عبد و رسول ہونے کی اور یہ کہ آپ اللہ کے کلمہ سے تھے جو مریمؑ کی طرف ڈالا گیا تھا اور اللہ کی پھونکی ہوئی روح تھے اور جس نے جنت دوزخ کو برحق مانا' وہ خواہ کیسے ہی اعمال پر ہو' اللہ پر حق ہے کہ اسے جنت میں لے جائے۔ اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے'' جیسے کہ جناب عیسیٰ کو آیت وحدیث میں روح منہ کہا ہے۔ ایسے ہی قرآن کی ایک آیت میں ہے وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ' اس نے مسخر کیا تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے' تمام کا تمام اپنی طرف سے۔ یعنی اپنی مخلوق اور اپنے پاس کی روح سے۔ پس لفظ من تبعیض (اس کا حصہ) کے لئے نہیں جیسے ملعون نصرانیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کا ایک جزو تھے بلکہ من ابتداء کے لئے ہے۔ جیسے کہ دوسری آیت میں ہے' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں رُوحٌ مِّنْهُ سے مراد رَسُولٌ مِّنْهُ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں مَحَبَّةٌ مِّنْهُ لیکن زیادہ قوی پہلا قول ہے یعنی آپ پیدا کئے گئے ہیں' روح سے جو خود اللہ کی مخلوق ہے۔ پس آپ کو روح اللہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے ناقۃ اللہ اور بیت اللہ کہا گیا ہے یعنی صرف اس کی عظمت کے اظہار کے لئے اپنی طرف نسبت کی۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ ''میں اپنے رب کے پاس اس کے گھر میں جاؤں گا'' پھر فرماتا ہے تم اس کا یقین کر لو کہ اللہ واحد ہے بیوی بچوں سے پاک ہے اور یقین مان لو کہ جناب عیسیٰ اللہ کا کلام' اللہ کی مخلوق اور اس کے برگزیدہ رسول ہیں۔ تم تین نہ کہو یعنی عیسیٰ اور مریم کو شریک اللہ نہ بناؤ' اللہ کی خدائی شرکت سے مبرا ہے۔ سورہ مائدہ میں فرمایا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ الخ' یعنی جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے' وہ کافر ہو گئے' اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے' اس کے سوا کوئی اور لائق عبادت نہیں۔ سورۂ مائدہ کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ سے سوال ہو گا کہ اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کا حکم لوگوں کو تم نے دیا تھا؟ آپ صاف طور پر انکار کر دیں گے۔ نصرانیوں کا اس بارے میں کوئی ضابطہ ہی نہیں ہے' وہ بے طرح بھٹک رہے ہیں اور اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض تو حضرت عیسیٰؑ کو خود اللہ مانتے ہیں' اور بعض شریک اللہ مانتے ہیں اور بعض اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر دس نصرانی جمع ہوں تو ان کے خیالات گیارہ ہوں گے۔ سعید بن بطریق اسکندری جو سن ۴۰۰ھ کے قریب گذرا ہے' اس نے اور بعض ان کے اور بڑے علماء نے ذکر کیا ہے کہ قسطنطین بانی قسطنطنیہ کے زمانے میں اس وقت کے نصرانیوں کا اس بادشاہ کے حکم سے اجتماع ہوا' جہاں دو ہزار سے زیادہ ان کے لاٹ پادری تھے۔ پھر اس قدر اختلاف آپس میں کیا کہ کسی بات پر ستر اسی آدمیوں سے زیادہ اتفاق ہی نہیں کرتے تھے۔ دس کا ایک عقیدہ تھا۔ بیس کا ایک خیال تھا۔ چالیس اور ہی کہتے تھے۔ ساٹھ اور طرف جا رہے تھے غرض ہزار ہا کی تعداد میں سے بہ مشکل تمام تین سو اٹھارہ آدمی ایک

قول پر جمع ہو گئے' بادشاہ نے اسی عقیدہ کو لے لیا' باقی کو چھوڑ دیا اور اسی کی تائید و نصرت کی اور ان کے لئے کلیسا اور گرجے بنا دیئے اور کتابیں لکھوا دیں اور قوانین ضبط کر دیئے' یہیں انہوں نے امانت کبریٰ کا مسئلہ گھڑا جو دراصل بدترین خیانت ہے' ان لوگوں کو ملکانیہ کہتے ہیں۔

پھر دوبارہ ان کا اجتماع ہوا' اس وقت جو فرقہ بنا اس کا نام یعقوبیہ ہے پھر تیسری مرتبہ کے اجتماع میں جو فرقہ بنا اس کا نام نسطوریہ ہے' یہ تینوں فرقے اقانیم ثلثہ کو حضرت عیسیٰؑ کے لئے ثابت کرتے ہیں' ان میں بھی باہم دیگر اختلاف ہے اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو تینوں کافر ہیں۔ اللہ فرماتا ہے' اس سے باز آؤ' یہ باز رہنا ہی تمہارے لئے اچھا ہے' اللہ تو ایک ہی ہے۔ وہ توحید والا ہے۔ اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہو' تمام چیزیں اس کی مخلوق ہیں اور اس کی ملکیت میں ہیں' سب اس کی غلامی میں ہیں اور سب اس کے قبضے میں ہیں' وہ ہر چیز پر وکیل ہے۔ پھر مخلوق میں سے کوئی اس کی بیوی اور کوئی اس کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دوسری آیت میں ہے بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ یعنی وہ تو آسمان و زمین کی ابتدائی آفرینش کرنے والا ہے' اس کا لڑکا کیسے ہو سکتا ہے' سورہ مریم میں وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ سے فَرْدًا تک بھی اس کا مفصلاً انکار فرمایا ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی ننگ و عار یا تکبر و انکار ہرگز ہو ہی نہیں سکتا اور نہ مقرب فرشتوں کو اس کی بندگی سے جو بھی دل چرائے اور تکبر و انکار کرے پس اللہ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع کرے گا O پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کئے ہیں' ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادتی دے گا' اور جن لوگوں نے ننگ و عار اور سرکشی اور انکار کیا' انہیں المناک عذاب کرے گا' اور وہ اپنے لئے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی' دوست اور امداد کرنے والا نہ پائیں گے O

اس کی گرفت سے فرار ناممکن ہے! ☆☆ (آیت: ۱۷۲-۱۷۳) مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اور بہترین فرشتے بھی اللہ کی بندگی سے تکبر اور کشیدگی نہیں کر سکتے' نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے بلکہ جو جس قدر مرتبے میں قریب ہوتا ہے' وہ اسی قدر اللہ کی عبادت میں زیادہ پابند ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں۔ لیکن دراصل اس کا کوئی ثبوت اس آیت میں نہیں' اس لئے یہاں ملائکہ کا عطف مسیح پر ہے اور استنکاف کا معنی رکنے کے ہیں' اور فرشتوں میں یہ قدرت بہ نسبت مسیح کے زیادہ ہے۔ اس لئے یہ فرمایا گیا ہے اور رک جانے پر زیادہ قادر ہونے سے افضلیت لازم نہیں آتی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو لوگ پوجتے تھے' اسی طرح فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ تو اس آیت میں مسیح علیہ السلام کو اللہ کی عبادت سے نہ رکنے والے بتا کر پھر فرشتوں کی بھی یہی حالت بیان کر دی' جس سے ثابت ہو گیا کہ جنہیں تم پوجتے ہو' وہ خود اللہ کو پوجتے ہیں' پھر ان کی پوجا کیسی؟ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ اور اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ جو اس کی عبادت سے رکے' منہ موڑے اور

بغاوت کرے، وہ ایک وقت اسی کے پاس لوٹنے والا ہے اور اپنے بارے میں اس کا فیصلہ سننے والا ہے۔ جو ایمان لائیں' نیک اعمال کریں' انہیں ان کا پورا ثواب بھی دیا جائے گا' پھر رحمت ایزدی اپنی طرف سے بھی انعام عطا فرمائے گی۔

ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ اجر تو یہ ہے کہ جنت میں پہنچا دیا اور زیادتی فضل یہ ہے کہ جو لوگ قابل دوزخ ہوں' انہیں بھی ان کی شفاعت نصیب ہو گی جن سے انہوں نے بھلائی اور اچھائی کی تھی لیکن اس کی سند ثابت شدہ نہیں' ہاں اگر ابن مسعودؓ کے قول پر ہی اسے روایت کیا جائے تو ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا' جو لوگ اللہ کی عبادت و اطاعت سے رک جائیں اور اس سے تکبر کریں' انہیں پروردگار دردناک عذاب کرے گا اور یہ اللہ کے سوا کسی کو ولی و مددگار نہ پائیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کریں' وہ ذلیل و حقیر ہو کر جہنم میں جائیں گے' یعنی ان کے انکار اور ان کے تکبر کا یہ بدلہ انہیں ملے گا کہ ذلیل و حقیر' خوار و بے بس ہو کر جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَکُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ نُوۡرًا مُّبِیۡنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَاعۡتَصَمُوۡا بِهٖ فَسَیُدۡخِلُهُمۡ فِیۡ رَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَفَضۡلٍ ۙ وَّیَهۡدِیۡهِمۡ اِلَیۡهِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ﴿۱۷۵﴾

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آ پہنچی اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اتار دیا ○ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑ لیا' انہیں تو وہ عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں لے لے گا اور انہیں اپنی طرف کی راہ راست دکھا دے گا ○

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مکمل دلیل اور حجت تمام ہے: ☆☆ (آیت: ۱۷۴-۱۷۵) اللہ تبارک و تعالیٰ تمام انسانوں کو فرماتا ہے کہ میری طرف سے کامل دلیل اور عذر معذرت کو توڑ دینے والی' شک و شبہ کو الگ کرنے والی برہان (دلیل) تمہاری طرف نازل ہو چکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف کھلا نور' صاف روشنی' پورا اجالا اتار دیا ہے' جس سے حق کی راہ صحیح طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ ابن جریج وغیرہ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ اب جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور توکل اور بھروسہ اسی پر کریں' اس سے مضبوط رابطہ کر لیں' اس کی سرکار میں ملازمت کر لیں' مقام عبودیت اور مقام توکل میں قائم ہو جائیں' تمام امور اسی کو سونپ دیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان اللہ پر لائیں اور مضبوطی کے ساتھ اللہ کی کتاب کو تھام لیں' ان پر اللہ اپنا رحم کرے گا اور اپنا فضل ان پر نازل فرمائے گا' نعمتوں اور سرور والی جنت میں انہیں لے جائے گا' ان کے ثواب بڑھا دے گا' ان کے درجے بلند کر دے گا اور انہیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی اور صاف راہ دکھائے گا' جو کہیں سے ٹیڑھی نہیں'

یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِی الۡکَلٰلَةِ ؕ اِنِ امۡرُؤٌا هَلَکَ لَیۡسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخۡتٌ فَلَهَا نِصۡفُ مَا تَرَکَ ۚ وَهُوَ یَرِثُهَاۤ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنۡ کَانَتَا اثۡنَتَیۡنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ ؕ وَاِنۡ کَانُوۡۤا اِخۡوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ؕ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا ؕ وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۷۶﴾

ع ۲۴ (۵)

تجھ سے فتویٰ پوچھتے ہیں' تو کہہ کہ اللہ خود تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے' اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے کا آدھا حصہ ہے اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو' پس اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں کل چھوڑے ہوئے کا دو تہائی ملے گا' اور اگر کئی شخص اس ناتے کے ہیں' مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کے لئے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے' اللہ تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ ہو تم بہک جاؤ۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے ○

کہیں سے تنگ نہیں۔ گویا وہ مومن دنیا میں صراط مستقیم پر ہوتا ہے اور راہ اسلام پر ہوتا ہے اور آخرت میں راہ جنت پر اور راہ سلامتی پر ہوتا ہے۔ شروع تفسیر میں ایک پوری حدیث گذر چکی ہے جس میں فرمان رسول ہے کہ اللہ کی سیدھی راہ اور اللہ کی مضبوط رسی قرآن کریم ہے۔

عصبہ اور کلالہ کی وضاحت! مسائل وراثت: ☆☆ (آیت:۱۷۶) حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' سورتوں میں سب سے آخری سورت سورۂ برات اتری ہے اور آیتوں میں سب سے آخری آیت یَسْتَفْتُوْنَكَ اتری ہے' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' "میں اپنی بیماری میں بیہوش پڑا تھا جو اللہ کے رسول ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے' آپ نے وضو کیا اور وہی پانی مجھ پر ڈالا جس سے مجھے افاقہ ہوا اور میں نے کہا' حضور' وارثوں کے لحاظ سے میں کلالہ ہوں' میری میراث کیسے بٹے گی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت فرائض نازل فرمائی (بخاری و مسلم)

اور روایت میں بھی اسی آیت کا اترنا آیا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں یعنی کلالہ کے بارے میں۔ پہلے یہ بیان گذر چکا ہے کہ لفظ کلالہ ماخوذ ہے اکیل سے جو کہ سر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے کہا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس میت کے لڑکے پوتے نہ ہوں' اور بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جس کے لڑکے نہ ہوں' جیسے کہ آیت میں ہے وَلَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو مسائل مشکل پڑے تھے' ان میں ایک یہ مسئلہ بھی تھا۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا' تین چیزوں کی نسبت میری تمنا رہ گئی کہ رسول اللہ ان میں ہماری طرف کوئی ایسا عہد کرتے کہ ہم اسی کی طرف رجوع کرتے۔ دادا کی میراث' کلالہ اور سود کے ابواب۔ اور روایت میں ہے' آپ فرماتے ہیں کہ کلالہ کے بارے میں میں نے جس قدر سوالات حضور سے کئے' اتنے کسی اور مسئلہ میں نہیں کئے یہاں تک کہ آپ نے اپنی انگلی سے میرے سینے میں کچوکا لگا کر فرمایا کہ تجھے گرمیوں کی وہ آیت کافی ہے' جو سورۂ نساء کے آخر میں ہے۔ اور حدیث میں ہے' اگر میں نے حضور سے مزید اطمینان کر لیا ہوتا تو وہ میرے لئے سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ بہتر تھا۔ حضور کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت موسم گرما میں نازل ہوئی ہوگی۔ واللہ اعلم۔ اور چونکہ حضور نے اس کے سمجھنے کی طرف رہنمائی کی تھی اور اس میں کفایت بتلائی تھی' اب فاروق اعظمؓ اس کے معنی پوچھنے بھول گئے جس پر اظہار افسوس کر رہے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ جناب فاروقؓ نے حضور سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا' پس فرمایا "کیا اللہ نے اسے بیان نہیں فرمایا"۔ پس یہ آیت اتری۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خطبے میں فرماتے ہیں' جو آیت سورۂ نساء کے شروع میں فرائض کے بارے میں ہے' وہ ولد و والد کے لئے ہے اور دوسری آیت میاں بیوی کے لئے ہے اور ماں زاد بہنوں کے لئے اور جس آیت سے سورۂ نساء کو ختم کیا ہے' وہ سگے بہن بھائیوں کے بارے میں ہے جو رحمی رشتہ عصبہ میں شمار ہوتا ہے (ابن جریر) اس آیت کے معنی هلك کے معنی ہیں مر گیا' جیسے فرمان ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ الخ' یعنی ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے ذات اللہ کے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ جیسے اور آیت میں فرمایا كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ یعنی ہر ایک جو اس پر ہے' فانی ہے اور تیرے رب کا چہرہ ہی باقی رہے گا جو جلال و اکرام والا ہے۔

پھر فرمایا اس کا ولد نہ ہو' اس سے بعض لوگوں نے دلیل پکڑی ہے کہ کلالہ کی شرط میں باپ کا نہ ہونا نہیں بلکہ جس کی اولاد نہ ہو' وہ کلالہ ہے' بروایت ابن جریر حضرت عمرؓ بن خطاب سے بھی یہی مروی ہے لیکن صحیح قول جمہور کا ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ بھی

یہی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ ولد ہو نہ والد اور اس کی دلالت آیت میں اس کے بعد کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے جو فرمایا وَلَهُ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ یعنی اس کی بہن ہو تو اس کے لئے کل چھوڑے ہوئے مال کا آدھوں آدھ ہے اور اگر بہن باپ کے ساتھ ہو تو باپ اسے ورثہ پانے سے روک دیتا ہے اور اسے کچھ بھی اجماعاً نہیں ملتا' پس ثابت ہوا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد نہ ہو اور یہ تو نص سے ثابت ہے۔ اور باپ بھی نہ ہو یہ بھی نص سے ثابت ہوتا ہے لیکن قدرے غور کے بعد' اس لئے کہ بہن کا نصف حصہ باپ کی موجودگی میں ہوتا ہی نہیں بلکہ وہ ورثے سے محروم ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے کہ ایک عورت مرگئی ہے۔ اس کا خاوند ہے اور ایک سگی بہن ہے تو آپ نے فرمایا' آدھا بہن کو دے دو اور آدھا خاوند کو' جب آپ سے اس کی دلیل پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا میری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے ایسی صورت میں یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا (احمد)۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ابن جریر میں منقول ہے کہ ان دونوں کا فتویٰ اس میت کے بارے میں جو ایک لڑکی اور ایک بہن چھوڑ جائے' یہ تھا کہ اس صورت میں بہن محروم رہے گی' اسے کچھ بھی نہ ملے گا اس لئے کہ قرآن کی اس آیت میں بہن کو آدھا ملنے کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ میت کی اولاد نہ ہو اور یہاں اولاد ہے۔ لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی آدھا لڑکی کو ملے گا بہ سبب فرض کے اور آدھا بہن کو ملے گا بہ سبب عصبہ ہونے کے۔ ابراہیم اسود کہتے ہیں' ہم میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فیصلہ کیا کہ آدھا لڑکی کا اور آدھا بہن کا۔ صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکی اور پوتی اور بہن کے بارے میں فتویٰ دیا کہ آدھا لڑکی کو اور آدھا بہن کو۔ پھر فرمایا ذرا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی ہو آؤ۔ وہ بھی میری موافقت ہی کریں گے لیکن جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا اور حضرت ابوموسیٰ کا فیصلہ بھی انہیں سنایا گیا تو آپ نے فرمایا پھر تو میں گمراہ ہو جاؤں اور راہ یافتہ لوگوں میں میرا شمار نہ رہے گا۔ سنو میں اس میں وہ فیصلہ کرتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ آدھا تو بیٹی کو اور چھٹا حصہ پوتی کو تو دو ثلث پورے ہو گئے اور جو باقی بچا وہ بہن کو۔ ہم پھر واپس آئے اور حضرت ابوموسیٰ کو یہ خبر دی تو آپ نے فرمایا' جب تک یہ علامہ تم میں موجود ہیں' مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔

پھر فرمان ہے کہ یہ اس کا وارث ہو گا اگر اس کی اولاد نہ ہو' یعنی بھائی اپنی بہن کے کل مال کا وارث ہے جبکہ وہ کلالہ مرے یعنی اسکی اولاد اور باپ نہ ہو' اس لئے کہ باپ کی موجودگی میں تو بھائی کو ورثے میں سے کچھ بھی نہ ملے گا۔ ہاں اگر بھائی کے ساتھ ہی اور کوئی مقررہ حصے والا اور وارث ہو جیسے خاوند یا ماں جایا بھائی تو اسے اس کا حصہ دے دیا جائے گا اور باقی کا وارث بھائی ہو گا۔ صحیح بخاری میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں' فرائض کو ان کے اہل سے ملا دو' پھر جو باقی بچے' وہ اس مرد کا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہو۔ پھر فرماتا ہے' اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں مال متروکہ کے دو ثلث ملیں گے۔ یہی حکم دو سے زیادہ بہنوں کا بھی ہے' یہیں سے ایک جماعت نے دو بیٹیوں کا حکم لیا ہے۔ جیسے کہ دو سے زیادہ بہنوں کا حکم لڑکیوں کے حکم سے لیا ہے جس آیت کے الفاظ یہ ہیں فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ۔ پھر فرماتا ہے' اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے' یہی حکم عصبات کا ہے خواہ لڑکے ہوں یا پوتے ہوں یا بھائی ہوں' جب کہ ان میں مرد عورت دونوں موجود ہوں۔ تو جتنا دو عورتوں کو ملے گا اتنا ایک مرد کو۔ اللہ اپنے فرائض بیان فرما رہا ہے' اپنی حدیں مقرر کر رہا ہے' اپنی شریعت واضح کر رہا ہے تاکہ تم بہک نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمام کاموں کے انجام سے واقف اور ہر مصلحت سے دانا' بندوں کی بھلائی برائی کا جاننے والا' مستحق کے استحقاق کو پہچاننے والا ہے۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضورؐ اور صحابہؓ کہیں جا رہے تھے۔ سفر میں تھے۔ حذیفہؓ کی اونٹنی کا سر رسول اللہ ﷺ کے بیٹھے ہوئے صحابی کے کجاوے کے پاس تھا اور حضرت عمرؓ کی سواری کا سر حذیفہ کی سواری کے دوسرے سوار کے پاس تھا جو یہ آیت اتری۔ پس حضورؐ نے حضرت حذیفہؓ کو سنائی اور حضرت حذیفہؓ نے

حضرت فاروق اعظمؓ کو۔ اس کے بعد پھر حضرت عمرؓ نے جب اس کے بارے میں سوال کیا' تو کہا واللہ تم بے سمجھ ہو' اس لئے کہ جیسے مجھے حضورؐ نے سنائی ویسے ہی میں نے آپ کو سنا دی' واللہ میں تو اس پر کچھ زیادتی نہیں کر سکتا' پس حضرت فاروقؓ فرمایا کرتے تھے' الٰہی گو تو نے ظاہر کر دیا ہو مگر مجھ پر تو کھلا نہیں۔ لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ اسی روایت کی اور سند میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے دوبارہ یہ سوال اپنی خلافت کے زمانے میں کیا تھا اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ کلالہ کا ورثہ کس طرح تقسیم ہو گا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری لیکن چونکہ حضرت کی پوری تشفی نہ ہوئی تھی' اس لئے اپنی صاحبزادی زوجہ رسولؐ حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ خوشی میں ہوں تو تم پوچھ لینا۔

چنانچہ حضرت حفصہؓ نے ایک روز ایسا ہی موقعہ پا کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' شاید تیرے باپ نے تجھے اس کے پوچھنے کی ہدایت کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اسے معلوم نہ کر سکیں گے۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ سنا تو فرمانے لگے' جب حضورؐ نے یہ فرما دیا تو بس میں اب اسے جان ہی نہیں سکتا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم پر جب حضرت حفصہؓ نے سوال کیا تو آپ نے ایک کنگھے پر یہ آیت لکھوا دی' پھر فرمایا' کیا عمرؓ نے تم سے اس کے پوچھنے کو کہا تھا؟ میرا خیال ہے کہ وہ اسے ٹھیک ٹھاک نہ کر سکیں گے' کیا انہیں گرمی کی وہ آیت جو سورۂ نساء میں ہے' کافی نہیں؟ وہ آیت وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً ہے۔ پھر جب لوگوں نے حضورؐ سے سوال کیا تو وہ آیت اتری جو سورۂ نساء کے خاتمہ پر ہے اور کنگھی پھینک دی۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کر کے کنگھے کے ایک ٹکڑے کو لے کر فرمایا' میں کلالہ کے بارے میں آج ایسا فیصلہ کر دوں گا کہ پردہ نشین عورتوں تک کو معلوم رہے' اسی وقت گھر میں سے ایک سانپ نکل آیا اور سب لوگ ادھر ادھر ہو گئے' پس آپ نے فرمایا' اگر اللہ عزوجل کا ارادہ اس کام کو پورا کرنے کا ہوتا تو اسے پورا کر لینے دیتا۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

مستدرک حاکم میں ہے' حضرت عمرؓ نے فرمایا' کاش میں تین مسئلے رسول مقبول ﷺ سے دریافت کر لیتا تو مجھے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ محبوب ہوتا۔ ایک تو یہ کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہو گا؟ دوسرے یہ کہ جو لوگ زکوٰۃ کے تو قائل ہوں لیکن کہیں کہ ہم تجھے ادا نہیں کریں گے' ان سے لڑنا حلال ہے یا نہیں؟ تیسرے کلالہ کے بارے میں۔ اور حدیث میں بجائے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے سودی مسائل کا بیان ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' حضرت عمرؓ کے آخری وقت میں نے آپ سے سنا' فرماتے تھے' قول وہی ہے جو میں نے کہا' تو میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا یہ کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ اور روایت میں ہے' حضرت فاروقؓ فرماتے ہیں' میرے اور حضرت صدیقؓ کے درمیان کلالہ کے بارے میں اختلاف ہوا اور بات وہی تھی جو میں کہتا تھا' حضرت عمرؓ نے سگے بھائیوں اور ماں زاد بھائیوں کو جبکہ وہ جمع ہوں' ثلث میں شریک کیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ اس کے خلاف تھے۔ ابن جریر میں ہے کہ خلیفۃ المومنین جناب فاروقؓ نے ایک رقعہ پر دادا کے ورثے اور کلالہ کے بارے میں کچھ لکھا پھر استخارہ کیا اور ٹھہرے رہے اور اللہ سے دعا کی کہ پروردگار اگر تیرے علم میں اس میں بہتری ہے تو تو اسے جاری کر دے۔ پھر جب آپ کو زخم لگایا گیا تو آپ نے اس رقعہ کو منگوا کر مٹا دیا اور کسی کو علم نہ ہوا کہ اس میں کیا تحریر تھا۔ پھر خود فرمایا کہ میں نے اس میں دادا کا اور کلالہ کا لکھا تھا اور میں نے استخارہ کیا تھا۔ پھر میرا خیال یہی ہوا کہ تمہیں اسی پر چھوڑ دوں جس پر تم ہو۔ ابن جریر میں ہے' میں اس بارے میں ابوبکرؓ کے خلاف کرتے ہوئے شرماتا ہوں اور ابوبکرؓ کا فرمان تھا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد و والد نہ ہو۔ اور اسی پر جمہور صحابہ اور تابعین اور ائمہ دین ہیں اور یہی چاروں اماموں اور ساتوں فقیہوں کا مذہب ہے اور اسی پر دلالت ہے قرآن کریم کی۔ جیسے کہ باری تعالیٰ عزاسمہ نے اسے واضح کر کے فرمایا' اللہ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' واللہ اعلم۔ الحمدللہ سورہ نساء کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

truemaslak@inbox.com